حضرت مولانا مفتی مجیب الاسلام نسیم اعظمی

کے

احوال و افکار









مرتب

مولانا ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی

استاذ جامعہ شمس العلوم گھوسی ضلع مئو۔ یوپی

ناشر

مولانا محمد جعفر صادق اعظمی

وارکان انجمن پاسبان ملت ادری ضلع مئو۔ یوپی

شرف انتساب

تاجدار اہلسنت شہزادۂ اعلیٰحضرت سرکار مفتئ اعظم حضرت علامہ

شاہ ابوالبرکات آل رحمٰن مصطفٰے رضا قادری برکاتی

علیہ الرحمۃ والرضوان

ع .... کہ گل بدستِ تو از شاخِ تازہ تر ماند

محمد عاصم اعظمی

سلسلۂ بیت الحکمت نمبر (۱۵)

نام کتاب: حضرت مفتی مجیب الاسلام نسیم اعظمی علیہ الرحمہ۔ احوال وافکار

مرتب: مولانا ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی استاذ جامعہ شمس العلوم، گھوسی ضلع مئو

پروف ریڈنگ: محمد احسان، غلام غوث صدیقی

کمپوزنگ: دانش کمپیوٹر سینٹر امجدی روڈ، گھوسی، مئو

ناشر: (مولانا) محمد جعفر صادق اعظمی وارکان انجمن پاسبان ملت ادری ضلع مئو۔ یوپی

اشاعت باراول: دسمبر ۲۰۰۹ء

صفحات: ۲۰۸ قیمت: 60 /=

فہرست

☆☆☆☆☆

☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

رنگ ونور بھری دنیا میں ہر روز نئی زندگیاں جنم لیتی ہیں اور کائنات کی وسعتوں میں گم ہوجاتی ہیں، ان کی زندگی اور جدوجہد کا میدان نجی ضروریات کی تکمیل کے تنگ دائرے میں محدود رہتا ہے، جس سے نوع بشر کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا، ایسی ہستیاں بہت کم ظہور پذیر ہوتی ہیں، جن کی مساعی جمیلہ ذاتی زندگی اور مفاد کے تحفظ تک منحصر نہیں رہتی بلکہ ان کی تگ وتاز اور سعی مسلسل قوم وملت کی خیر خواہی اور ملی مفاد کے تحفظ کی وسیع جولان گاہ ہوتے ہیں، ان کا ہر قدم ملت کی بقا وسالمیت کے لیے اٹھتا ہے، افراد ملی کی اصلاح اور نئی نسل کی تعلیم وتربیت ان کا منشور حیات ہوتا ہے، ان کی تحریر وتقریر، فکر وعمل کی گردش ملت بیضہ کی تعمیر وتشکیل کے محور پر ہوتی ہے، ایسی شخصیتیں کسی خاص خاندان یا قبیلے کی ملکیت نہیں ہوتیں، بلکہ پوری ملت کا بیش بہا سرمایہ ہوتی ہیں، چونکہ انھوں نے اپنی بیش قیمت زندگیاں قوم وملت کے لیے وقف کردیں، اس لیے قوم وملت کا فرض بنتا ہے کہ ان ہستیوں کے نقوش حیات اور کارناموں کو محفوظ رکھیں تاکہ آنے والی نسلیں ان کی مشعل حیات سے اکتساب نور کریں۔

ایسی ہی مستند، مایہ ناز شخصیتوں میں حضرت علامہ مولانا مفتی مجیب الاسلام نسیم اعظمی علیہ الرحمہ کی ذات گرامی بھی تھی، آپ نے شعور سنبھالنے کے ساتھ ہی دینی وملی کاموں میں سرگرمی کے ساتھ حصہ لینا شروع کیا اور ساٹھ ستر سال کی طویل مدت

مسلمانوں کی اصلاح، ملت کے نونہالوں کی تعلیم و تربیت، دین حق کی اشاعت اور علم نبوت کی ترویج کے لیے بسر کی، اسلام وسنیت کے تحفظ و بقا کے لیے پر خلوص جد وجہد کی اور ایثار وقربانی کا ایسا نمونہ پیش کیا، جس کی نظیر خال خال ہی نظر آتی ہے۔

عرصۂ دراز سے ذہن میں یہ بات تھی کہ آپ کی سیرت و شخصیت، اور عظیم کارناموں سے متعلق معلومات کے لیے انٹرویو لیا جائے تا کہ آپ کی زبان مبارک سے صحیح احوال وکوائف کی دریافت منظر عام پر لائی جائے، لیکن ہمت نہ ہوتی تھی کہ آپ سے بالمشافہ ملاقات کے دوران سوالوں کی لمبی فہرست پیش کر کے جواب کی زحمت دی جائے، کئی مہینے اسی فکر وتردد میں گزرے، حضرت مولانا جعفر صادق صاحب سے تذکرہ کیا، تو انھوں نے میری تجویز سے اتفاق کیا اور حضرت مفتی صاحب سے رابطہ قائم کر کے ملاقات کا وقت لے لیا۔

رمضان شریف ۱۴۲۹ھ کی متبرک رات تھی، تراویح کے بعد مولانا جعفر صادق، مولانا مظفر الاسلام، مولانا عابد رضا اور یہ عاجز حضرت مفتی صاحب کے دولت کدہ پر حاضر ہوئے، سلام نیاز کے بعد مدعی عرض کیا، تو حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ اس کام میں ریا ہے اور میں ریا کو ہرگز پسند نہیں کرتا، دیر تک پند وموعظت کرتے رہے، آخر میں ناچیز نے عرض کی، حضور اس انٹرویو کے ذریعہ جو باتیں منظر عام پر آئیں گی، ان سے آنے والی نسلیں سبق حاصل کریں گی اور ان کے اندر علمی و عملی شعور بیدار ہوگا، وہ مستقبل میں قوم وملت کے پر خلوص خادم بنیں گے، حضرت مفتی صاحب قبلہ نے انٹرویو کی اجازت مرحمت فرمائی اور ہم نے علی الترتیب سوالات پیش کیے، حضرت نے جوابات مرحمت فرمائے، جنھیں مولانا مظفر الاسلام صاحب ضبط تحریر میں لاتے رہے۔

انٹرویو کا مبیضہ مولانا مظفر الاسلام صاحب نے اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود ایک رجسٹر پر نقل کر دیا، فل اسکیپ سائز میں جس کے مجموعی صفحات ۵۰/ سے متجاوز تھے، اس انٹرویو پر نظر ثانی کے دوران بار بار یہ خیال آتا رہا کہ اتنا طویل انٹرویو کسی

رسالے کے محدود صفحات میں جگہ نہ پا سکے گا، تلخیص کی صورت میں بہت سی مفید اور ضروری معلومات انٹرویو سے خارج کرنی پڑیں گی، جن میں سے بعض دستاویزی حیثیت رکھتی ہیں، اسی دوران یہ تجویز سامنے آئی کہ انٹرویو کو کتابی شکل دے دی جائے اور حضرت کے ملفوظات کی روشنی میں ان کے حالات زندگی، علمی و دینی خدمات، علما و مشائخ سے ان کے ذاتی تعلقات اور یادداشتوں کو از سر نو ترتیب دے دیا جائے۔

ناچیز نے یہ تجویز مولانا جعفر صادق اور دوسرے احباب کے سامنے پیش کی، تو انھوں نے تائید کی، متفقہ طور پر یہ طے کیا گیا کہ انٹرویو کے مندرجات کو کتابی شکل میں ہدیۂ قارئین کیا جائے، اس ناچیز نے شعبان المعظم ۱۴۳۰ھ کی تعطیل کے دوران حضرت کے انٹرویو کو کتاب کے فارم میں لانے کی جسارت کی، مگر اس بات کا لحاظ رکھا گیا کہ خاص خاص باتیں حضرت کے الفاظ ہی میں پیش کی جائیں۔

حضرت مفتی صاحب کی سیرت و شخصیت کے بعض پہلوؤں سے متعلق معلومات فراہم کی جاری تھی اور کتاب تکمیل کے مرحلے میں داخل ہو رہی تھی کہ ۱۸ / ذوالقعدہ ۱۴۳۰ھ مطابق ۸ / نومبر ۲۰۰۹ء بروز یکشنبہ دو بجے شب آپ کے وصال کا دردانگیز سانحہ وقوع پذیر ہوا، یہ عاجز اس وقت عرس قاسمی میں شرکت کے لیے مارہرہ مطہرہ گیا ہوا تھا، وہیں اس جانکاہ حادثۂ ارتحال کی خبر ملی، غم واندوہ میں ڈوب گیا، ایک طرف مفارقت کا غم تو دوسری جانب جنازے میں شریک نہ ہونے کی کسک، ۱۰ / نومبر ۲۰۰۹ء کو گھوسی پہنچا، سفر کی تکان اور شب بیداری کا اضمحلال تھا، حضرت مولانا جعفر صادق صاحب کا فون آیا، مدرسہ ضیاء العلوم میں تعزیتی جلسہ منعقد ہو رہا ہے، آپ بھی پہنچیں، ۱۲ / بجے حاضر ہوا تو مدرسے کا ہال سوگواروں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا، حضرت علامہ مفتی محمد اعظم صاحب قبلہ مدظلہ العالی شیخ الحدیث دار العلوم مظہر اسلام مسجد بی بی جی بریلی شریف، حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ کی زندگی اور علمی و دینی کارناموں پر روشنی ڈال رہے تھے، جلسۂ تعزیت ختم ہوا تو میں نے کتاب کا ناقص مسودہ پیش کیا، حضرت نے فرمایا اسے عرس چہلم

تک طبع ہو کر منظر عام پر آجانا چاہیے، طباعت کے مصارف کا انتظام کر دیا جائے گا۔

گھوسی آنے کے بعد مسودے پر نظر ثانی شروع کی گئی، بہت سے پہلو جو تشنۂ تحقیق تھے، انھیں نظر انداز کر دیا گیا اور موجودہ مواد کو مرتب کر کے ایک مختصر کتاب کی صورت دے دی گئی۔

قصبہ ادری کی تاریخ سے متعلق مواد کو جس میں مزید تفحص و تحقیق کی ضرورت تھی ناچار اس امید پر ہدیۂ قارئین کرنا پڑا کہ اس ادھورے کام کو کوئی باذوق، صاحب بصیرت شخص انجام تک پہنچا دے گا۔

آخر میں حضرت علامہ مفتی محمد اعظم صاحب قبلہ کا شکر گزار ہوں، جن کی حوصلہ افزائی اور مالی تعاون سے یہ کتاب منظر عام پر آرہی ہے، محترم حضرت مولانا جعفر صادق صاحب اور مولانا مظفر الاسلام صاحب کا ممنون ہوں، جنھوں نے مواد کی فراہمی اور حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ کے بیانات کو قید تحریر میں لانے کی سعی بلیغ کی۔

کتاب کی تدوین و ترتیب کے دوران عزیزی مولوی محمد احسان، مولوی معراج احمد، مولوی غلام غوث صدیقی سلمہم اللہ تعالیٰ نے میرا بھرپور تعاون کیا، مولائے تعالیٰ ان کے علم اور عمر میں برکتیں عطا فرمائے، آمین بجاہ النبی الکریم۔

کتاب کے مندرجات میں اگر کتابت یا مواد کی کوئی غلطی در آئی ہو تو قارئین سے مخلصانہ گزارش ہے کہ نشاندہی فرمائیں تا کہ اگلے ایڈیشن میں اس کی تصحیح کر لی جائے۔

ہیچ مداں

محمد عاصم اعظمی

بیت الحکمت کریم الدین پور گھوسی، مئو۔ یوپی

۲۹؍ ذی قعدہ ۱۴۳۰ھ مطابق ۱۸؍ نومبر ۲۰۰۹ء بروز چہار شنبہ

مقدمہ

قصبہ ادری صدر مقام ضلع مئو سے جانب شمال مشرق تقریباً ۸ر کلو میٹر کے فاصلے پر ایک بارونق آبادی ہے، یہ قصبہ کب آباد ہوا؟ اس کا موسس اول کون ہے؟ یہ بات ہنوز پردۂ خفا میں ہے، تاریخ ہند کے صفحات میں اس کا سراغ نہیں ملتا اور نہ ہی مستند دستاویز، کتبے اور آثار قدیمہ ہی ہیں، جن کی مدد سے ادری کی کوئی قطعی اور حتمی تاریخ سپرد قلم کی جائے، آثار وقرائن اور بعض مقامی روایات کی روشنی میں جو باتیں سامنے آئیں انھیں قلمبند کر دیا گیا اور اس سلسلے میں مزید تحقیق وتفحص اور چھان بین کے لیے فتح باب کر دیا گیا تاکہ فن تاریخ اور عمرانیات سے دلچسپی رکھنے والے احباب علم وبصیرت اپنی جگر کاوی اور کوشش پیہم سے تاریخی حقائق کو منظر عام پر لانے کی کوشش کریں۔

شمالی ہند میں مسلم فتوحات سے پہلے ہمارا یہ علاقہ دور دور تک گھنے جنگلوں پر مشتمل تھا، انھیں گھنے جنگلوں کے اندر کہیں کہیں کھلے میدانوں میں تھوڑی بہت آبادیاں بھی تھیں، اس علاقہ کے مغرب میں اجودھیا کے اندر کوشل راج اور بنارس میں کاشی راج دو بڑی ریاستیں تھیں، اجودھیا سے پورب ہمارے اس پورے خطے میں راج بھروں کی چھوٹی چھوٹی حکومتیں قائم تھیں، ان میں چار مشہور راج تھے (۱) اسیل دیو ماہل میں (۲) اجودھیا رائے گڈریا میں (۳) پری چھات نظام آباد میں (۴) گرگ دیو سگڑی میں، ان چھوٹی چھوٹی ریاستوں نے نظم سلطنت کے لیے مختلف مقامات پر چھوٹے چھوٹے قلعے تعمیر کیے تھے، جن کے آثار ماضی قریب تک آساؤ رمبارک پور، ندوہ سرائے، ادری اور محمد پور وغیرہ میں پائے جاتے تھے۔

سلطان شہاب الدین غوری نے ۱۱۹۲ء میں ترائن کی دوسری جنگ جیتنے کے بعد شمالی ہند میں مسلم اقتدار کی داغ بیل ڈالی اور اس کے سپہ سالاروں نے قنوج، گجرات، بندیل کھنڈ، بہار، بنگال فتح کر کے نوزائیدہ مسلم حکومت کی توسیع کی۔

سلطان شہاب الدین غوری کے مشہور جرنیل محمد بن بختیار خلجی نے ۱۱۹۷ء میں اودھ و بہار اور ۱۱۹۹ء میں بنگال کو فتح کیا، ان فتوحات کی ذیل میں ہمارا خطہ بھی آیا اور راج بھروں کی عملداری کا خاتمہ ہو گیا، ان کی بیشتر آبادیاں دوسرے علاقوں میں منتقل ہو گئیں، قلعے اور بستیاں ویرانی سے دوچار ہو گئیں، منہدم قلعوں کے آثار امتداد زمانہ سے تقریباً ناپید ہو گئے، مگر کچھ کچھ آثار آج بھی ان کا پتہ دیتے ہیں۔

راج بھروں کا ایک قلعہ ادری میں بھی تھا، جس کے ملبے پر موجودہ قصبہ ادری آباد ہے، جس کے کنارے قدیم روایت کے مطابق حفاظت کی غرض سے گہری چوڑی خندقیں کھودی گئیں تھیں اور آج بھی خندقیں پوکھریوں کی صورت میں شمالی اور مشرقی سمتوں سے قصبے کا احاطہ کرتی ہیں۔

مسلمانوں کی آمد سے پہلے اس علاقے کے شاداب جنگل ہندو سنیاسی اور تارک الدنیا سادھوؤں کی عبادت وریاضت کے لیے بہت موزوں تھے، یہاں ان کے بڑے بڑے آشرم ہوا کرتے تھے، ان میں سے بعض آج بھی پائے جاتے ہیں، مثلاً درباسا، دتہ تیری، دیولاس اور مٹھ محمد پور میں موجود ہیں۔

مٹھ محمد پور قصبہ ادری سے تقریباً پانچ کلومیٹر جانب جنوب واقع ہے، جو عہد قدیم میں ہندوؤں کی مذہبی تعلیم کا مرکز تھا، جس پر بہت بڑی آراضی وقف تھی اور انگریزوں کے عہد میں متعدد گاؤں مٹھادھیش کی زمینداری میں تھے، آج بھی زمینداری کا تھوڑا بہت حصہ باقی ہے، مٹھ کی موجودہ عمارت ایک اونچے ٹیلے پر بنائی گئی ہے، جس کے تین طرف چوڑی اور گہری خندق ہے، مٹھ کی عمارت اینٹ اور گچ سے تعمیر کی گئی ہے، جو مسقّف ہے، چھتیں لکڑی کی شہتیروں پر قائم ہیں، موجودہ مٹادھیش کے قول کے مطابق آثار قدیمہ

کے ماہرین کی ایک ٹیم محمد پور آئی تھی، جس نے عمارت کی اینٹ چونا اور مٹی لے جا کر تحقیق کی اور بتایا کہ یہ عمارت چار سو سال سے زیادہ پرانی ہے، اگر اسے تسلیم کرلیا جائے تو ادری اور اس کے اطراف میں یہ سب سے قدیم عمارت ہوگی۔

محمود پور محمد پور سے قریب ہی ٹونس ندی کے کنارے جگدیش پور سے ہتھنی تک محمود پور یا محمود گنج ایک معمور قصبہ تھا۔

محمود پور جیسا کہ نام سے ظاہر ہے مسلمانوں ہی نے آباد کیا اور قرین قیاس یہ ہے کہ قصبہ ادری کی آبادی سے سیکڑوں سال پہلے محمود پور آباد کیا گیا، ٹونس ندی کے کنارے اس قدیمی قصبے کی بنا تمدنی ضرورت کے پیش نظر رکھی گئی، کیوں کہ اس دور میں آمد و رفت اور رسل و رسائل کے ذرائع زیادہ تر دریائی راستے ہی ہوا کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کے بیشتر قدیم شہر اور قصبے دریاؤں کے ساحل پر آباد ہیں، جب یہ قصبہ ویران ہوا، یہاں کے مسلمان قرب و جوار کے علاقوں میں پھیل گئے، ادری سے جانب شرق فیروز آباد، محمد پور، میر پور غالباً اسی دور کی بستیاں تھیں۔

محمود پور کب آباد ہوا؟ ویرانی کے بعد اس کی تاریخ کا سراغ لگانا از بس دشوار ہے، تاہم قرین قیاس ہے کہ وہ شرقی دور میں آباد ہوا۔

فیروز شاہ تغلق کے بعد دہلی سلطنت پر زوال کے اثرات ظاہر ہونے لگے، جب محمود شاہ تغلق ۷۹۶ھ میں تخت حکومت پر بیٹھا تو دہلی کے دور دراز صوبوں میں سخت انتشار اور بغاوتوں کا ظہور ہوا، قنوج، اودھ، بہار میں سخت بغاوتیں رونما ہوئیں، چنانچہ بادشاہ دہلی نے اپنے وزیر ملک سرور خواجہ جہاں کو ملک الشرق کا خطاب دے کر ۷۹۶ھ ۱۳۹۴ء میں قنوج سے بہار تک کا علاقہ دے دیا، خواجہ جہاں نے اپنے حسن تدبر، سیاست و شجاعت کے بل پر پورے علاقہ کو زیر نگیں کرلیا اور بغاوتوں کا خاتمہ کر کے امن بحال کردیا، جب مرکز میں طوائف الملوکی حد سے بڑھی تو خودمختار شرقی سلطنت کی بنیاد رکھی اور قنوج سے لے کر بہار تک اپنی سلطنت قائم کرلی، خواجہ ملک

سرور کے حدود ولایت مبارک شاہی کے مطابق ''در عرصۂ جون پور رفت، بہ آہستگی اقطاع قنوج وکڑہ (الہ آباد)، اودھ، سندیہ (سندیلہ) ودل مئو وبہرائچ وبہار وترہت رادر قبض وتصرف آورد'' (مقدمہ حیات شبلی صفحہ ۹)۔

اس سے معلوم ہوا کہ قنوج، بہرائچ اور الہ آباد سے لے کر بہار اور ترہت (مظفر پور اور دربھنگہ وغیرہ) تک ملک پورب کی وسعت تھی۔

خواجہ جہاں کے بعد اس کے جانشینوں نے شرقی سلطنت کو پائیداری اور استحکام بخشا اور وہ ہندوستان کی سب سے مضبوط خود مختار سلطنت بن گئی، اسی دور سے دیار پورب میں علمی وعمرانی ترقی کا سنہرا دور شروع ہوتا ہے، جگہ جگہ مسلم نو آبادیاں قائم ہوئیں اور علماو مشائخ کے قافلے جوق در جوق پورے شرقی حدود ولایت میں پھیل گئے، خاص طور پر ابراہیم شاہ شرقی ۸۰۴ھ تا ۸۴۴ھ اور اس کے بیٹے محمود شاہ شرقی ۸۴۴ھ تا ۸۶۲ھ کا زمانہ شرقی سلاطین کا طلائی عہد تھا۔

ادری سے جانب جنوب پانچ کلومیٹر کے فاصلے پر ٹونس ندی کے کنارے محمود پور قدیمی قصبہ ممکن ہے سلطان محمود شرقی کے زمانہ میں اسی کے نام پر آباد کیا گیا ہو، جو بلا شبہ موجودہ ادری سے کئی صدی پیشتر معرض وجود میں آیا تھا۔

<u>فیروز آباد شاہ پور:۔</u> محمود پور کی ویرانی کے بعد محمد پور، میر پور اور فیروز آباد کے نام سے متعدد بستیاں قائم ہوئیں، فیروز آباد ادری سے جانب شرق دو کلومیٹر کے فاصلہ پر ایک بڑی بستی تھی، جہاں مختلف قومیں آباد تھیں۔

مقامی روایات کے مطابق فیروز آباد، ادری سے پہلے آباد ہوا، حضرت شاہ ارزانی علیہ الرحمہ کی آمد کے بعد جب ان کے ارادت مندوں کا حلقہ وسیع ہوا تو اس بستی کا نام فیروز آباد کے بجائے شاہ پور ہو گیا۔

<u>شاہ ارزانی علیہ الرحمہ:۔</u> شیخ طریقت حضرت شاہ ارزانی (جنھیں شاہ ارزاں بھی کہا جاتا ہے) کے والد مدینہ منورہ سے بغرض تبلیغ دین افغانستان آئے اور صوبہ کابل

میں اقامت گزیں ہوگئے، جہاں حضرت شاہ ارزانی کی ولادت ہوئی، شاہ ارزانی نے کابل اور دیگر اسلامی شہروں میں اسلامی علوم وفنون کی تحصیل کی، وقت کے جلیل القدر محدث ومفسر حضرت امام حافظ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (۸۴۹ھ تا ۹۱۱ھ) سے بھی شرف تلمذ حاصل کیا، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت شاہ ارزانی نویں صدی ہجری کی آخری دہائیوں میں پیدا ہوئے تھے، تحصیل علم کے بعد حضرت شاہ ارزانی طریقت وتصوف کی طرف مائل ہوئے، شیخ بایزید ابوتراب مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے سلسلہ سہروردیہ میں بیعت ہوئے، قادری تعلیمات حضرت شاہ بہلول دریائی رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۸۳ھ) سے حاصل کی اور قلندریہ تعلیم حضرت دادا میر حیات زندہ جاوید سے پائی، آپ نے اسلام اور انسانیت کی تبلیغ واشاعت کے لیے دنیا بھر کا سفر کیا، دیوار قہقہہ تک پہنچ گئے اور اللہ کے حضور میں عرض کیا۔

''اے اللہ تیری زمین آخر ہوگئی، نہیں تو تیرا اور تیرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ اور بھی آگے تک لوگوں کو پڑھواتا''۔

اثنائے سفر مکہ پہنچے، حج ادا کیا، روضۂ اقدس کی زیارت کے لیے مدینہ منورہ پہنچے، جہاں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے بشارت ہوئی۔

''اے ارزانی! تم ہندوستان جاؤ اور میرے لائے ہوئے دین کو بچاؤ''

یہ وہ زمانہ تھا، جب جلال الدین اکبر نے دین الٰہی کی بنا ڈالی اور مسلمانوں کے لیے صراط مستقیم پر قائم رہنا دشوار ہوگیا، حکومت کی سطح پر اسلام اور مسلمانوں کا استہزا کیا جانے لگا، شعائر اسلامی کی بے حرمتی ہونے لگی تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت کے مطابق حضرت شاہ ارزانی ہندوستان تشریف لائے، کچھ دنوں تک لاہور، اجمیر، دہلی، پیلی بھیت، بریلی، بنارس اور سیوان میں قیام فرمایا، اس کے بعد عظیم آباد تشریف لائے اور موجودہ محلہ درگاہ شاہ ارزانی میں سجادۂ رشد وہدایت بچھا کر باضابطہ تبلیغ دین، تزکیۂ نفس اور اصلاح باطن کا

کام شروع کیا اور اپنے ۳۶۰ رخلفا کو دنیا کے مختلف حصوں میں اشاعت اسلام اور تبلیغ دین کے لیے پھیلا دیا، قرآن و حدیث، فقہ و تفسیر کے درس کے لیے مدرسۃ الاسلام کی بنیاد رکھی۔

الحمدللہ! ساڑھے چار سو سال سے خانقاہ حضرت دیوان شاہ ارزانی میں رشد و ہدایت، تبلیغ دین، تزکیۂ نفس اور اصلاح باطن کا کام چل رہا ہے۔

مغل بادشاہوں کو آفتاب شریعت حضرت دیوان شاہ ارزانی سے گہری عقیدت تھی، مشکل وقتوں میں آپ کی بارگاہ میں اور وصال کے بعد آپ کی خانقاہ اور آستانہ پر حاضر ہوتے رہے ہیں، آج بھی آپ کا آستانہ مرجع خلائق ہے اور آپ کی خانقاہ مرکز رشد و ہدایت ہے، آپ کی وفات ۴ رذی الحجہ ۱۰۲۸ھ کو پٹنہ میں ہوئی، شاہ جہاں بادشاہ نے ۱۰۴۰ھ میں آپ کے مزار مبارک پر ایک عظیم الشان روضہ بنوایا۔

دیوان شاہ ارزانی نے بنارس سے سیوان جاتے وقت اثنائے سفر اعظم گڈھ، مسرولی، مئو، فیروزآباد (ادری) میں بھی قیام فرمایا، اعظم گڈھ اور مسرولی میں آپ کی چلہ گاہیں بھی ہیں، عظیم آباد میں مستقل قیام کے دوران بھی اعظم گڈھ اور اس کے اطراف میں حضرت بارہا تبلیغ دین اور اشاعت حق کے لیے تشریف لایا کرتے تھے، اور یہاں وسیع حلقۂ ارادت پیدا ہو گیا تھا، جس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ حضرت شاہ ارزانی کا وصال ۴ رذی الحجہ ۱۰۲۸ھ مطابق ۲ رنومبر ۱۶۱۹ء کو ہوا تو آپ کے خلیفۂ اول حضرت شاہ شجاول دیوان رحمۃ اللہ (م ۱۰۶۴ھ) سجادۂ مشیخت پر جانشیں ہوئے، جن کا وطن موضع مسرولی ضلع مئو تھا۔

حضرت شاہ ارزانی اس علاقے میں کب آئے، سن و سال کی تعیین محدود وسائل کی بنا پر ممکن نہیں، ہاں اتنی بات وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ اکبر بادشاہ نے دین الٰہی کی بنیاد ۹۹۰ھ مطابق ۱۵۸۲ء میں رکھی تھی اور حضرت شاہ ارزانی اسی باطل دھرم اور اس کے امنڈتے ہوئے سیلاب کو روکنے اور دین حق کے تحفظ و سالمیت کے لیے

ہندوستان بھیجے گئے تھے، جس کی بناپر قرین قیاس یہ ہے کہ حضرت شاہ ارزانی تقریباً نویں صدی ہجری کی آخری دہائی یا دسویں صدی ہجری کے اوائل میں اس علاقہ میں تشریف لائے اور اس کے بعد ہی فیروزا آباد کا نام شاہ پور رکھا گیا اور یہ جلال الدین اکبر کی بادشاہت کا دور آخر تھا۔

مقامی روایات کے مطابق حضرت شاہ ارزانی کی آمد اور شاہ پور میں ان کے فیوض و برکات سے متعلق چند باتیں تحریر کی جاتی ہیں۔

جناب عبدالستار ساکن موضع شاہ پور، جن کی عمر تقریباً سو سال ہو چکی ہے، بیان کرتے ہیں، میں نے اپنے والد امیر اللہ خان مرحوم اور دوسرے بزرگوں سے سنا ہے کہ حضرت شاہ ارزانی علیہ الرحمہ پٹنہ سے تبلیغ وارشاد حق کے لیے ہمارے علاقہ میں آئے، فیروز آباد سے جانب جنوب میر پور گودھنا پہنچے، انھیں سخت پیاس لگی، موضع والوں سے پانی طلب کیا، وہاں کے راج بھروں نے پانی دینے سے انکار کیا اور آپ کی شان میں گستاخی کی، حضرت وہاں سے فیروز آباد (شاہ پور) آئے اور اس مقام پر قیام فرمایا جہاں اس وقت جونیر ہائی اسکول کی جانب شمال پکڑ کا درخت ہے، یہاں کے لوگوں نے آپ کو پانی بھی دیا اور عزت و تکریم بھی کی، پانی نوش فرمانے کے بعد مسواک کیا اور مسواک پر کچھ دم کر کے زمین میں گاڑ دیا، وہی مسواک پکڑ کے عظیم درخت کی صورت میں آج بھی موجود ہے، جو حضرت کی واضح کرامت ہے۔

گاؤں میں صدیوں سے یہ روایت چلی آرہی ہے کہ جب کسی نزاعی معاملے کا فیصلہ نہیں ہوتا تو مدعی اور مدعا علیہ کو اسی پکڑ کے نیچے لاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تمہارے سچ اور جھوٹ کا فیصلہ یہیں ہوگا، پکڑ کے سائے میں لوگ جھوٹ بولنے سے احتراز کرتے ہیں، اس لیے کہ اگر کسی نے کذب بیانی سے کام لیا تو سخت پریشانیوں سے دوچار ہوتا ہے۔

شاہ ارزانی علیہ الرحمہ نے لوگوں سے فرمایا دکھن سمت دیکھو کچھ نظر آرہا ہے؟ لوگوں نے ادھر دیکھا عرض کی، کوئی خاص بات نہیں، پھر فرمایا اب دیکھو کچھ نظر آرہا ہے؟

لوگوں نے دوبارہ نگاہ اٹھائی تو دیکھا کہ میر پور گودھنا کی آبادی جل رہی ہے اور شعلے بلند ہورہے ہیں، چند ہی منٹوں میں پوری آبادی جل کر خاکستر ہوگئی۔

فرنگیوں نے اپنے زمانۂ اقتدار میں اس ویرانے کی کھدائی بھی کرائی تھی، صدیوں بعد اس سرزمین پر چند مکانات تعمیر ہوسکے۔

حضرت نے کچھ دنو یہاں قیام فرمایا اور بہت سے حضرات کو اپنے حلقۂ ارادت میں شامل کرکے ان کے باطن کی اصلاح اور تزکیہ فرمایا، پھر پٹنہ واپس چلے گئے۔

مولانا جمال الدین خان صاحب و جناب محمد امین الدین خان صاحب ساکنان شاہ پور نے بیان کیا کہ فیروز آباد اس علاقے کا بہت آباد اور مرکزی موضع تھا، مسلمانوں اور ہندوؤں کے بہت سے قبیلے اور کنبے آباد تھے، مگر یہ آبادی وبائی امراض اور طرح طرح کی آفتوں سے دوچار ہونے لگی تو یہاں کے ذمہ داروں کا ایک وفد حضرت شاہ ارزانی کی خدمت میں پٹنہ پہنچا، لوگوں نے فیروز آباد کی حالت زار بیان کی اور درخواست کی، حضور فیروز آباد تشریف لے چلیں آپ کے قدوم میمنت لزوم سے ہماری مصیبتیں دور ہوں گی، حضرت فیروز آباد تشریف لائے، وضو کیا، نماز پڑھی، وظیفہ فرمایا، پھر ایک لوٹا پانی لے کر موضع فیروز آباد کے چاروں طرف پانی کی دھار گراتے چلے گئے، صرف جانب مشرق و مغرب کچھ جگہ چھوڑ دی اور فرمایا کہ اب اس آبادی کا نام شاہ پور رہے گا، شاہ پور کے لوگ جب تک حق اور سچائی پر قائم رہیں گے، گاؤں میں نہ کوئی بلا داخل ہوگی اور نہ ہی چوری ڈکیتی ہوگی، حضرت کچھ دنوں بعد پٹنہ تشریف لے گئے، اس کے بعد عرصۂ دراز تک بستی کے لوگ پرامن زندگی بسر کرتے رہے، جب تک لوگوں میں خوش عقیدگی تھی اور وہ مذہب حق کی پیروی کرتے رہے، ہر قسم کی وبا، چوری و ڈکیتی سے محفوظ و مامون رہے۔

جب مولوی امام الدین پنجابی (م ۱۳۳۵ھ) فاضل دیوبند کا یہاں آنا جانا ہوا اور لوگوں میں بدعقیدگی پھیلنی شروع ہوئی، تو یہ موضع طرح طرح کی آفتوں اور بلاؤں کا

نشانہ بن گیا، یہاں کے باشندے ترک وطن کر کے دوسری جگہوں پر آباد ہونے لگے، انصاری لوگ انتقال مکانی کر کے چکرا چلے گئے اور قریشیوں کے خاندان ادری میں سکونت گزیں ہوئے، دوسری برادری کے لوگ بھی ادھر ادھر منتقل ہو گئے اور یہ آباد، بارونق موضع آج اپنی ویرانیوں پر ماتم کر رہا ہے۔

مولوی امام الدین پنجابی کا بیان:۔ مولوی امام الدین پنجابی جو برطانوی دور اقتدار میں مئو آ کر مقیم ہوئے، جن کا آنا جانا ادری اور شاہ پور میں بھی رہا، اپنی خودنوشت سوانح میں فیروز آباد اور شاہ پور کی آبادکاری اور اس علاقے کے اندر قوم افاغنہ سے متعلق جو یادداشتیں تحریر کیں ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

''ایک گاؤں علاقہ جہان آباد عرف مئو ناتھ بھنجن پرگنہ محمد آباد گوہنہ ضلع اعظم گڈھ میں قوم پٹھان کا مدت دراز سے آباد ہے، اس گاؤں کا نام زمانہ حال میں شاہ پور ہے، جس کو شاہ عالم خاں نے آباد کیا، اس گاؤں کے باشندوں کا مورث اعلیٰ جو پہلے اس ملک میں کلانور بٹالہ سے آ کر آباد ہوا ہے، وہ سلطان علی بن سلیم خاں ہے، سلطان علی خاں اصل میں کلانور بٹالہ سے جو یہ دو شہر ملک پنجاب میں مشہور و معروف ہیں، دہلی میں آن کر بادشاہ وقت سے منصب پایا، پھر شاہی حکم سے پرگنہ مئو ناتھ بھنجن کے حاکم ہوئے اور ایک مدت دراز تک باشندہ معہ اہل و عیال کے موضع ادری کے رہے، جب خان مذکور نے وفات پایا، تو اس کے لڑکے فیروز خاں نے موضع ادری سے جانب شرقی تخمیناً ایک میل کے فاصلے پر ایک گاؤں آباد کیا، جس گاؤں کا نام فیروز آباد ہوا، ایک مدت دراز تک اسی بستی کا یہی نام مشہور و معروف رہا، جب اس گاؤں پر کہنگی کے آثار پیدا ہوئے تو شاہ عالم خاں نے جو اولاد سلطان علی خاں سے ہیں، اس کے قریب ایک دوسری بستی آباد کی، اس کا نام اس زمانہ میں شاہ پور ہے۔

بعض لوگ بیان کرتے ہیں کہ اس گاؤں کو شاہ ارزاں صاحب قدس سرہ العزیز نے جو شہر پٹنہ، عظیم آباد میں سجادہ نشین کاملین سے گزرے ہیں، اور بہت بڑے مشائخ

سے مشہور و معروف ہیں، مریدان کے اکثر اطراف و جوانب میں اب تک موجود ہیں اور بہت سے معتقدین نے اپنے اپنے مواضعات سے قدرے زمینات شاہ صاحب موصوف کو جاگیرات میں دیا ہے، جس کی سالانہ آمدنی کئی ہزار معلوم ہوتی ہے، جب فیروز آباد کے باشندگان نے ان کو اپنا مرشد معظم بنایا اور اپنے اپنے اعتقادات کو حد سے زیادہ بڑھایا اور اس بستی پر کہنگی کے آثار ظاہر ہوئے تو شاہ صاحب مذکور نے اس کے متصل ایک دوسری بستی آباد کی جس کا نام شاہ پور ہے"۔

(خود نوشت قلمی بحوالہ مولانا پنجابی ص ۵۱/۵۰)

مولوی پنجابی نے سلطان علی خاں کا ذکر کیا، لیکن وہ کس بادشاہ کے زمانے میں اور کب مئو آئے؟ کس سن میں ادری میں قیام کیا؟ اس کی نشاندہی نہیں کرتے، اگر ان امور کی نشاندہی ہو گئی ہوتی تو ادری کی تاریخ کے سلسلے میں کوئی حتمی بات وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی تھی۔

میرا خیال ہے لودی بادشاہوں کے عہد میں جب کہ افغانوں کی ایک طاقتور حکومت دہلی میں قائم ہوئی، افغانستان اور پنجاب کے علاقوں میں آباد پٹھان خاندان بڑی تعداد میں ترک سکونت کر کے ہندوستان آئے، اور شاہی مراعات کے سایے میں شمالی ہند کے مختلف خطوں میں آباد ہو گئے، ممکن ہے سلطان علی خاں بن سلیم خاں کسی لودی بادشاہ کے زمانے میں مئو کے حاکم بنا کر بھیجے گئے۔

ادری اور شاہ پور میں موجود شاہی فرمانوں سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس علاقے میں بعض خاندانوں میں موجود ہیں، وہ مغل سلاطین کے زمانہ سے تعلق رکھتے ہیں، اس پر قیاس کرتے ہوئے کہا جا سکتا ہے، کہ لودیوں کے زمانے میں شجاع و بہادر قوم افغان کے افراد ادری آئے اور [illegible] میں مغل بادشاہوں نے اپنی حکومت کے استحکام کے لیے اس علاقے کے افغانوں کو اپنی نوازشات سے سرفراز کیا۔

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ یہ علاقہ مغل سلاطین کے زمانے ہی میں

مسلمانوں کے معتد بہ قبائل اور خانوادوں کی قیامگاہ بنا۔

مولوی امام الدین پنجابی نے فیروز آباد اور شاہ پور کو الگ الگ بستی قرار دیا ہے اور ان کے بانیوں کا نام بھی لکھا ہے، جبکہ شاہ پور کے باشندوں کی روایتیں اس کی تصدیق نہیں کرتیں، پنجابی صاحب کا بیان ہے کہ سلطان علی بن سلیم خاں سب سے پہلا افغان ہے جو مئو کا حاکم ہوا اور ادری میں قیام کیا، اس کے لڑکے فیروز خاں نے فیروز آباد آباد کیا، پھر سلطان علی بن سلیم خاں کی نسل سے شاہ عالم خاں پیدا ہوا، جس نے شاہ پور آباد کیا۔

اس بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاہ پور سے پہلے قصبہ ادری آباد ہو چکا تھا، جبکہ ادری اور اس سے ملحق مواضعات کے باشندوں کا کہنا ہے کہ ادری سے قبل موضع شاہ پور آباد ہوا ہے، قصبہ ادری جس کے بانی حضرت میاں نیک قدم خان علیہ الرحمہ ہیں، جو تقریباً آج سے چارسو سال پہلے ادری میں اقامت گزیں ہوئے اور یہی سب سے پہلے افغانی ہیں، جو یہاں آباد ہوئے، ان کے بعد افغانوں کے مختلف خاندانوں نے یہاں بود و باش اختیار کی۔

ادری اردو کانفرنس منعقدہ ۱۵ر جون ۱۹۵۴ء کے خطبۂ استقبالیہ میں قصبہ ادری کے مؤسس اول اور یہاں کے افغان خاندانوں سے متعلق حسب ذیل مندرجات دلچسپی سے خالی نہیں۔

”مہمانان کرام! آپ حضرات کو جس گاؤں میں قدم رنجہ فرمائی کی زحمت دی گئی ہے، وہ ان قدیم قصبوں اور گاؤں میں سے ہے، جو اعظم گڈھ صدر سے صدیوں پیشتر آباد ہو چکے تھے، یہ اس زمانے کی بات ہے، جب یہ علاقہ جونپور کی عملداری میں تھا، ادری کے ابتدائی دور میں یہاں راج بھروں کی حکومت تھی، یہاں ان کا ایک چھوٹا سا قلعہ تھا، یہاں کا محلہ کوٹ اسی قدیم دور کو یاد دلاتا ہے، ۸۰۴ھ میں جب سلطان سلیم شرقی تخت حکومت پر بیٹھا، تو اس نے ان اطراف میں ایک مضبوط حکومت کی بنیاد ڈالی،

یہی وہ زمانہ تھا، جب تیمور نے دلی اور پنجاب پر حملہ کیے، اس کے نتیجے میں دلی اور پنجاب کے مسلم گھرانے کارواں درکارواں پورب آنے لگے، غازی پور اور ضلع اعظم گڈھ کے قصبوں میں آکر بودوباش اختیار کی، اسی زمانے میں ادری میں بھی ایک بزرگ میاں نیک قدم خاں قوم افغان ابن عبدالحلیم افغان، ایک قاضی ایک حجام اور ایک دھوبی کا مختصر قافلہ لے کر وارد ہوئے، یہی بزرگ یہاں کے قدیم باشندے افغانی النسل برادری کے مورث اعلیٰ تھے، ان کا سلسلۂ نسب دانی سے چل کر طالوت سے جاملتا ہے، دانی کے چار لڑکوں میں ایک کا نام ''پنٹی'' تھا، نیک قدم خاں اسی کے اولاد سے تھے، میاں نیک قدم خاں کلانور بٹالے سے یہاں وارد ہوئے، مئو کی شاہی چھاؤنی میں جب پٹھانوں نے بغاوت کی تو دلی سے ایک مختصر فوج یک رنگ خاں بن حسین خاں کی سالاری میں بھیجی گئی، جس نے وہاں کے افغانی محلوں میں آگ لگائی اور ان کو شہر بدر کر کے امن وامان قائم کیا، اس خدمت کے صلے میں انھیں کافی جاگیریں ملیں اور ۱۰۸۶ھ میں سلیم خاں پنٹی کو ۲۶؍مواضعات بہ سلسلہ کارگزاری دیے گئے، یہ فوجی خاندان بھی بعد میں ادری آکر سکونت پذیر ہوگیا، ادری کے افغانوں کو ۹۸۳ھ، ۹۸۴ھ، ۱۰۹۳ھ، ۱۱۹۴ھ مختلف لوگوں کو اور سیف خاں کو شاہجہاں نے اپنے جلوس کے تیسرے سال کافی جاگیریں دیں، اس سلسلے میں شاہجہاں اور عالم گیر کے شاہی فرمان سنہرے حروف میں اپنی پوری جلوہ طرازیوں کے ساتھ اب بھی بعض گھرانوں میں موجود ہیں، ادری میں افغانوں کے بعض قبائل پائے جاتے ہیں، جن میں خصوصیت کے ساتھ سائی، لودی، موانی، جلوانی، کرانی، لوہانی، تہروان، ٹہروان، دھیال، پنٹی، یوسف زئی، علی زئی، لودی قابل ذکر ہیں''۔

خطبۂ استقبالیہ میں قصبہ ادری میں میاں نیک قدم خاں کی آمد ۸۰۴ھ بتائی گئی ہے، اور شرقی بادشاہ کا نام سلطان سلیم شرقی تحریر کیا گیا ہے، جبکہ چھ شرقی سلاطین میں سے کسی کا نام سلیم نہیں۔

(۱) خواجہ جہاں ملک الشرق ۷۹۶ھ ۱۳۹۴ء تا ۸۰۲ھ ۱۳۹۹ء
(۲) سلطان مبارک شاہ شرقی ۸۰۲ھ ۱۳۹۹ء تا ۸۰۴ھ ۱۴۰۱ء
(۳) شاہ ابراہیم شرقی ۸۰۴ھ ۱۴۰۱ء تا ۸۴۴ھ ۱۴۴۰ء
(۴) سلطان محمود شرقی ۸۴۴ھ ۱۴۴۰ء تا ۸۶۲ھ ۱۴۵۷ء
(۵) سلطان محمد شاہ شرقی ۸۶۲ھ ۱۴۵۷ء تا ۸۶۲ھ ۱۴۵۷ء صرف پانچ ماہ
(۶) سلطان حسین شاہ شرقی ۸۶۲ھ ۱۴۵۷ء تا ۸۸۱ھ ۱۴۷۴ء۔

سال جلوس ۸۰۴ھ درج کیا گیا ہے، جو سلطان ابراہیم شاہ شرقی کا سن جلوس ہے، سلیم کے نام سے ہندوستان کی تاریخ میں دو مشہور بادشاہ ہوئے۔

(۱) سلطان سلیم شاہ سوری، ۹۵۲ھ ۱۵۴۵ء تا ۹۶۰ھ ۱۵۵۳ء
(۲) نورالدین جہانگیر سلیم ۱۰۱۴ھ ۱۶۰۵ء تا ۱۰۳۷ھ ۱۶۲۷ء

لیکن یہ دونوں بادشاہ سوری اور مغل خاندان سے تعلق رکھتے تھے، جو ۸۰۴ھ کے صدیوں بعد تخت نشیں ہوئے ہیں۔

خطبۂ استقبالیہ میں میاں نیک قدم خاں کی آمد ۸۰۴ھ بتائی گئی ہے، جو آج سے سوا چھ سو سال قبل کا زمانہ ہے، جبکہ مقامی طور پر مشہور ہے کہ میاں نیک قدم خاں آج سے تقریباً پانچ سو سال قبل ادری تشریف لائے، اسے صحیح تسلیم کیا جائے تو آپ کے ورود کا زمانہ سلطان سلیم شاہ سوری کا عہد قرار دیا جاسکتا ہے، شیر شاہ سوری اور سلیم شاہ سوری دونوں افغان حکمراں تھے، اور انھوں نے افغانستان کے مختلف قبائل کو شاہی مراعات دے رکھی تھی اور ان کے زمانہ میں افغانوں کے قافلے جوق در جوق مشرقی یوپی میں آباد ہوئے، انھیں میں میاں نیک قدم خاں بھی رہے ہوں گے۔

خطبۂ استقبالیہ میں ادری کے قدیم خاندانوں کو جن شاہی فرامین کی رو سے جاندادیں دی گئیں، جن میں سب سے پرانا فرمان شاہی ۹۸۳ھ کا ہے، جو مغل بادشاہ اکبر کے عہد سے تعلق رکھتا ہے، اس لیے ادری میں افغانوں کی آمد کا زمانہ مغلوں سے کچھ

قبل لودی، سوری سلاطین کا دور قرار دیا جاسکتا ہے، تاہم شرقی سلاطین کے عہد میں ادری کے اندر مسلمانوں کے قیام سے انکار بھی نہیں کیا جاسکتا۔

مغلوں کے عہد میں ادری میں متعدد افغان خانوادے آباد ہوئے، جن کا ذکر خطبۂ استقبالیہ اردو کانفرنس کے متذکرہ بالا اقتباس میں کیا گیا ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ادری اور اس کے اطراف میں افغان خاندانوں کی ترقی وعروج کا زمانہ عہد مغلیہ ہی تھا۔

اکبر، جہانگیر، شاہجہاں اور اورنگ زیب کے عہد میں اس علاقہ کے افغان باشندوں کو شاہی جاگیریں اور مراعات سے سرفراز کیا جاتا رہا، خصوصاً شاہجہاں کے عہد میں جب مئو کی نشأۃ ثانیہ ہوئی اور شہزادی جہاں آرا بیگم مئو آئی تو پورے علاقے میں باہر سے آنے والے مسلمان پے در پے وہاں آباد ہوئے۔

شاہجہاں بادشاہ جو اپنی چہیتی بیٹی جہاں آرا بیگم کی فہم وفراست، علم و دانش اور امور سلطنت میں درک کی وجہ سے اسے بہت محبوب رکھتا تھا، شاہی محل کے انتظامات اسی کے سپرد تھے، بادشاہ نے اپنی لاڈلی بیٹی کو مئو کا علاقہ بطور جاگیر عطا کیا تھا، ۱۶۲۹ء میں جہاں آرا بیگم جب مئو آئی تو تمدنی ضروریات کے پیش نظر مختلف صنعت وحرفت کے ماہرین کو آگرہ سے اپنے لشکر کے ساتھ لائی، جن میں بڑھئی، درزی، معمار اور پارچہ باف تھے، جن کو مئو اور اس کے اطراف میں آباد کردیا۔

سید سلیمان ندوی کے مطابق۔

"کہتے ہیں کہ یہ قصبہ شہزادی جہاں آرا بنت شاہجہاں کی جاگیر میں تھا، اسی لیے اس کا شاہی نام جہاں آباد رکھا گیا تھا (حاشیہ: یہ نام ان فرامین میں ہے جو اس قصبہ کے لوگوں کے قبضہ میں اب تک موجود ہیں) شہزادی نے اپنے شوق سے یہاں کپڑے بننے کے کاریگروں کو جمع کیا اور ایک جامع مسجد بنوائی، جس کے چاروں طرف طلبہ کے لیے حجرے تھے، اس قصبہ نے کپڑے کی کمال صنعت وحرفت کے ساتھ علم وفن کی خدمت بھی انجام دی"۔ (حیات شبلی ص ۵۷)

انھیں صنعت کاروں میں سے بنکروں کی ایک بڑی تعداد قصبہ ادری میں بھی آباد ہوئی، جنھوں نے اپنی صنعت وحرفت سے قصبہ کی رونق میں اضافہ کیا۔

بعدہٗ اس طرح وقتاً فوقتاً باہر سے آنے والے خاندان یہاں آباد ہوتے چلے گئے اور ایک چھوٹی سی بستی رفتہ رفتہ ایک مختصر بارونق قصبہ کی صورت اختیار کرگئی، جہاں مختلف پیشہ اور صنعت وحرفت سے تعلق رکھنے والے افراد قصبہ کی خوشحالی اور ترقی میں مل جل کر جدوجہد کررہے ہیں۔

یہ قصبہ صنعت وحرفت کے میدان ہی میں آگے نہیں بلکہ علم وفضل اور شعروادب کی بزم آراستہ کرنے والے علما وفضلا، شعرا وادبا کی ایک بڑی جماعت بھی موجود ہے، جو گلستان علم وادب کی آبیاری اپنے خون جگر سے کررہے ہیں۔

محمد عاصم اعظمی

بیت الحکمت کریم الدین پور، گھوسی، مئو

۲۹/ ذیقعدہ ۱۴۳۰ھ مطابق ۱۸/ نومبر ۲۰۰۹ء بروز بدھ

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

احوال

خاندان:۔ روشن ضمیر دور اندیش شیخ وقت حضرت میاں نیک قدم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بڑی مبارک ساعت میں سرزمین ادری پر ورود فرمایا اور اسے اپنی اور آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے مستقل قیام گاہ قرار دیا، چراغ سے چراغ جلتے گئے اور اس مختصر قافلے کی اولاد و احفاد میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا گیا، لیل و نہار گزرتے رہے اور متعدد مورثان قبائل ترک وطن کر کے ادری میں سکونت گزیں ہوتے رہے، چند مکانوں پر مشتمل یہ نو آبادی ایک موضع کی شکل اختیار کر گئی، یہاں مقیم خاندانوں کی نسلیں فروغ پاتی رہیں اور نئے تارکین وطن اس پر امن بستی کی آغوش میں پناہ لیتے رہے، صدیوں بعد یہ آبادی ایک مختصر قصبے کی صورت اختیار کر گئی اور آج تک اس سرزمین پر نو وارد خاندانوں کی آمد اور سکونت کا سلسلہ برابر جاری ہے، باہر سے آنے والے خاندانوں میں حضرت علامہ مفتی الحاج الشاہ مجیب السلام صاحب قبلہ نسیم اعظمی کا خاندان بھی ہے، جس کے مورث اعلیٰ کئی سو سال قبل بلوچا ضلع بلیا سے ترک وطن کر کے ادری میں آبسے اور یہاں کے پر امن ماحول میں ان کی نسل پروان چڑھتی رہی جس سے ایک قبیلہ وجود میں آ گیا۔

نام ونسب وولادت:۔ آپ کا اسم گرامی مجیب الاسلام، تخلص نسیم، سلسلۂ نسب اس طرح ہے، مولانا مجیب السلام بن حاجی سراج الدین بن حاجی ولی اللہ۔

حضرت مولانا کا خاندان پارچہ بافی کی صنعت سے جڑا ہوا تھا، آپ کے والد اور دادا زیادہ تعلیم یافتہ نہ تھے، اس لیے خاندان میں پیدا ہونے والے بچوں کی تاریخ ولادت

اور وفات پانے والوں کی تاریخ وفات محفوظ کرنے کی روایت نہ تھی، چنانچہ حضرت مفتی صاحب قبلہ کی تاریخ ولادت بھی لکھ کر محفوظ نہ رکھی گئی، ایک اندازے کے مطابق آپ کا سن ولادت تقریباً ۲۶/۱۳۳۵ھ قرار دیا جا سکتا ہے۔

بچپن:۔ مفتی صاحب ایک متوسط درجہ کے کھاتے پیتے والدین کے اکلوتے بیٹے تھے، اس لیے آپ کی پرورش و پرداخت پر بڑی مشفقانہ توجہ کی گئی اور انتہائی لاڈ و پیار کے ماحول میں پروان چڑھے، جب نوشت و خواند کے قابل ہوئے، مدرسہ فیض العزبا ادری میں داخل کردیے گئے، جہاں قرآن کریم ناظرہ اور اردو کی ابتدائی کتابیں پڑھیں، چونکہ اس ادارے میں اعلیٰ تعلیم کا بندوبست نہیں تھا، اس لیے مزید تعلیم کے لیے ادری سے باہر جانا پڑا۔

تحصیل علم:۔ حضرت مفتی صاحب کو قدرت نے غیر معمولی قوت حفظ وضبط اور علمی استعداد کے ساتھ شوق علم سے بھی بہرہ مند فرمایا تھا، چنانچہ تحصیل علم کے لیے پہلا سفر جلال پور ضلع فیض آباد کا کیا، یہ وطن سے دور رہنے کا پہلا اتفاق تھا، دل نہ لگا اور چند مہینہ رہ کر واپس چلے آئے۔

تعلیم کا شوق بے پایاں تھا اور قرب و جوار میں کوئی مناسب درسگاہ نہیں تھی، اس لیے والد گرامی قدر نے امروہہ ضلع مرادآباد بھیج دیا، جہاں مدرسہ حنفیہ میں داخلہ لیا اور پورے انہماک کے ساتھ تعلیم حاصل کرنے لگے، اس ادارے میں وقت کے جلیل القدر علما حضرت علامہ سید خلیل احمد کاظمی علیہ الرحمہ، شیخ العلما مولانا غلام جیلانی علیہ الرحمہ اور دوسرے ماہرین علم وفن اساتذہ سے چند سالوں تک درس لیا۔

امروہہ چھوڑنے کے بعد دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور میں داخل ہوئے، یہاں حافظ ملت علیہ الرحمہ، علامہ شمس الحق گجہڑوی علیہ الرحمہ، علامہ سید سلیمان اشرف بھاگل پوری علیہ الرحمہ سے درس نظامی کی متوسطات کا درس لیا۔

اشرفیہ ترک کرنے کے بعد حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کے ساتھ مدرسہ

حافظیہ سعیدیہ دادوں ضلع علی گڈھ پہنچے، جہاں حضرت صدرالشریعہ سے شرح ہدایت الحکمت کا درس لیا اور دیگر اساتذہ سے درس نظامی کی اہم کتابیں پڑھیں۔

دادوں ضلع علی گڈھ سے مرکزی دارالعلوم مظہر اسلام بریلی شریف آئے، جہاں محدث اعظم پاکستان حضرت علامہ سردار احمد صاحب قبلہ، حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری اور حضرت علامہ عبدالعزیز بجنوری علیہم الرحمہ سے صحاح ستہ، تفسیر بیضاوی اور دیگر منتہی کتابوں کا درس لیا، اسی درسگاہ سے شعبان ۱۳۶۰ھ میں فارغ التحصیل ہوئے اور سند فضیلت کے ساتھ خلعت جبہ ودستار سے سرفراز کیے گئے۔

ہم سبق علما:۔ حضرت مفتی صاحب قبلہ نے ملک وملت کے عظیم علما سے اکتساب فیض کیا، امروہہ، مبارک پور، دادوں، بریلی شریف میں آپ کے ہم جماعت طلبہ بھی اپنے وقت کے جلیل القدر عالم بنے، ان میں چند اہم نام یہ ہیں۔

(۱) مولانا محمد اعجاز خان بریلوی (۲) مولانا حافظ مصلح الدین قنوجی (۳) مولانا صوفی وجیہ الدین پیلی بھیتی (۴) مولانا سید ظہیر احمد زیدی (۵) مفتی ظفر علی نعمانی بلیاوی (۶) مولانا اختر حسن ادروی (۷) مولانا نثار احمد مبارک پوری (۸) مولانا محمد حاتم مبارک پوری (۹) مولانا نثار احمد شاہ پوری (۱۰) حکیم مولانا مقبول احمد گھوسوی رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین۔

دور طالب علمی کا ایک اہم واقعہ:۔ قصبہ ادری سے جانب شرق دو کلومیٹر کے فاصلے پر ایک قدیم بستی شاہ پور ہے، جہاں ہیضے کی وبا پھوٹ پڑی اور لوگ جاں بحق ہونے لگے، یہ صورت حال دیکھ کر حضرت مفتی صاحب نے جو ابھی طالب علم تھے، اپنے ایک رفیق درس مولانا نثار احمد شاہ پوری کو ساتھ لے کر شاہ پور کے گلی کوچوں میں گھوم گھوم کر اذانیں دیں، جس کی برکت سے وبا کا منحوس سایہ آبادی سے چھٹ گیا اور لوگوں نے امن وعافیت کا سانس لیا۔

اہم اساتذہ:۔ حضرت مفتی صاحب مدظلہ العالی نے ملک کی مایہ ناز درسگاہوں میں

تحصیل علم کی اور وقت کے نامور ماہرین علوم عقلیہ ونقلیہ سے اکتساب علم کیا اور اپنے دامن کو علم وفن کے شاہوار موتیوں سے بھر لیا، جن کی تابانیوں نے آپ کے وجود کو علم وفن کا مینارۂ نور بنا دیا، یوں تو مفتی صاحب قبلہ نے بہت سے متبحر علما سے کسب فیض کیا، لیکن آپ کے ممتاز اور فخر روزگار اساتذۂ کرام حسب ذیل ہیں، جن میں سے ہر ایک علوم اسلامیہ کی چلتی پھرتی اکیڈمی کی حیثیت رکھتا تھا۔

(۱) صدر الشریعہ بدر الطریقہ حضرت علامہ الحاج مفتی محمد امجد علی اعظمی قادری علیہ الرحمہ (مصنف بہار شریعت) م ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء (۲) جامع معقول ومنقول حضرت علامہ سردار احمد گورداسپوری محدث اعظم پاکستانی، م ۱۳۸۲ھ/ ۱۹۶۲ء (۳) فخر المحدثین حضرت علامہ عبد المصطفیٰ ازہری سابق شیخ الحدیث دار العلوم امجدیہ کراچی، م ۱۴۱۰ھ/ ۱۹۸۹ء (۴) حافظ ملت حضرت علامہ حافظ عبد العزیز محدث مراد آبادی بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور، م ۱۳۹۶ھ/ ۱۹۷۶ء (۵) محدث کبیر حضرت علامہ خلیل احمد امروہوی برادر علامہ سعید احمد کاظمی (۶) شیخ العلما حضرت علامہ غلام جیلانی اعظمی سابق شیخ الحدیث دار العلوم فیض الرسول براؤں شریف، م ۱۳۹۷ھ/ ۱۹۷۷ء (۷) حضرت علامہ عبد العزیز بجنوری ثم بریلوی سابق استاذ دار العلوم منظر اسلام بریلی شریف (۸) حضرت علامہ خلیل احمد کچھوچھوی (۹) حضرت علامہ شمس الحق صاحب گجہڑوی بابائے فارسی سابق استاذ دار العلوم اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ۔

<u>بیعت وخلافت:۔</u> حضرت مفتی صاحب قبلہ کم سنی ہی سے زہد وتقویٰ کی طرف مائل تھے، قناعت وتوکل ان کا شیوہ اور طاعت وعبادت شعار تھا، امروہہ میں تحصیل علم کے دوران مدرسہ حنفیہ میں شیخ طریقت حضرت حافظ ابرار حسن صاحب قبلہ شاہجہان پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تشریف لائے، جو صاحب دل ولی تھے، جن سے کشف وکرامت کا ظہور ہوتا رہتا تھا، قیام امروہہ کے دوران ایک دن شام کے وقت ایک عورت روتی بلکتی فریاد کرتی ہوئی مدرسے میں آئی اور مہتمم صاحب جناب قاضی محبوب علی نقشبندی علیہ الرحمہ کا نام لے

کر کہا میرے روپیے گھر میں رکھے ہوئے تھے، ضائع ہوگئے، اس کی بازیافت کا طریقہ بتائیں، حافظ ابرار حسن صاحب اس وقت بالائی منزل پر تھے، عورت کی فریاد سن کر ارشاد فرمایا کہ جاؤ تمہارے روپیے گھر کے اندر پاندان میں موجود ہیں، عورت گھر گئی پاندان کھول کر دیکھا تو تمام روپیے موجود تھے، حضرت مفتی صاحب فرماتے ہیں ''کہ اس واقعے نے میرے دل پر اثر ڈالا اور مجھے یقین ہوگیا کہ حضرت حافظ صاحب، صاحب کشف و کرامت بزرگ ہیں، میرے ساتھ دوسرے ہم مدرسہ طلبہ کے دلوں پر بھی حضرت کے روحانی کمال کا سکہ بیٹھ گیا اور میں اسی دوران حضرت حافظ صاحب کے دست حق پرست پر سلسلۂ نقشبندیہ میں بیعت ہوگیا، مولانا محمد فاروق گھوسوی، مولانا اختر حسن صاحب ادروی اور مولانا منظور احمد صاحب گھوسوی بھی میرے ساتھ سلسلۂ نقشبندیہ میں داخل ہوگئے''۔

بریلی شریف کے دوران قیام حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان نے آپ کو سلسلۂ نوریہ رضویہ قادریہ کی خلافت سے سرفراز فرمایا۔

اس اجازت وخلافت کے باوجود حضرت مفتی صاحب نے کسی کو مرید نہیں فرمایا، ورنہ آپ کے علم وتقویٰ، پابندی سنت وطریقت سے متاثر ہوکر ہزاروں افراد حلقۂ بیعت وارادت میں شامل ہوجاتے۔

<u>سنی کانفرنس بنارس میں شرکت:۔</u> ہندوستان کی آزادی کے امکانات روشن ہونے لگے تو مسلم لیگ نے مسلمانوں کے لیے مملکت پاکستان کے قیام کا مطالبہ زور وشور کے ساتھ شروع کیا، اور عوامی سطح سے لے کر ایوان اقتدار تک تحریک پاکستان کے نعروں کی بازگشت سنائی دینے لگی، اس وقت علمائے اہلسنت کے سامنے بڑا پیچیدہ مسئلہ تھا کہ وہ تقسیم چاہتے ہیں کہ نہیں؟ متعدد علمائے اہلسنت کے علاوہ اکثریت قیام پاکستان کی حامی تھی، لیکن اس تحریک کی قیادت محمد علی جناح جیسا بدعقیدہ شخص کر رہا تھا، اس کے پرچم قیادت کے نیچے علمائے اہلسنت کا جمع ہونا جائز نہ تھا، اس مسئلے پر <u>۱۹۴۶</u>ء میں آل انڈیا سنی کانفرنس کا انعقاد بنارس میں ہوا، جس میں شرکت کے لیے برّصغیر ہند کے طول وعرض

سے علماو مشائخ اہلسنت کا نورانی قافلہ سرزمین بنارس پر وارد ہوا۔

اس کانفرنس میں شرکت کے لیے حضرت مفتی صاحب قبلہ، حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ صاحب قبلہ ازہری کی قیادت میں پانچ سو روپے کا عطیہ لے کر بنارس پہنچے، سنی کانفرنس میں شرکت اس کی تجویز حمایت پاکستان اور دوسرے اہم واقعات حضرت مفتی صاحب کی زبانی کچھ اس طرح ہیں۔

''اس کانفرنس میں علمائے اہلسنت نے متفقہ طور پر فیصلہ کیا کہ ہم مسلم لیگ کی حمایت نہیں کرتے، بلکہ اس کی قرارداد پاکستان کے قیام کی تائید کرتے ہیں، میں تقسیم ہند کے حق میں نہیں تھا، کیونکہ تقسیم کی صورت میں برّصغیر ہند کے مسلمان دو حصوں میں منقسم ہو جائیں گے اور اس طرح ہندوستان میں بسنے والے مسلمانوں کی طاقت کم ہو جائے گی اور وہ دیگر اہل وطن کی نگاہوں میں مشکوک ہو جائیں گے اور یہی نقطۂ نظر شیر بیشۂ اہلسنت علامہ حشمت علی خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بھی تھا، کانفرنس میں دوران تقریر پیر جماعت علی شاہ صاحب کی زبان سے یہ جملہ نکل گیا کہ ''میں جناح کو ولی سمجھتا ہوں'' اتنا سنتے ہی پورا مجمع آپے سے باہر ہو گیا، اسٹیج پر ایسا محسوس ہو رہا تھا گویا زلزلہ آگیا ہو، حضرت علامہ مولانا غلام جیلانی صاحب قبلہ میرٹھی نے بڑی کوشش کے بعد مجمع پر کنٹرول کیا، جب مجمع خاموش ہوا، تو انھوں نے پیر جماعت علی شاہ صاحب سے عرض کی'' حضرت ایک فاسق بھی ولی نہیں ہوسکتا چہ جائے کہ جناح جو شیعہ ہے، وہ کیسے ولی ہوسکتا ہے؟ آپ نے ایک بدعقیدہ کو ولی قرار دیا ہے، توبہ لازم ہے'' حضرت پیر جماعت علی شاہ صاحب جو اپنے وقت کے جلیل القدر مرشد اور متحدہ ہندوستان میں سب سے منفرد پیر تھے، جن کے جاں نثار مریدوں کی تعداد سات لاکھ تھی، مگر دین وشریعت کی پابندی کا یہ عالم تھا کہ توبہ واستغفار کو انا نیت کا مسئلہ نہ بنایا، بلکہ بلاتوقف کھڑے ہوکر اپنے جملہ کو واپس لیا اور لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا، یہ ان کی حق پرستی کی واضح علامت تھی''

تدریسی، تعمیری، تنظیمی خدمات

مفتی صاحب قبلہ علم و عمل اور درس و تدریس کے ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ بے پناہ قوت تعمیر اور تنظیمی صلاحیتیں بھی رکھتے تھے، انھوں نے فارغ التحصیل ہونے کے بعد جب عملی میدان میں قدم رکھا، تو مسند درس و تدریس کو بھی زینت بخشی اور اپنی فعال اور متحرک عملی سرگرمیوں سے متعدد اداروں کی تاسیس و تعمیر کا اہم کارنامہ انجام دیا، آپ کی ذات سے مختلف انجمنیں وجود میں آئیں، جو اہم دینی و ملی خدمات انجام دیتی رہیں، حضرت نے ملک کے جن اہم اداروں میں تدریسی فرائض انجام دیے اور جن کی تعمیر و تاسیس میں سرگرم حصہ لیا، ان کا اجمالی ذکر آنے والے صفحات میں کیا جائے گا۔

<u>مدرسہ رحمانیہ رسڑا:۔</u> سب سے پہلے رسڑا ضلع بلیا کے ایک قدیم مدرسہ رحمانیہ میں (جو بعد میں دیوبندیوں کے قبضے میں چلا گیا) بحیثیت مدرس آپ کا تقرر عمل میں آیا مگر چند ہی مہینے وہاں قیام رہا، منتظمین ادارہ نے آپ کے کھانے کا انتظام عبد الجبار نامی ایک شخص کے گھر پر کیا، جو سودی کاروبار کرتا تھا، حضرت کو معلوم ہوا تو صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ میں سود خور کا کھانا نہیں کھا سکتا، ممکن ہے رسڑا چھوڑنے کی بنیادی وجہ یہی ہو، رسڑا سے واپسی کے بعد ادری کے اندر اپنی بیٹھک میں درس و تدریس کا فی سبیل اللہ کام شروع کیا، اسی دوران حضرت مولانا اعجاز احمد خان صاحب ادروی نے آپ سے سکندر نامہ نظامی اور انوار سہیلی فارسی کتب کا درس لیا۔

<u>مدرسہ اشرفیہ ضیاء العلوم خیرآباد:۔</u> اسی دوران حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ نے آپ کو مدرسہ اشرفیہ ضیاء العلوم خیرآباد میں بحیثیت استاذ بھیجا، اس وقت مدرسہ کی حالت کافی ابتر تھی، تعلیمی و تنظیمی ڈھانچہ ٹوٹ پھوٹ چکا تھا، حضرت مفتی صاحب نے پوری توجہ اور لگن سے ادارے کے تعلیمی نظم و نسق کو درست کیا اور ڈیڑھ سال تک پیکر اخلاص و ایثار بن کر فارسی اور عربی کے ابتدائی درجات میں طلبہ کو پڑھاتے رہے، آپ کی کاوش پیہم سے

روشن ہوئے۔
ادارے کا تعلیمی و تربیتی نظام بحال ہوا اور ترقی کے امکانات

مدرسہ عربیہ رضویہ ضیاء العلوم ادری کا قیام:۔ حضرت کا وطن ادری جہاں کی غالب اکثریت بد عقیدہ دیو بندیوں کی تھی (اور اب بھی ہے) انھیں کے مدارس تھے، اہل سنت کا کوئی مدرسہ نہیں تھا، حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ نے ادری میں ایک مستقل ادارے کی ضرورت محسوس کی اور اس کی تعمیر و تعلیم کے لیے آپ کی نگاہ انتخاب حضرت مفتی صاحب پر پڑی، چنانچہ مئی ۱۹۴۷ء مطابق رجب ۱۳۶۶ھ میں مدرسہ ضیاء العلوم کا قیام عمل میں آیا، عمارت کے لیے زمین حاصل کی گئی اور سنگ بنیاد کے لیے ایک شاندار جلسے کا انعقاد کیا گیا، جس میں حضور صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی، شہزادۂ اعلیٰ حضرت حضور مفتی اعظم ہند، حضرت علامہ سردار احمد گورداسپوری، حضور حافظ ملت علیہم الرحمہ کو دعوت دی گئی، علمائے ربانیین کی پاکیزہ ہستیاں سرزمین ادری پر تشریف لائیں اور بڑے ہی تزک و احتشام کے ساتھ ان حضرات نے سنگ بنیاد کی رسم ادا کی اور عظیم الشان اجلاس کو خطاب فرمایا۔

ادارے کے قیام کے بعد تدریسی ذمہ داریوں کے ساتھ تعمیری کاموں کی نگرانی، میٹریل کی فراہمی یہ سارے کام حضرت مفتی صاحب نے تن تنہا انجام دیے، وہ خود فرماتے ہیں۔

''اگست ۱۹۴۷ء کے بعد حالات ناساز گار ہوگئے، لوگ ترک وطن کرکے پاکستان جانے لگے، مگر میں اساتذہ اور بزرگوں کی دعاؤں کے سائے میں پورے انہماک کے ساتھ ضیاء العلوم کی تعمیر میں لگا رہا، صبح سویرے تین بجے اٹھ کر بانس بلی گاڑ کر اپنے ہاتھوں سے پائٹ وغیرہ مکمل کر دیتا، مزدور مستری وقت پر آکر کام شروع کر دیتے، ایک بہت بڑی مشکل اس وقت کھڑی ہوئی جب سیمنٹ کی ضرورت پڑی، جس کی حصول یابی بہت مشکل تھی، اس زمانے میں سیمنٹ نہیں ملتی تھی، میں مئو سے سائکل پر سیمنٹ لاد کر لاتا تھا، وہ بھی اس طرح کہ نیچے سوت پھر آدھی بوری سیمنٹ پھر اس کے اوپر سوت

باندھ کر لوگوں سے چھپا کر لاتا تھا، چھت کے لیے چونے کی بھٹی لگوائی شہتیر گھوسی سے حاصل کی اور سریا رسڑا سے لائی گئی“۔

حضرت مفتی صاحب کی انتھک کوششوں کے نتیجہ میں ضیاء العلوم کی ایک خوبصورت اور مضبوط عمارت پایۂ تکمیل کو پہنچی، جس میں باضابطگی کے ساتھ تعلیم و تعلم کا عمل شروع ہوا، حضرت مفتی صاحب نے اس ادارے کو خون جگر سے سینچ کر پروان چڑھایا، وسائل کی کمی کے باوجود ادارہ ترقی کرتا رہا، قصبہ ادری اور اس کے مضافات میں علم دین کی تحصیل کا شعور اور جذبہ بیدار ہوا، ہزاروں بچے اور بچیوں نے دینی تعلیم پائی اور سیکڑوں ایسے حوصلہ مند طلبہ پیدا ہوئے جنھوں نے اعلیٰ تعلیم کے لیے دوسرے اداروں کا رخ کیا اور وہاں سے فارغ التحصیل ہو کر ملک کی دینی درسگاہوں میں مسند تدریس کو زینت بخشی۔

ادارے کی خدمات کے علاوہ حضرت مفتی صاحب ادری اور مضافات ادری کے سنی مسلمانوں میں ارشاد و تبلیغ، وعظ و نصیحت کا اہم فریضہ بھی انجام دیتے رہے اور عوام کو ضیاء العلوم سے مربوط رکھنے کی جدوجہد فرماتے رہے۔

۱۹۴۷ء سے لے کر ۱۹۵۵ء تک ادارے کی تعلیمی و تنظیمی سرگرمیاں جاری رکھنے کے بعد ایسے نامساعد حالات پیدا ہوئے کہ خون جگر سے سینچے ہوئے شاداب چمن کو خیر آباد کہنا پڑا۔

جلسۂ عید میلاد النبی وجلوس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام:۔ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موقع پر قصبہ ادری میں جشن میلاد رسول شایان شان طریقے پر منانے کی روایت نہ تھی، میلاد شریف کی مختصر مجلسیں لوگوں کے مکانوں پر ہوا کرتی تھیں، حضرت مفتی صاحب قبلہ نے جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پورے تزک و احتشام کے ساتھ منانے کا اہتمام کیا اور لوگوں کی توجہ اس جانب مبذول کرائی، پھر اجتماعی طور پر بارہ ربیع الاول کی شب میں شاندار جلسے اور دن میں جلوس

محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے انعقاد کی بنا ڈالی۔

خدا کے فضل وکرم سے آج تک عید میلا دالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریبات عشق و ارادت اور جوش وولولہ کے ساتھ منائی جاتی ہیں۔

حضرت مفتی صاحب قبلہ فرماتے ہیں

''ادری میں بارہویں شریف کے موقع پر جلسۂ عید میلا دالنبی اور جلوس محمدی وغیرہ کا اہتمام نہیں ہوتا تھا، مدرسہ عربیہ رضویہ ضیاء العلوم قائم کرنے کے بعد میں نے ادری میں سب سے پہلے جشن ولادت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جلسۂ عید میلا دالنبی اور جلوس محمدی کے انعقاد کی داغ بیل ڈالی، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس مقدس موقع پر لوگ اپنے کاروبار بند کر کے بڑی عقیدت وخلوص کے ساتھ جلسہ وجلوس میں شریک ہوتے اور یہ جشن ولادت بڑی شان وشوکت کے ساتھ منایا جاتا، اس سلسلے میں جناب مسعود احمد مرحوم ادروی میرے خاص معاون تھے، جلسہ وجلوس میں نعت اور پرجوش اسلامی نظمیں پڑھنے والوں میں جناب الحاج محمد ابراہیم صاحب مرحوم وقاری نورالحق صاحب مرحوم بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے''۔

<u>دارالعلوم مظہر اسلام بریلی:۔</u> ضیاء العلوم ادری سے علاحدگی کے بعد <u>۱۹۵۵ء</u> میں دارالعلوم مظہر اسلام بریلی شریف کی مسند تدریس کو زینت بخشی، جہاں درس وتدریس کے مشاغل کے علاوہ دارالافتا میں آئے ہوئے مسائل کے جوابات تحریر کرتے اور حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے پاس ملک کے طول وعرض سے آنے والے خطوں کے جوابات تحریر کرتے، حضرت مفتی صاحب کی زندگی کا یہ بڑا سنہرا دور تھا، ایک طرف مرکزی دارالعلوم مظہر اسلام کی باوقار مدرسی، دوسری جانب شہزادۂ اعلیٰ حضرت کی خدمت میں بیٹھ کر فتویٰ نویسی اور ان کے علمی وروحانی کمالات سے شب وروز مستفیض ہونا، حضرت مفتی صاحب خود ارشاد فرماتے ہیں۔

''بریلی شریف کا قیام میرے لیے بہت بہتر ثابت ہوا کہ سرکار مفتی اعظم ہند علیہ

الرحمہ کی کفش برداری مجھے حاصل رہی، سرکار مفتی اعظم ہند کے دارالافتاء میں آئی ہوئی ڈاک سے کچھ استفتا لے کران کے جوابات قلم بند کرکے سرکار کی خدمت میں پیش کرتا، یہاں تک کہ سرکار کی نگاہ کرم سے مجھے بھی فقہ سے ادنیٰ ممارست پیدا ہوگئی"۔

علمی و دینی مشاغل میں زندگی کے لیل ونہار بسر ہوتے رہے، اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قرب طمانیت قلب بخش رہا تھا، اس خوشگوار علمی وروحانی فضا میں چند سال بسر ہوئے، ادھر قصبہ ادری میں کسی ذمہ دار عالم دین کے نہ رہنے کی وجہ سے سنیت کا رنگ پھیکا پڑنے لگا، لوگوں میں صلح کلیت کے آثار ظاہر ہونے لگے، اور ضیاء العلوم کا تعلیمی معیار بھی فروتر ہوگیا، سنی بچے اور بچیوں کی تعلیم وتربیت متاثر ہونے لگی، ان حالات میں ادری کے چند باشعور لوگوں نے فیصلہ کیا کہ حضرت مفتی صاحب کو ادری لایا جائے، چنانچہ جناب محمد نور خان مرحوم بریلی شریف گئے اور مفتی صاحب قبلہ سے گزارش کی کہ ادری چلیں، ضیاء العلوم کا حال بہت ابتر ہے، وہاں ایک ادارہ قائم کریں تاکہ سنی بچے اور بچیوں کی معقول تعلیم ہوسکے، اور سنی عوام آپ کے زیرسایہ عقائد حقہ اہلسنت و جماعت پر قائم رہیں، چونکہ حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ بریلی شریف سے باہر تھے، ان کی اجازت کے بغیر بریلی شریف چھوڑنا ممکن نہ تھا، اس لیے مفتی صاحب قبلہ نے معذرت کرلی، پھر کچھ دنوں بعد جناب محمد سخاوت علی مرحوم بریلی شریف پہنچے اور سرکار مفتی اعظم ہند سے ادری کی صورت حال بیان کرنے کے بعد مفتی صاحب کو ادری لانے کی اجازت طلب کی، حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ نے فرمایا "جاؤ انھیں بھی لے جاؤ اور مظہر اسلام بھی لے جاؤ" محمد سخاوت مرحوم واپس ہوگئے، مگر اہل ادری اپنے ارادے پر قائم رہے۔

چنانچہ صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کے عرس مبارک پر سرکار مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ گھوسی تشریف لائے، تو ادری سے دس بارہ معزز افراد گھوسی پہنچے اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہوکر سر اور پاؤں دبانے لگے، پھر سرکار مفتی اعظم ہند سے عرض کی، حضور مفتی

مجیب الاسلام صاحب کو ادری میں مدرسہ قائم کرنے کی اجازت دے دیں، ورنہ وہابیت پھیل جائے گی اور اس سیلاب کو روکنا مشکل ہو جائے گا، سرکار مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ ''اگر مفتی صاحب انتقال کر جائیں تو کیا ہوگا؟'' لوگوں نے عرض کی حضور صبر کر لیں گے، پھر فرمایا ''اچھا لے جاؤ، جب کوئی مناسب آدمی مل جائے انھیں چھوڑ دینا کیوں کہ میں ان سے جو کام لے لیتا ہوں وہ دوسرے کے بس کی بات نہیں''۔

مدرسہ امجدیہ ادری کا قیام:۔ حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کی اجازت کے بعد حضرت مفتی صاحب قبلہ ادری آ گئے، مگر مسئلہ تعلیم گاہ کا تھا، چنانچہ ادری کے مخلصین سے رائے مشورہ کے بعد طے پایا کہ فی الحال جامع مسجد ادری میں تعلیم کا آغاز کر دیا جائے، پھر مدرسہ امجدیہ کے لیے زمین حاصل کر کے عمارت تعمیر کی جائے گی، چنانچہ ۱۹۶۱ھ میں مدرسہ امجدیہ ادری کا قیام عمل میں آیا، اور تعلیم کا آغاز جامع مسجد میں ہوا، چند ہی مہینوں میں طلبہ وطالبات کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر کئی دیگر اساتذہ کا بھی تقرر عمل میں آیا، مقامی طلبہ کے علاوہ بیرونی طلبہ بھی مدرسے میں داخل ہوئے، جن کی قیام گاہ حضرت مفتی صاحب کی بیٹھک تھی اور ان کے خورد ونوش کی ذمہ داری قصبہ کے مخیّر حضرات نے اپنے ذمہ لے لی تھی، اس طرح ادارہ ترقی کی منزلیں طے کرتا رہا، زمین کی حصولیابی اور تعمیر کے سلسلے میں بھی رائے مشورہ ہونے لگا، جامع مسجد کی جنوبی سمت افتادہ زمین تھی جس پر نگاہ انتخاب پڑی اور اس کے حاصل کرنے کے لیے کوشش کی جانے لگی، جس کی تفصیل خود مفتی صاحب کی زبانی اس طرح ہے۔

''جامع مسجد کے جنوب میں مختار احمد خان مرحوم ادروی اور فوجدار خان خالص پوری کی مشترکہ زمین تھی، میں نے مختار احمد خان سے مدرسہ کے لیے زمین فروخت کرنے کی بات کی تو انھوں نے جواب دیا کہ میں نے مختار انصاری (بدمذہب) کو زبان دے دی ہے، بات نہیں کاٹ سکتا، یہ سن کر مجھے بہت قلق ہوا، میں مختار احمد کی اہلیہ کے پاس گیا اور کہا کہ سنی جامع مسجد کے بغل میں ایک وہابی کو مختار احمد خان زمین فروخت کر رہے ہیں، کل

قیامت میں تمہارا اور مختار احمد خان کا گریبان پکڑ کر رب العلمین کی بارگاہ میں پیش کروں گا، اور عرض کروں گا کہ سنی جامع مسجد کی چھاتی پر وہابی کو بٹھایا تھا، یہ سنتے ہی وہ خدا ترس خاتون تڑپ گئی اور کہا کہ اگر میرے شوہر (مختار احمد خان) نے بد مذہب کو زمین دی تو میں بے پردہ ہوکر اپنے گھر سے باہر ہو جاؤں گی، میں اپنے مکان واپس آیا، مختار احمد مرحوم اسی دن، رات میں میرے گھر آئے اور کہا کہ آپ نے یہ کیا جھگڑا لگا دیا ہے، میں نے کہا اپنی اولاد کے لیے نہیں بلکہ دین کے لیے کیا ہے، یہ سننے کے بعد مختار احمد خان مرحوم نے کہا کہ وہ زمین تنہا میری نہیں ہے، بلکہ فوجدار خان صاحب خالص پوری بھی شریک ہیں، ان کی اجازت پر ہی منحصر ہے، لہٰذا ہم دونوں خالص پور گئے، فوجدار خان راضی نہیں ہو رہے تھے، ان کے لڑکے حاجی جمن خان مرحوم نے کہا، ابّا! مولوی صاحب ہم لوگوں کی موت اور زندگی میں کام آتے ہیں، یہ اپنی اولاد کے لیے نہیں بلکہ دین کے لیے کہہ رہے ہیں، الحاج جمن خان کی کوششوں سے فوجدار خان مرحوم راضی ہو گئے، پھر فوجدار خان اور مختار احمد خان نے گھوسی جا کر دو ہزار چھ سو روپیے میں مدرسہ امجدیہ کے نام زمین رجسٹری کی"۔

زمین حاصل کرنے کے بعد تعمیری کام شروع ہوا، تقریباً ۶۰ رفٹ لمبی پورب پچھم دیوار جس کی اونچائی ۸ رفٹ تھی، تعمیر کر دی گئی، مزید وسائل تعمیر نہ تھے، اس لیے دیوار پر چھپر ڈال دیا گیا، جس میں تعلیم شروع ہوئی، اور مدرسہ امجدیہ روز بروز عروج و ارتقا کی منزلیں طے کرتا رہا، تعلیمی سرگرمیوں کے علاوہ تبلیغی سرگرمیاں بھی جاری رہیں، لوگ ایک مرکز کے گرد جمع ہونے لگے، مفتی صاحب کے وجود سے ادری اور مضافات کے سینوں میں حوصلہ پیدا ہوا اور انھوں نے تقویت پائی، لیکن دوسری جانب مدرسہ ضیاء العلوم روز بروز انحطاط و زوال کا شکار ہونے لگا، اس کے ارباب اقتدار میں اخلاص و ایثار کی کمی تھی، وہ مدرسے کی گرتی ہوئی حالت پر قابو نہ پا سکے، حضرت مفتی صاحب کو سخت قلق اور صدمہ تھا کہ ان کے ہاتھوں لگایا ہوا باغ تاراج ہو رہا تھا، اور کوئی خون جگر دے کر اسے تباہی سے بچانے والا نہیں تھا، چنانچہ آپ نے در پردہ صلح کی کوشش شروع کی اور شوال

۱۳۸۷ھ مطابق جنوری ۱۹۶۸ء میں حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی علیہ الرحمہ اور حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ ادری تشریف لائے، جناب سیٹھ ابراہیم مرحوم کی بیٹھک میں مدرسہ ضیاء العلوم اور مدرسہ امجدیہ کے ذمے داران تیز ادری کے دیگر باشعور افراد جمع ہوئے، دونوں بزرگوں کی کوشش سے صلح ہوگئی، اور مدرسہ امجدیہ کو مدرسہ ضیاء العلوم میں ضم کر دیا گیا، حضرت مفتی صاحب قبلہ ضیاء العلوم کے صدر مدرس مقرر ہوئے، مفتی صاحب کی زبانی صلح کے احوال ملاحظہ فرمائیں۔

''مدرسہ امجدیہ بڑی تیزی سے ترقی کرتا رہا اور ضیاء العلوم زوال کی آخری حدوں میں داخل ہونے لگا، اپنے ہاتھوں سے لگائے ہوئے باغ کی تاراجی میرے لیے ناقابل برداشت ہوگئی، چنانچہ حضرت علامہ مفتی عبدالمصطفیٰ علیہ الرحمہ اور حضرت علامہ مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ ادری تشریف لائے اور جناب الحاج محمد ابراہیم مرحوم کی بیٹھک میں دونوں مدرسوں کے ذمہ داروں کی مجلس ہوئی اور تمام معاملات صلح طے پائے، لیکن مسئلہ یہ تھا کہ صلح کے بعد ایک ہی ادارہ باقی رہے گا اور اس صورت میں دونوں فریق کی خواہش ہوئی کہ ہمارا ہی ادارہ باقی رہے، جس کی وجہ سے صلح پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچ پا رہی تھی، چنانچہ میں نے نظام الدین سے پہلے ہی یہ کہہ دیا تھا کہ اگر یہ مرحلہ دوران گفتگو آجائے تو تم کھڑے ہوکر کہہ دینا کہ حضرت قرعہ اندازی کر لی جائے، چنانچہ نظام الدین نے یہ تجویز رکھی، تو علامہ عبدالمصطفیٰ صاحب قبلہ اعظمی نے فرمایا، سبحان اللہ ! یہ تو میرے سرکار کی سنت ہے، دونوں بزرگوں نے اس تجویز کو قبول کیا اور قرعہ اندازی ہوئی، قسمت کی بات کہ قرعۂ فال مدرسہ ضیاء العلوم کے حق میں نکلا اور مدرسہ امجدیہ کو مدرسہ ضیاء العلوم میں ضم کر دیا گیا، پھر میں مدرسہ ضیاء العلوم کا صدر مدرس ہوگیا، اس طرح مدرسہ امجدیہ تو باقی نہیں رہا، لیکن اس کی زمین جامع مسجد کی توسیع کے کام آئی، اگر یہ زمین مدرسہ کے لیے خریدی نہ گئی ہوتی تو آج ہمارے قبضہ میں نہ ہوتی اور اتنی عظیم الشان جامع مسجد کی توسیع بھی نہ ہو پاتی''۔

حضرت مفتی صاحب کی کوششوں سے ضیاء العلوم میں نئی روح پیدا ہوئی اور یہ

خزاں رسیدہ باغ از سر نو تازہ و شاداب اور ثمر بار ہونے لگا، منزل ترقی کی طرف کاروان علم بڑھنے لگا، تقریباً تین سال تک حضرت مفتی صاحب تعلیمی و تدریسی سرگرمیوں میں مصروف رہے، مگر بعض تعلیمی امور میں مدرسہ کے ذمہ داروں کے ساتھ کچھ ان بن ہوگئی، حضرت نے معاملے کو طول دینے کے بجائے اپنی اور ادارے کی سلامتی خود مستعفی ہوجانے میں دیکھی، ۱۹۷۰ء میں استعفا پیش کردیا۔

مدرسہ صدر العلوم کا قیام:۔ حضرت مفتی صاحب تبلیغی و اصلاحی دورے پر پپر ولی بازار ضلع گورکھپور اکثر آیا جایا کرتے تھے، جہاں بچوں کی دینی تعلیم و تربیت کے لیے کوئی ادارہ نہ تھا، آپ کی کوششوں سے مدرسہ صدر العلوم کا قیام ۱۹۶۳ء میں عمل میں آیا اور مدرسہ کی عمارت تعمیر کی۔

مدرسہ عربیہ اظہار العلوم جہانگیر گنج:۔ ضیاء العلوم ترک کرنے کے بعد مدرسہ عربیہ اظہار العلوم جہاں گیر گنج ضلع فیض آباد، میں مدرس اول کی حیثیت سے تقرر ہوا، جہاں ۱۹۷۱ء تا ۱۹۷۲ء تعلیمی خدمات انجام دیتے رہے، وہاں بھی نامساعد حالات کی وجہ سے ٹھہرنا مناسب نہ تھا اس لیے استعفا دے کر مکان چلے آئے۔

دار العلوم غوثیہ سلیم پور کا قیام:۔ ادری آنے کے بعد حضرت مفتی صاحب قبلہ بریلی شریف جانے کی تیاری کر رہے تھے کہ اسی دوران سلیم پور ضلع دیوریا کے چند معزز دیندار افراد ادری آئے اور جناب محمد سلیمان صاحب قریشی مرحوم سے کہا، آپ حضرت مفتی صاحب کو سلیم پور چلنے کے لیے راضی کردیجیے، اس علاقے میں تعلیم و تبلیغ کی اشد ضرورت ہے، محمد سلیمان صاحب مفتی صاحب کے والد بزرگوار جناب حاجی سراج الدین صاحب مرحوم کے دوستوں میں تھے، انھوں نے حاجی صاحب سے کہا مفتی صاحب کو سلیم پور بھیج دیجیے، حاجی صاحب نے مفتی صاحب سے کہا، سلیم پور والوں کی خواہش ہے اور وہاں ضرورت بھی ہے، اس لیے آپ وہیں چلے جائیں۔

والد محترم کے حکم کو ٹالنا مشکل تھا اس لیے آپ ۱۹۷۳ء میں سلیم پور ضلع دیوریا

تشریف لے گئے، مگر صورت حال یہ تھی کہ وہاں نہ کوئی مدرسہ تھا، نہ مدرسے کی زمین، جناب ایوب پردھان کی بیٹھک میں مدرسے کا افتتاح ہوا، جب بچوں کی تعداد زیادہ ہوگئی تو جامع مسجد سلیم پور میں مدرسہ منتقل کرنا پڑا، مدرسے کی عمارت ناگزیر تھی، حضرت مفتی صاحب قبلہ اس سلسلے میں تگ ودو کرتے رہے، بالآخر پرخلوص کوشش رنگ لائی اور ۱۹۷۵ء میں جناب خلیل احمد خان صاحب نے ساڑھے تین منڈہ (ایک سو چھانوے کڑی) زمین وقف کی، زمین حاصل ہونے کے بعد تعمیر کا مسئلہ تھا، سنگ بنیاد کی تاریخ مقرر ہوئی، حضور حافظ ملت اور دیگر علمائے اہلسنت تشریف لائے، سلیم پور اور گردونواح کے حوصلہ مندسنی مسلمان کثیر تعداد میں جمع ہوئے، حضور حافظ ملت نے اپنے مقدس ہاتھوں سے دارالعلوم غوثیہ کی پہلی اینٹ رکھی، اس کے بعد دیگر علمائے کرام نے اینٹیں رکھیں، پھر عوام نے سنگ بنیاد کی تقریب میں حصہ لیا، اور ایک بڑے کمرے کی تعمیر کے لیے رقم مہیا ہوگئی۔

چونکہ یہ زمین جس پر مدرسہ تعمیر ہورہا تھا، دریائے گنڈک کے کنارے پر تھی اور اس کا کٹاؤ اس زمین کی سمت ہورہا تھا، جس کو دیکھتے ہوئے سنگ بنیاد کے موقع پر ایک شخص نے کہا" یہ مدرسہ پانی میں بہہ جائے گا، یہ سن کر حافظ ملت قدس سرہٗ نے فرمایا، انشاء اللہ دریا کا رخ بدل جائے گا، اللہ تعالیٰ نے زبانِ مبارک کی لاج رکھی اور دریا کا رخ موڑنے کے لیے گورنمنٹ نے کافی پتھر گرائے، جس سے دریا کا پانی مدرسہ تک نہ آسکا، پھر رفتہ رفتہ دومنزلہ شاندار عمارت دریائے گنڈک کے حاشیہ پر اس ارزانی کے زمانے میں پونے چار لاکھ کی خطیر رقم سے کھڑی ہوگئی، پھر عربی شعبہ کی تعلیم کے لیے بیرونی طلبہ کا داخلہ شروع ہوا اور ضرورت کے مطابق اسٹاف بھی بڑھتا رہا، مزید سات کٹھا زمین خلیل احمد خان صاحب سے خریدی گئی اور اس عمارت سے ملادی گئی، کل چودہ کٹھا زمین میں مدرسہ کی عمارت تعمیر ہوئی۔

حضرت مفتی صاحب کی پرخلوص جدوجہد اور تعلیمی و تنظیمی سرگرمیوں کی بدولت مدرسے کی شاندار دومنزلہ عمارت تیار ہوئی، جس میں درجات تحتانیہ سے لے کر فوقانیہ و

عالیہ کے سیکڑوں طلبہ وطالبات اور تقریباً ایک درجن لائق اساتذہ مفتی صاحب قبلہ کی زیر نگرانی تعلیم و تعلم میں مصروف ہوئے، بیرونی طلبہ کی تعلیم، طعام و قیام کا بندوبست کیا گیا، اس طرح قصبہ سلیم پور میں جہاں مدرسے کا وجود نہ تھا چند ہی برسوں میں ایک عظیم الشان دارالعلوم قائم ہوگیا۔

ایک اہم واقعہ:۔ حضرت مفتی صاحب نے ادارے کی تعلیمی و تعمیری سرگرمیوں کے ساتھ سلیم پور اور اس کے مضافات میں دینی بیداری اور سنیت کو مستحکم کرنے کے لیے خود بھی وعظ و نصیحت کی مجلسوں سے خطاب کیا اور اپنے اثر ورسوخ سے بڑے بڑے جلسوں کا انعقاد فرمایا، انھیں جلسوں میں سلیم پور کی سرزمین پر ایک یادگار عظیم جلسے کا انعقاد ہوا، جس میں مولانا حافظ عبید اللہ خان اعظمی، خصوصی مقرر کی حیثیت سے مدعو کیے گئے، یہ وہ زمانہ تھا، جب مولانا اعظمی نے اپنے پرزور خطبات سے ہندوستان کے طول وعرض میں ہلچل مچادی تھی، بابری مسجد کا مسئلہ زور وشور پر تھا، مولانا اعظمی کی تقریر کا جہاں اعلان ہوجاتا، بلاتفریق مسلک و مذہب ہزاروں ہزار کی تعداد میں لوگوں کا ازدحام ہوجاتا، اور مولانا اعظمی کی شعلہ بار تقریروں سے لوگوں کے اندر دین وشریعت اور تحفظ مسجد کا جذبہ بے کراں موجیں مارنے لگتا، نقض امن کے اندیشہ کو مدنظر رکھتے ہوئے حکومت نے مولانا اعظمی کی تقریروں پر پابندی عائد کردی تھی اور ان کی گرفتاری کا وارنٹ جاری کردیا تھا، سلیم پور میں ان کی آمد کی خبر سنتے ہی پولس اور سی، آئی، ڈی کا عملہ چوکس ہوگیا، جلسے کا پرمیشن دینے سے انتظامیہ نے انکار کردیا، جلسے کی روداد حضرت مفتی صاحب کی زبانی ملاحظہ فرمائیں۔

''ہم نے سلیم پور میں ایک بہت بڑے جلسے کا انعقاد کیا، جس میں حافظ عبید اللہ خان صاحب اعظمی کو مدعو کیا، جب کہ ان پر وارنٹ تھا، میں پرمیشن حاصل کرنے کے لیے ڈپٹی کے پاس گیا، تو اس نے کہا کہ عبید اللہ کا نام نکال دیجیے، تو ہم پرمیشن دے دیں گے، میں نے ڈپٹی سے کہا، ہم پوسٹر میں نام دے چکے ہیں، اس لیے نام نہیں نکالیں گے، آپ کو جو کرنا ہو کیجیے، اجازت نہیں ملی، پھر بھی ہم نے وقت پر جلسہ شروع کیا، کم سے کم ایک لاکھ کا

مجمع تھا، کوتوال نے پوچھا، آپ کو کس سے خطرہ ہے؟ میں نے کہا عابد وہابی سے پولیس عابد کو لینے گئی اس نے کہا میں جلسہ میں نہیں جاؤں گا، پولس نے کہا کہ کوتوال صاحب کا حکم ہے، تب وہ آیا، ایس، پی اور سی، او نے درمیان میں اس کو بٹھایا اور ختم جلسہ تک اس کو اٹھنے نہ دیا، میں نے ایس، پی سے کہا، آپ مجھے بند کر دیں اور عبید اللہ کی تقریر ہو جانے دیں مگر اجازت نہ ملی، جلسہ ختم ہونے کے بعد مجمع اٹھنے کو تیار نہ تھا، لوگوں کا اصرار تھا کہ عبید اللہ کی تقریر ہو، میں نے قوم سے مخاطب ہو کر کہا، اسٹیج پر عبید اللہ آئیں گے، ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑی لگے گی، تو کیا تم اسے گوارا کرو گے؟ غوثیہ کی زمین خون سے لال ہو جائے گی، صبح کے اندھیرے میں حافظ عبید اللہ کو تہبند پہنا کر ننگے سر بے پروائی کے ساتھ ان کو ہم نے مجمع سے باہر کیا اور ایک کار پر بٹھا کر روانہ کر دیا، صبح کو پولیس نے مجھ سے پوچھا، عبید اللہ کہاں ہیں؟ ہم نے کہا ہم کو نہیں معلوم، کہاں ہیں، کوتوال نے کہا، آپ نے ہم کو ''چ وت ی ا'' بنا دیا، تمام کمروں میں تلاش کیا، مگر نہ ملے، دلی کے ایک اخبار نے یہ خبر شائع کی کہ حافظ عبید ڈرامائی طور پر غوثیہ سے نکل گئے، ناکارہ پولیس دیکھتی رہ گئی''۔

عابد وہابی کی دھمکی:۔ عابد علاقہ سلیم پور کا مالدار نہایت مغرور وہابی تھا، مفتی صاحب کی بڑھتی ہوئی مقبولیت اسے پسند نہ تھی، چنانچہ وہ آپ کو طرح طرح سے تنگ کرتا اور آپ کے خلاف زہر افشانی کرتا، پانچ سال تک دشمنی پر کمر بستہ رہا، یہاں تک کہ اس نے قتل کی دھمکی بھی دی، لیکن مفتی صاحب اپنی دھن کے پکے اور دین کی راہ میں آنے والی ہر پریشانی کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے کے عادی تھے، انھیں اس راستے میں بڑی سے بڑی مصیبت اور سخت سے سخت دھمکی آگے بڑھنے سے نہ روک سکی، عابد کی دشمنی اور اس کی دھمکیوں کا ذکر اس طرح فرماتے ہیں۔

''سلیم پور میں سب سے بڑا وہابی دشمن عابد ۵؍سال تک مجھ کو تنگ کرتا رہا، اس نے اپنے تیرہ مخالفین کو گولیوں کا نشانہ بنا کر موت کی نیند سلا دیا تھا، وہ کہا کرتا تھا، میں نے سب کو اپنی طاقت سے زیر کر دیا، اب مفتی صاحب بھی میری گولی کا نشانہ بنیں گے،

جب میں نے اس کی یہ بکواس سنی تو ذرا بھی ہراساں نہ ہوا اور شاہی جامع مسجد کے منبر پر تقریر کرتے ہوئے میں نے کہا، عابد نے مجھے کیا سمجھ رکھا ہے، جس دن مجھ پر حملہ آور ہوگا، اس کی بوٹی اور کوٹھی سلامت نہ رہے گی، قوم پاگل ہو جائے گی، عابد کبھی کبھی کہتا کہ مفتی صاحب میرے مکان پر ۵/منٹ کے لیے آجائیں، تو میں پچیس ہزار روپیہ دوں گا، جب مجھے معلوم ہوا میں نے جواباً کہا، میں اس کی کوٹھی پر پیشاب کرنے بھی نہیں جاؤں گا"۔

مدرسہ حنفیہ بحر العلوم، مئو:۔ مدرسہ غوثیہ میں جب حالات کشیدہ ہوئے اور اختلافات بڑھنے لگے تو حضرت مفتی صاحب نے صبر وتحمل کے ساتھ غوثیہ کو خیر آباد کہا اور اپنے وطن چلے آئے، کچھ دنوں بعد ۱۹۹۰ء میں مدرسہ بحر العلوم، مئو کی مسند تدریس وافتا پر متمکن ہوئے۔

مدرسہ گلشن رضا، چھپیا ضلع مہراجگنج:۔ بحر العلوم، مئو سے مستعفی ہونے کے بعد ۱۹۹۰ء میں مدرسہ گلشن رضا تشریف لے گئے، جہاں ۱۹۹۴ء تک (۴/سال) تدریسی و تبلیغی خدمات پوری دل جمعی کے ساتھ انجام دیتے رہے۔

مدرسہ شمسیہ تیغیہ بھدوہی:۔ ۱۹۹۴ء میں بھدوہی تشریف لے گئے، اور وہاں مدرسہ تیغیہ میں درسگاہ حدیث کو زینت بخشی، بھدوہی میں درس وافتا کی ذمہ داریوں کے علاوہ اوقات تبلیغ وارشاد میں بسر ہوتے، خارجی اوقات میں ضرورت مند دعا وتعویذ کے لیے حاضر ہوتے، آپ کی دعاؤں اور تعویذوں سے تمام اہل شہر کو فائدہ پہنچتا رہا، لوگ آپ کے علم وتقویٰ اور دعاؤں کی تاثیر سے متاثر ومعتقد ہوئے، اگر آپ نے سجادہ مشیخت پر بیٹھ کر بیعت وارشاد کا سلسلہ قائم کیا ہوتا تو بھدوہی اور اس کے اطراف میں ہزارہا ہزار مریدین ومتوسلین کا حلقہ قائم ہو جاتا، جو عقیدت مند مرید ہونا چاہتا اسے دوسرے پیران طریقت سے بیعت ہونے کی ترغیب فرماتے۔

۱۹۹۴ء سے ۲۰۰۹ء تک مدرسہ تیغیہ میں قیام رہا، ضعف ونقاہت اور شدت مرض کی وجہ سے تدریسی فرائض انجام دینے کی قوت باقی نہ رہی تو چند ماہ پیشتر مستعفی ہو کر

مکان آگئے، اس طرح تقریباً ۶۶ ر سالہ تعلیمی وتدریسی دور اختتام پذیر ہوا۔

اندازِ تدریس:۔ تعلیم کے سلسلے میں حضرت مفتی صاحب قبلہ کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ عربی کے ابتدائی درجات میں صرف ونحو کی کتابیں بچوں کو ازبر کرادی جائیں تاکہ ان کی بنیادی تعلیم مضبوط ہوجائے اور آئندہ کے تعلیمی مراحل آسان ہوجائیں، علوم وفنون کی تدریس میں آپ کا انداز یہ ہوتا ہے کہ طلبہ سے عبارت خوانی کراتے، ان کی غلطیوں پر گرفت اور اصلاح فرماتے، اس طرح صرف ونحو کے قواعد کا اجرا بھی ہوجاتا اور صحیح عبارت خوانی کا ملکہ پیدا ہوجاتا، جب طالب علم عبارت صحیح پڑھنے لگتا ہے تو معانی ومفاہیم تک اس کے ذہن کی رسائی بآسانی ہوجاتی ہے۔

حضرت مفتی صاحب نے فرمایا۔

''شروع ہی سے میرا مطمحِ نظر یہ تھا کہ حضور فقیہ اعظم صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان کا انداز تدریس ابتدائی کتب کے بارے میں جو ہے اسے اپناؤں، حضرت صدر الشریعہ طلبہ سے عبارت خوانی کراتے، کہیں طلبہ سے چوک ہوتی تو اس سے نحوی اور صرفی سوالات فرماتے، بعدہٗ عبارت کا لفظی ترجمہ کراتے''۔

اہم تلامذہ:۔ حضرت مفتی صاحب نے زندگی کے چھیاسٹھ سال سے زیادہ کا عرصہ تدریسی خدمات میں بسر کیا، چھوٹی بڑی متعدد درسگاہوں میں تعلیم کے فرائض انجام دیے، اور ایک ماہر استاذ کی حیثیت سے طلبہ کی تعلیم وتربیت میں بے لوث توجہ صرف کی، اتنے طویل عرصے تک ہزاروں تشنگان علوم آپ کی درسگاہ سے وابستہ ہوئے اور اس چشمۂ علم وفضل سے اپنی پیاس بجھاتے رہے، آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنے والے تمام طلبہ اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے فارغ التحصیل تو نہیں ہوئے اور ایسا ہوتا بھی نہیں کہ زیرِ تعلیم تربیت آنے والے تمام لڑکے سند فضیلت سے سرفراز ہوں، تاہم جو طلبہ آپ کی درسگاہ سے وابستہ ہوئے ان میں سے سیکڑوں ایسے خوش نصیب ہیں جنھوں نے اعلیٰ تعلیم کے مدارج طے کیے اور فضیلت کی سند سے نوازے گئے، جن کی پوری فہرست

یہاں پیش کرنا مشکل ہے، چند اہم تلامذہ کے اسمائے گرامی درج کیے جاتے ہیں، جنھوں نے فراغت کے بعد ملت کے نونہالوں کی تعلیم وتربیت اور دعوت وتبلیغ، تحریرو تقریر کواپنا مشغلۂ حیات بنایا، ان کی علمی ذات سے ملت کو فائدہ پہنچا اور پہنچ رہا ہے، اور انشاء اللہ پہنچے گا۔

(۱) مولانا محمد خالد رضا بریلوی (۲) مولانا محمد اعجاز احمد خان ادروی (۳) مولانا محمد بشیر پورنوی (۴) مولانا صلاح الدین مظفر پوری (۵) مفتی محمد ظہیر حسن ادروی (۶) مولانا مقبول حسن پورنوی (۷) مولانا محمد سلطان ادروی (۸) مولانا محمد شفیع ادروی مرحوم (۹) مفتی مجیب اشرف گھوسوی (۱۰) مولانا علاء الدین ادروی مرحوم (۱۱) مولانا حبیب الرحمٰن ادروی (۱۲) مولانا قاری محمد اسماعیل خالصپوری (۱۳) مولانا مرغوب حسن ادروی (۱۴) مولانا قاری ابرار احمد ادروی (۱۵) مولانا اشہد حسن ادروی (۱۶) مولانا عبدالغنی ادروی مرحوم (۱۷) مولانا انوار احمد مرحوم گھوسوی (۱۸) مولانا فصیح اللہ مرحوم گھوسوی (۱۹) مولانا امیر الدین مرحوم گھوسوی۔

حج وزیارت:۔ حضرت مفتی صاحب قبلہ کو ۱۹۹۹ء میں حج بیت اللہ اور در رسول کی حاضری کا شرف حاصل ہوا، فریضۂ حج کے بعد یہ شیدائے رسول اس پاکیزہ احساس کے ساتھ مدینہ پہنچا۔ ؎

دیار پاک میں جس وقت حاضری ہوگی ۔۔۔ بڑی سعید بڑی نیک وہ گھڑی ہوگی
درحبیب پہ گزرے گی جس قدر بھی حیات ۔۔۔ وہی حیات حقیقت میں زندگی ہوگی

مفتی صاحب نے فرمایا۔

"۱۹۹۹ء میں یہ عاجز حج وزیارت سے مستفیض ہوا، حرمین شریفین میں قیام کے دوران ختم قرآن پاک کیا، بدعقیدہ نجدی امام کی اقتدا میں کبھی بھی نماز ادا نہ کی، مدینہ منورہ میں گنبد خضریٰ پر نظر پڑتے ہی سرکار کی بارگاہ اقدس میں ایک فریاد پیش کی۔ ؎

حاضر در ہے آقا غلام آپ کا ۔۔۔ ہے شرابور عصیاں غلام آپ کا

جرم ایسا ہے بخشش کے لائق نہیں
یا نبی! بخشوانا ہے کام آپ کا
آپ کے لب پہ ڈھلتا ہے قانون رب
ہے کلام الٰہی کلام آپ کا
رفعت مصطفیٰ کی نہیں کوئی حد
بس خدا جانتا ہے مقام آپ کا
آپ محبوب حق ہیں حبیب خدا
ہم پہ واجب ہوا احترام آپ کا
ہے نسیم حزیں چشم گریاں لیے
نام لیتا ہے وہ صبح و شام آپ کا

نمازِ استسقا:۔ چند سال پہلے کی بات ہے کہ بھدوہی اور اس کے اطراف میں موسم برسات کے ایک ماہ گزرنے کے باوجود آسمان پر ابر کے آثار نمودار نہیں ہورہے تھے، خریف کی فصل تباہ و برباد ہونے لگی، لوگ مفتی صاحب قبلہ کے پاس آئے اور کہا کہ مفتی صاحب سخت پریشانی ہے، آپ نماز استسقا پڑھادیں، مفتی صاحب نے کہا، شرائط پورے نہیں ہوں گے اور بارش نہیں ہوگی تو اغیار طعنہ دیں گے، اس لیے صرف دعا پر اکتفا کی جائے، دو چار روز بعد پھر بہت سے لوگ آئے اور اصرار کے ساتھ نماز استسقا پڑھانے کے لیے مجبور کیا، مفتی صاحب آمادہ ہوگئے، بعد نماز جمعہ کھلے میدان میں تمام لوگ نماز استسقا کے لیے حاضر ہوئے، مفتی صاحب نے نماز سے پہلے پندرہ منٹ تقریر کی، آپ کی آنکھیں رقت قلب کی وجہ سے اشکبار تھیں، اور بارگاہ قاضی الحاجات میں بطور دعا یہ شعر بڑی دل سوزی کے ساتھ پیش کیا۔

حق پرستوں کی اگر کی تو نے دل جوئی نہیں
طعنہ دیں گے بت کہ مسلم کا خدا کوئی نہیں

پھر مفتی صاحب قبلہ نے نماز استسقا پڑھائی، عصر بعد بادل دکھائی دیا اور شنبہ کی صبح سے بارش کا سلسلہ شروع ہوا، تو ایک ہفتہ تک قائم رہا، غیر مسلم کہتے کہ اگر مفتی صاحب نے ایک مہینہ قبل نماز پڑھادی ہوتی تو ہماری کھیتیاں تباہ نہیں ہوتیں۔

اتفاق سے اگلے ہفتہ مدرسہ کا سالانہ جلسہ تھا، مدرسہ کے مدرس اول مولانا

محمد فیصل صاحب نے موسم کا رنگ دیکھ کر کہا، آپ نے دعا تو فرما دی ہے، اب جلسہ کیسے ہوگا؟ مفتی صاحب نے جواب دیا، انشاء اللہ جلسہ بھی ہوگا، رب قدیر کی شان کہ جلسہ کے دن بادل تو لہراتا رہا، مگر بارش موقوف ہوگئی اور پوری رات شان وشوکت کے ساتھ جلسہ چلا، صبح میں ۴؍ بجے صلوٰۃ وسلام پر اختتام پذیر ہوا۔

فتویٰ نویسی اور تصنیف وتالیف

فتویٰ نویسی:۔ درس وتدریس کے علاوہ حضرت مفتی صاحب قبلہ جہاں بھی رہے ان سے زبانی اور تحریری طور پر مسائل شرعیہ دریافت کیے جاتے، ان کے جوابات بڑے ہی مدلل ہوا کرتے، ان کے اندر فقہ کا ذوق کیسے پیدا ہوا اور فتویٰ نویسی کا آغاز انھوں نے کب کیا؟ خود حضرت کی زبانی ملاحظہ کریں۔

”مدرسہ حافظیہ سعیدیہ دادوں ضلع علی گڈھ میں حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے زیر سرپرستی جب میں تعلیم حاصل کررہا تھا، تو حضرت نے بہار شریعت حصہ ششم کا مسودہ مبیضہ کے لیے میرے سپرد فرمایا، حضرت صدر الشریعہ کی تحریر پر کام کرنے کی وجہ سے حضرت کا یہ فیضان ہوا کہ میرے دل میں فقہ سے رغبت پیدا ہوئی اور میں نے فقہ کی کتابوں کا بڑی گہری نظر سے مطالعہ کرنا شروع کیا، پھر بریلی شریف مظہر اسلام میں تدریسی خدمات کے لیے حاضر ہوا تو سرکار مفتی اعظم ہند کے دار الافتا میں آئی ہوئی ڈاک سے کچھ استفتا لے کر ان کے جوابات قلم بند کرکے حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کی خدمت میں بعد نماز عشا سے ۲؍ بجے رات تک اصلاح لیتا، یہاں تک کہ حضور مفتی اعظم ہند کی نگاہ کرم سے مجھے بھی فتویٰ لکھنے کا کچھ شعور حاصل ہوا، فقہ وافتا میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے تلامذہ وخلفا میں صدر الشریعہ اور مفتی اعظم ہند علیہما الرحمہ کو امتیازی شان حاصل ہے، بلکہ ان دونوں حضرات کو امام احمد رضا نے ہندوستان کا قاضی ومفتی مقرر کیا تھا، جس سے قضا وافتا میں ان کی جامعیت وکمال کا پتہ چلتا ہے“۔

چنانچہ حضرت مفتی صاحب ایسے دو عظیم ترین فقہا و مفتیان کرام کے فیض یافتہ اور پروردہ تھے، جس سے آپ کے فقہی وفنی کمالات روز روشن کی طرح نمایاں ہو گئے۔

حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ نے فتویٰ نویسی میں آپ کی خاص تربیت ورہنمائی اور فتویٰ کی اصلاح اس انداز سے کی کہ مفتی صاحب ایک مستند فقیہ اور مفتی کی حیثیت سے متعارف ہوئے، خود فرماتے ہیں۔

''فتاویٰ نویسی کے دوران ایک استفتا آیا، کہ زید نے پولیس کے دباؤ کی وجہ سے اپنی بیوی کو تلاق دیا، تو طلاق پڑی یا نہیں؟ میں نے جواب میں لکھا کہ طلاق نہیں پڑی، یہ جواب حضرت مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کی خدمت میں تصحیح کے لیے حاضر کیا گیا، استفتا اور جواب سنانے والے نے حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ سے عرض کیا کہ یہ جواب غلط ہے، میں وہاں حاضر تھا، میں نے عرض کی کہ اگر طلاق دینے والے نے بجائے طلاق کے ''تلاس، تلام'' وغیرہ کہا تو کیا طلاق پڑے گی؟ سرکار مفتی اعظم ہند نے فرمایا کہ ''غنیۃ'' میں ہے کہ جہاں لوگ الفاظ مصحفہ سے طلاق سمجھتے ہوں طلاق پڑ جائے گی، پھر اعلیٰ حضرت کے کتب خانے سے ''غنیۃ'' نکالی گئی تو حضرت مفتی اعظم ہند نے جو فرمایا تھا، وہی مسئلہ نکلا، بعض دفع استفتا کا جواب قدرے تفصیل کے ساتھ تحریر کر کے سرکار مفتی اعظم ہند کی خدمت میں تصحیح کے لیے حاضر ہوتا تو حضور مفتی اعظم ہند تصحیح فرماتے اور حکم دیتے کہ مختصر اور جامع جواب لکھنا چاہیے، حضرت ہی کی تربیت کا یہ اثر ہے کہ مختصر جواب لکھنے کی عادت پڑ گئی''۔

دارالعلوم مظہر اسلام بریلی شریف، مدرسہ امجدیہ ادری، مدرسہ ضیاء العلوم ادری، دارالعلوم غوثیہ سلیم پور دیوریا، دارالعلوم بحر العلوم مئو اور مدرسہ شمسیہ تیغیہ بھدوہی، میں دوران قیام ہزاروں فقہی استفسارات کے مدلل جوابات تحریر کیے، بریلی شریف میں نوسالہ قیام کے دوران اکثر و بیشتر فتووں پر حضور مفتی اعظم ہند کی مہر تصدیق ثبت ہوتی تھیں، حضرت مفتی صاحب سرکار مفتی اعظم ہند کی نگاہ میں معتمد مفتی تھے، آپ کے فتاویٰ

کا مجموعہ منظر عام پر لانے کی کوشش کی جائے تو یہ وقیع فقہی ذخیرہ اہل علم کے لیے بہترین علمی تحفہ ہوگا۔

فتاویٰ رضویہ کی تبییض :۔ شہزادۂ اعلیٰ حضرت حضور مفتی اعظم ہند ایک سفر میں مبارک پور تشریف لائے، شیخ المعقولات و المنقولات حضرت علامہ حافظ عبدالرؤف صاحب بلیاوی علیہ الرحمہ نے خدمت عالیہ میں حاضر ہوکر عرض کیا، حضور فتاویٰ رضویہ کی طباعت واشاعت کا بندوبست ہوا؟ مفتی اعظم ہند نے ارشاد فرمایا کہ اس کام کی توقع آپ لوگوں کے علاوہ کس سے کی جاسکتی ہے، اس ارشاد گرامی نے حضرت شیخ المعقولات کے حوصلوں کو قوت بخشی اور سنی دارالاشاعت مبارک پور کے زیر اہتمام فتاویٰ رضویہ کی طباعت و اشاعت کا اہم منصوبہ تیار کیا گیا، حضرت شیخ المعقولات بریلی شریف تشریف لے گئے، جہاں فتاویٰ رضویہ کی غیر مطبوعہ جلدیں محفوظ تھیں، مگر مسودہ پرانا اور جگہ جگہ کرم خوردہ ہو چکا تھا، اس لیے مسودے پر نظر ثانی اور کرم خوردہ مقامات کی تصحیح کا جاں گسل مرحلہ سامنے آیا، شیخ المعقولات حضرت علامہ مبین الدین صاحب امروہوی، حضرت علامہ مفتی شریف الحق صاحب امجدی رحمۃ اللہ علیہما نے سر جوڑ کر فتاویٰ رضویہ کی ترتیب اور کرم خوردہ الفاظ اور جملوں کی تصحیح کا کام شروع کیا، مسودہ اس قابل نہیں تھا کہ کتابت کے لیے کاتب کے حوالے کیا جاتا، طے کیا گیا کہ اس مسودے کا صاف اور خوشخط مبیضہ تیار کیا جائے، اس اہم کام کے لیے حضرت مولانا مفتی مجیب الاسلام صاحب پر نگاہ انتخاب پڑی، مفتی صاحب قبلہ نے اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود اس کار خیر کا بیڑا اٹھالیا، بڑی دیدہ ریزی اور محنت شاقہ کے بعد فتاویٰ رضویہ جلد سوم و چہارم کا صاف وشفاف نقل تیار فرمائی، اس سلسلے کی دشواریوں کا ذکر کر مفتی صاحب قبلہ ان الفاظ میں فرماتے ہیں۔

”فتاویٰ رضویہ کا مسودہ میرے سپرد کیا گیا، روزانہ بعد نماز عشا دو بجے شب تک

میں پوری عرق ریزی اور توجہ کے ساتھ باب باب اور فصل فصل مسائل کو مرتب کر کے اس کا مبیضہ تیار کرتا، کتاب الطلاق کا مسودہ تو اتنا بوسیدہ تھا کہ اس کا مبیضہ اور اس کو مبوب کرنا نہایت دشوار تھا، مبیضہ کے درمیان بعض مرتبہ بہت پیچیدہ اور مشکل عبارتیں آ جاتیں، جس کی تفہیم کے لیے بعض اکابر کے پاس حاضری دیتا تو جواب ملتا کہ کون اس میں پڑے گا؟ یہ بہت مشکل کام ہے، کسی کی مدد شامل حال نہ ہوتی، پھر میں حضرت مفتی اعظم ہند قدس سرہ کی دعاؤں کے سایہ میں پورے انہماک اور توجہ کے ساتھ خود ہی حل کرنے کی کوشش کرتا، حتیٰ کہ بعض بعض مرتبہ ایک ایک جملہ کے لیے آدھا آدھا گھنٹہ صرف ہو جاتا''۔

فتاویٰ رضویہ کی تبویب و تبییض عام علما کے بس کی بات نہ تھی اس کام کے لیے جہاں خوش نویس ہونا ضروری تھا وہیں فقہ و فتاویٰ میں بصیرت بھی ناگزیر تھی، اس مشکل و پیچیدہ ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونا بجائے خود حضرت مفتی صاحب کی فقہی بصیرت اور فتویٰ نویسی کی مشق و ممارست کا بین ثبوت ہے۔

حضرت شیخ المعقولات نے فتاویٰ رضویہ جلد سوم کے پیش لفظ میں مفتی صاحب کی اس کاوش کا اعتراف ان الفاظ میں فرمایا۔

''مسودہ مفتی اعظم ہند دامت برکاتہم کے پاس بریلی شریف تھا، اس کے مبیضہ کے لیے مولانا مجیب الاسلام صاحب نسیم اعظمی کی خدمات حاصل کی گئیں، جس طرح فتاویٰ رجسٹروں کا حامل ہوتا ہے کہ ریکارڈ کے دفتر میں سوال و جواب دونوں درج کر لیے جاتے ہیں اور اصل بھیج دیا جاتا ہے، وہی فتاویٰ رضویہ کا بھی حال تھا کہ مسائل مبوب و مفصل نہ تھے، پھر یہ بھی نہیں کہ وہی نقل ہو جو پہلی دفعہ تیار ہوا تھا، بلکہ نقل در نقل ہوتے ہوئے موجودہ رجسٹر چوتھی نقل ہے، مزید برآں کچھ اوراق کی کتابت بھی ہو چکی تھی، جس کی طباعت کی نوبت نہ آسکی اس کی اصل مفقود، صرف کاپیاں موجود ہیں، ہم مولانا موصوف کے بڑے شکر گزار ہیں کہ انھوں نے بڑی عرق ریزی سے اس کتاب کو اپنی

بساط بھر مبوب و مفصل کر کے مبیضہ کیا"۔

فتاویٰ رضویہ کی تبییض کا اہم کام مفتی صاحب قبلہ نے خالصتاً لوجہ اللہ کیا، جب کہ دور حاضر میں اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمۃ والرضوان کا نام ادب واحترام کے ساتھ لینے والے علمائے کرام کو بامعاوضہ اس خدمت پر معمور کیا جائے تو معدودے چند ہی لبیک کہنے والے ملیں گے، حضرت مفتی صاحب قبلہ کے عزم راسخ، اخلاص کامل اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے ساتھ والہانہ عشق وارادت کی دلیل کے لیے فتاویٰ رضویہ کا مبیضہ ہی کافی ہے، مگر جذبۂ ایثار واخلاص اور فاضل بریلوی کی ذات گرامی کے ساتھ وارفتگی وشیفتگی کا یہ عالم تھا کہ فتاویٰ رضویہ کی طباعت واشاعت کے سلسلے میں جب چندے کی فراہمی شروع ہوئی تو حضرت شیخ المعقولات علامہ عبدالرؤف علیہ الرحمہ اور دوسرے عمائدین ملت کی صف میں حضرت مفتی صاحب قبلہ بھی نظر آتے ہیں، جنھوں نے بریلی شریف، مبارک پور، ادری اور گھوسی کے دین دار مخیّر حضرات کے دروازوں پر جا کر فتاویٰ رضویہ کی طباعت واشاعت کے لیے دشوار کن مالی مشکلات کو آسان کیا، مفتی صاحب کی اس کدوکاوش کی بنیاد پر حضور مفتی اعظم ہند اور حضرت شیخ المعقولات علیہما الرحمہ نے بہت بہت دعائیں دیں۔

یہاں تک کہ خلیفۂ اعلیٰ حضرت قطب مدینہ حضرت علامہ ضیاء الدین مہاجر مدنی علیہ الرحمہ نے حاجی مختار احمد مرحوم ادروی کی معرفت ڈھائی کلو عمدہ کھجور کا ایک پیکٹ حضرت مفتی صاحب کو تحفہ بھیجا اور فرمایا کہ میرے پیر و مرشد سیدنا امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کے فتاویٰ رضویہ کے مسودہ کا مبیضہ مولانا نے کیا ہے، میں اس خوشی میں یہ تحفہ بھیج رہا ہوں، مزید برآں حاجی مختار احمد صاحب مرحوم بن عبدالمجید مرحوم سے فرمایا کہ آپ کا جب تک مدینہ منورہ میں قیام رہے میرے یہاں کھانا کھاتے رہیں۔

شامی کا قلمی نسخہ:۔ پریس کی سہولیات مہیا ہونے سے پہلے قرآن حکیم، حدیث وفقہ، منطق وفلسفہ، تاریخ وسیر، دواوین وکلیات، ہیئت ونجوم اور طب وحکمت کی اہم کتابیں علما

اپنے ذوق کے مطابق خود نقل کرتے یا کسی خوش نویس سے اجرت دے کر نقل کراتے، پریس کے قیام کے بعد بھی اہل ذوق حضرات نادر کتب و رسائل کی نقلیں اتارتے، حضرت مفتی صاحب قبلہ جنھیں فقہ و فتاویٰ سے قلبی لگاؤ تھا، خوش نویس ہونے کے ساتھ ساتھ زود نویس بھی تھے، فتاویٰ رضویہ کی متعدد جلدوں کا مبیضہ کرنے کے علاوہ آپ نے شامی کتاب الصلوٰۃ کا جاذب نظر، روشن قلمی نسخہ اپنے ہاتھ سے لکھ کر مدرسہ ضیاء العلوم ادری کی لائبریری میں بطور یادگار وقف کر دیا، خود فرماتے ہیں۔

''بریلی شریف قیام کے دوران شامی مطبوعہ مصر، رام پور کے ایک شخص سے خرید کر میں نے مطالعہ میں رکھا، مگر اس میں ''کتاب الصلوٰۃ'' غائب تھی، ضیاء العلوم ادری میں تدریسی خدمات کے دوران حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ مصنف بہار شریعت کے کتب خانہ سے شامی مطبوعہ مصر حاصل کر کے پانچ سو پینسٹھ صفحات جہازی سائز پر تحریر کیا، جو آج بھی مدرسہ ضیاء العلوم کے کتب خانے کی ملکیت ہے''۔

تحریر کی صفائی اور خوش نویسی کا فن دیکھ کر لوگ حیرت و استعجاب میں ڈوب جاتے ہیں، جسے دیکھ کر امتیاز کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ یہ نسخہ مخطوطہ ہے یا مطبوعہ ہے؟ حضرت مفتی صاحب کی خطاطی کا یہ نادر شاہکار ہے۔

جد الممتار کا قلمی نسخہ:۔ ''شامی'' پر اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمہ کا معرکۃ الآرا حاشیہ ''جد الممتار'' ہے، جو مطبوعہ نہ ہونے کی وجہ سے نایاب تھا، حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ کے اصرار پر مفتی صاحب نے اسے نقل فرما کر حضور مجاہد ملت کے حوالے کر دیا، حضرت علامہ محمد احمد مصباحی و دیگر ارکان المجمع الاسلامی مبارک پور کی کوششوں سے ''جد الممتار'' کی ۲؍ جلدیں زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں۔

دیہات میں نماز جمعہ:۔ دور حاضر میں دیہاتوں کے اندر نماز جمعہ قائم کرنے کے بارے میں علما کا اختلاف پایا جاتا ہے، ابتدا میں حضرت مفتی صاحب ان بستیوں میں جہاں نماز جمعہ کے قیام کے شرائط پورے نہیں ہوتے، قیام نماز جمعہ کو درست نہیں جانتے

تھے، مگر بعد میں حالات زمانہ کی نزاکتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے دیہاتوں میں نماز جمعہ قائم کرنے کو جائز قرار دیا، آپ نے خود فرمایا۔

''بریلی شریف میں قیام کے دوران میرا نقطۂ نظر یہی تھا کہ دیہات میں جمعہ ناجائز ہے اور اصل بھی یہی ہے، قیام جمعہ کے لیے شہر کی قید ہے، مگر بعد میں حالات بدلے، عموم بلوی کے طور پر دیہات میں جمعہ جائز ہونا چاہیے، کیونکہ حضرت علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں''مَنْ لَّمْ یَعْرِفْ اَهْلَ زَمَانِهٖ فَهُوَ جَاهِلٌ'' حالات و زمانہ کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے مسائل شرعیہ میں تبدیلی کی جاسکتی ہے، علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا یہی مفہوم ہے، چونکہ اس دور میں مسلمان اعمال حسنہ اور نمازوں سے بے پرواہ ہیں، اگر دیہاتوں میں نماز جمعہ ناجائز قرار دی جائے تو بہت سے مسلمان ایسے ہیں جو پنج وقتہ نماز نہیں پڑھتے، اگر جمعہ بھی نہ پڑھ سکیں تو نماز اور مسائل نماز سے ناواقف رہیں گے''۔

فقیہ ملت حضرت مولانا مفتی جلال الدین امجدی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں ''بیشک دیہات میں جمعہ کی نماز جائز نہیں، لیکن عوام اگر پڑھتے ہوں تو انھیں منع نہ کیا جائے کہ وہ جس طرح بھی اللہ و رسول کا نام لیں غنیمت ہے'' **ھکذا قال الامام احمد رضا البریلوی (فتاویٰ فیض الرسول حصہ اول ص ۴۰۱)**

قلمی خدمات

حضرت مفتی صاحب قبلہ تدریسی تنظیمی اور اصلاحی مصروفیات سے فرصت پاتے تو سنی رسائل و جرائد کے لیے وقیع مضامین قلم بند فرماتے، قدرت نے انھیں تصنیف و تالیف کی صلاحیتوں سے بھی نوازا تھا، اگر گوشۂ عافیت میسر آتا تو آپ کے رشحات قلم کا ذخیرہ علم و ادب کے قدردانوں کے ہاتھوں میں ہوتا، پھر بھی جو کچھ لکھا بہت خوب لکھا، انداز تحریر سلجھا ہوا اور اسلوب نگارش سادہ اور عام فہم ہے، جو قاری کے دل و دماغ کو متاثر

کرتا ہے، بریلی شریف کے دوران قیام کثرت سے مضامین تحریر کیے، اس زمانے کی
''نوری کرن'' بریلی ''پاسبان اللہ آباد'' اعلیٰ حضرت بریلی شریف کی فائلیں دستیاب
ہوجاتیں توان میں چھپنے والے مضامین کا ایک ضخیم مجموعہ تیار ہوجاتا۔

حضرت مفتی صاحب اپنے مضمون نگاری کے تعلق سے ارشاد فرماتے ہیں
''بریلی شریف سے ''ماہنامہ نوری کرن'' جناب صوفی اقبال احمد صاحب کی ادارت
میں شائع ہوتا تھا، مدیر کی خصوصی تحریک پر ہر ماہ میں اس کے لیے مضمون قلم بند کرتا تھا،
ساتھ ہی ''نوری کرن'' میں ہر ماہ میرے فتاویٰ بھی شائع ہوتے تھے، حضرت علامہ
مشتاق احمد صاحب قبلہ نظامی علیہ الرحمہ کے اصرار پر ماہنامہ ''پاسبان اللہ آباد'' کے
لیے بھی کبھی کبھی مضمون لکھ دیا کرتا تھا، ماہنامہ اعلیٰ حضرت بریلی کا اعلیٰ حضرت نمبر جون
۱۹۶۲ء میں نکلا، جہانِ مفتی اعظم ہند میں ایک مضمون بعنوان ''مفتی اعظم یادوں کے
جھروکوں سے'' قلم بند کیا''۔

بہار نماز:۔ حضرت مفتی صاحب نے بریلی شریف میں قیام کے دوران نماز کے ضروری اور اہم مسائل پر مشتمل ''بہار نماز'' نامی کتاب تحریر کی، جو ایک ہزار تعداد میں طبع ہوکر بریلی شریف میں مفت تقسیم ہوئی، جو بہت قدر کی نگاہ سے دیکھی گئی۔

سوانح مولانا نیاز محمد و حافظ قطب الدین علیہما الرحمہ:۔ حضرت مفتی صاحب دارالعلوم غوثیہ سلیم پور میں تدریسی خدمات کے دوران نول پور سلیم پور کے صاحب کشف وکرامات بزرگ حضرت مولانا نیاز محمد و حافظ قطب الدین علیہما الرحمہ کی مختصر سوانح حیات ترتیب دے کر شائع کیا، جو وہاں کے عوام میں کافی مقبول ہوئی۔

مجلس شرعی مبارک پور:۔ حضرت مفتی صاحب نے مجلس شرعی مبارک پور کے فقہی سیمینار میں مختلف مواقع پر بعنوان ذیل تین مضامین تحریر کیے (۱) الکحل آمیز دواؤں کا استعمال (۲) لاؤڈ اسپیکر پر نماز (۳) دیہات میں نماز جمعہ۔

آئینۂ وہابیت:۔ حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ نے پوری زندگی عقائد حقہ اہلسنت

وجماعت کی تائید ونصرت میں کوشاں رہے، انھوں نے وہابی مکتب فکر اور ان کے ایمان سوز ہفویات اور باطل فکر واعتقاد کا مطالعہ رد وابطال کے غرض سے کیا، دوران مطالعہ علمائے دیوبند کی مخدوش گستاخانہ عبارتوں اور ان کے بے اصل مزعومات کو حوالوں کے ساتھ جمع فرمایا، اور ان کا عقل وشرع کی روشنی میں باطل ہونا ثابت کیا۔

اس کتاب میں حضرت مفتی صاحب قبلہ نے دیوبندیوں بدمذہبوں کے باطل عقائد بیان کیے ہیں اور بالالتزام ان کے حوالے پیش کیے ہیں، علمائے دیوبند کی ایمان شکن عبارتیں اور شان الوہیت ورسالت میں استعمال کیے گئے، دل خراش الفاظ کو نقل کرنے کے بعد ان پر نجدیت سوز اور وہابیت دوز تبصرے کیے ہیں اور قارئین کو دعوت فکر دی ہے کہ غیر جانب دار ہو کر مطالعہ اور غور کریں کہ وہابی مذہب توہین رسالت اور اہانت ولایت سے عبارت ہے، کتاب پڑھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مفتی صاحب قبلہ نے دیوبندی علما کی کتابوں کا بنظر غائر مطالعہ کیا تھا، چنانچہ اس کتاب کے اندر بہت سی ایسی عبارتیں آپ کو ملیں گی جو عام کتب میں پیش نہیں کی گئی ہیں، مفتی صاحب کی اس کتاب کی ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ بہت سی چیزیں جسے دیوبندی حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیائے کرام علیہم السلام کے لیے شرک اور کفر جانتے ہیں، انھیں چیزوں کو اپنے علما کے لیے نہ صرف جائز بلکہ ثابت وواقع مانتے ہیں، حضرت مفتی صاحب قبلہ نے ان کی ایسی کفری عبارتوں کو پیش کرنے کے بعد ان کے علما کے واقعات پیش کیے ہیں اور دیوبندی مذہب میں تضاد وتناقض دکھایا ہے اور یہ باور کرانے کی کامیاب کوشش کی ہے کہ دیوبندی جن تصرفات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے شرک جانتے ہیں اپنے علما کے لیے ان تصرفات کے جواز بلکہ وقوع کے قائل ہو کر اپنے ہی قول سے مشرک ہو جاتے ہیں، میرا احساس ہے کہ اگر تعصب کی عینک ہٹا کر اس کتاب کا مطالعہ کیا جائے تو غفلت کے پردے دلوں سے ہٹ جائیں اور وہابی مذہب سے نفرت پیدا ہو جائے، کیونکہ کتاب کے اندر دیوبندیوں کے باطل عقیدے اور گھناؤنی عبارتیں مع حوالہ پیش کی گئیں، خواص و

عوام سب اس سے مستفید ہوں گے، ان حوالوں کی مدد سے اصل کی طرف رجوع کر کے دیو بندیوں کا ناطقہ بند کیا جاسکتا ہے، اور بہتوں کو گمراہی کی دلدل سے نکال کر اہلسنت و جماعت کی شاہ راہ پر گامزن کیا جاسکتا ہے، کاش یہ کتاب طبع ہو کر منظر عام پر آجائے۔

شاعری

حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ شعر وسخن کا پاکیزہ مذاق رکھتے تھے، وہ اردو اور فارسی شعرا کے دواوین وکلیات کا مطالعہ کیا کرتے تھے اور ان کے پسندیدہ کلام اور اشعار اپنی بیاض میں نقل کیا کرتے تھے، بیاض کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے قتیل، سعدی، حافظ، غالب، ذوق، حسرت موہانی، جگر مرادآبادی، مضطر خیرآبادی، محسن کاکوروی، اقبال، امام احمد رضا بریلوی اور حسن بریلوی کے دواوین وکلیات کا بڑی گہرائی سے مطالعہ کیا تھا اور منتخب کلام واشعار زیب قرطاس کیے تھے۔

شعر وسخن سے دلچسپی محض مطالعہ کے حد تک نہ تھی بلکہ وہ خود بھی شعر گوئی کا پاکیزہ ذوق رکھتے تھے، انھوں نے حسب موقع حمد، نعت، منقبت اور قومی نظمیں لکھیں، بعض کلام مذہبی رسالوں کی زینت بنا، افسوس کہ آپ کا اکثر شعری سرمایہ امتداد زمانہ کی وجہ سے مفقود ہو گیا۔

مفتی صاحب کا شاعرانہ جوہر دادوں ضلع علی گڈھ کی طالب علمی کے زمانے میں کھلا اور وہیں آپ نے سب سے پہلے یہ رباعی نظم کی۔

مصحف رخ ہے کھلا اس پہ بخط ابجد
جدول ریش رحل ریزۂ سنگ اسود
درس عالی ہے نسیم اس میں ھو اللہ احد
اور طلائی ہیں رگیں اس پہ بنی زیر و زبر

حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری علیہ الرحمہ جو جامعہ ازہر مصر سے فارغ التحصیل ہو کر آئے تھے، اور مدرسہ حافظیہ دادوں میں دورۂ حدیث کی تکمیل کر رہے تھے، انھوں نے یہ رباعی سنی انداز بیان کی ندرت اور شاعرانہ کمال سے متاثر ہو کر بطور انعام دو روپے عطا کیے۔

اس حوصلہ افزائی کے بعد وقتاً فوقتاً شعر موزوں کرنے لگے، اساتذۂ فن کے

دواوین، کلیات کے مطالعے نے جلا بخشی، اس سلسلے میں ذوق نعت، حدائق بخشش، دیوان غالب، بانگ درا، کلیات محسن کاکوروی اور فارسی میں دیوان قتیل و حافظ خاص طور پر مطالعے میں رکھا، کسی استاذ فن کی شاگردی کے بجائے، انھوں اساتذۂ فن کے کلام کی رہنمائی میں اپنا شعری سفر جاری رکھا۔

حضرت مفتی صاحب قبلہ اپنی شاعری اور متاع شعر کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں۔

''میرا ایک مجموعۂ کلام دارالعلوم غوثیہ سلیم پور سے ''گلہائے نسیم'' کے نام سے شائع ہوا، جس میں نعتیں، قومی نظمیں اور قطعات شامل ہیں، شاعری کا یہ سلسلہ جو دادوں کے زمانہ طالب علمی سے شروع ہوا تھا، الحمد للہ! تاحال باقی ہے، اگرچہ پورے دور شاعری کا سارا کلام محفوظ نہیں، ایک رباعی یہ ہے۔ ؎

میں نے مانا کہ گنہ گار و سیہ کار ہو میں — یہ بھی تسلیم کہ رسوا سر بازار ہوں میں
کیوں فرشتو! مجھے لے جاتے ہو دوزخ کی طرف — اذن سرکار تو لو بندۂ سرکار ہوں میں

میں نے سرکار غوث پاک رضی اللہ عنہ، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی، حضور مفتی اعظم ہند اور حضور صدر الشریعہ علیہم الرحمہ کی شان میں منقبتیں لکھیں، جو محفوظ ہیں، شیر بیشۂ اہلسنت کے وصال پر مادۂ تاریخ ''شیخ ملت'' (۱۳۸۰ھ) نکلا، اگرچہ اسے قطعۂ تاریخ میں نظم نہ کر سکا۔

قطعۂ تاریخ بر وفات شکیل احمد بن حافظ محمد ظہور مرحوم ادروی۔ ؎

نور چشم و قرار دل بگذشت — پسر تو ظہور خلد برفت
ہست سال وفات او اے نسیم — نو بہار عجب شکیل برفت (۱۳۸۱ھ)

قطعۂ تاریخ بر وفات زبیدہ خاتون زوجہ حاجی محمد صدیق مرحوم ادروی۔ ؎

نامہ بر نے شکل بدلی موت کی — دعوت جنت زبیدہ کو ملی
لے چلو مجھ کو زبیدہ نے کہا — اندرونِ گلشن عشرت ابھی (۱۳۸۲ھ)

مولانا مفتی مجیب الاسلام متخلص بہ نسیم اعظمی ایک ہمہ جہت شخصیت کا نام ہے، وہ بیک وقت عالم دین، مایۂ ناز فقیہ، بے مثال خطیب اور اعلیٰ درجے کے اسلامی مفکر کی حیثیت سے مشہور ومعروف تھے، لیکن وہ ایک عالم ومفکر ہونے کے ساتھ ساتھ شاعری کا بھی اعلیٰ شعور وعرفان رکھتے تھے، جہاں وہ ایک جید عالم دین تھے، وہیں ایک خوش فکر شاعر بھی تھے، ان کی شاعری ایک خوش نغز، پختہ ذہن، بالغ نظر اور اردو شاعری کی تہذیبی روایت سے بہرور شخصیت کی ترجمانی کرتی ہے۔

نسیم اعظمی اسلامی تہذیب وثقافت کے پاسدار اور ایک منفرد لب ولہجہ کے شاعر تھے، یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری میں دینی واسلامی رجحان غالب ہیں، خصوصاً نعت گوئی میں دینی واسلامی رجحان اور فکری عنصر انھیں ایک ممتاز درجے پر فائز کرتا ہے، غزل میں وہ جہاں کلاسیکی رجحان کا اظہار کرتے دکھائی دیتے ہیں، وہیں نظم میں جدت وخیال اور ندرت فکر کی باریکیاں دکھنے کو ملتی ہیں۔

نسیم اعظمی کی شاعری کا محبوب میدان نعت گوئی اور منقبت ہے، ساتھ ہی ساتھ غزل، نظم، رباعی اور قطعہ جیسی اصناف کو بھی اپنی فکر کی جولان گاہ بنایا، لیکن اگر ان کے پورے شعری سرمایہ پر نگاہ ڈالی جائے تو کمیت وکیفیت دونوں اعتبار سے نعت گوئی کا پلہ بھاری نظر آئے گا۔

نعت گوئی ایک محبوب مگر مشکل صنف سخن ہے، اس میدان میں قدم رکھنا بقول عرفی ''تلوار کی دھار پر چلنے کے مترادف ہے'' جیسا کہ مثل مشہور ہے ''با خدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار'' اس میں اظہار عقیدت کے ساتھ ساتھ نعت گوئی کے حدود، احترام ذات رسالت، حفظ مراتب کا پاس ولحاظ اور خوش سلیقگی کا ہونا ضروری ہے، اس صنف سے وہی شخص عہدہ برآ ہو سکتا ہے، جو فنی تقاضوں کے ساتھ ساتھ قرآنی تعلیمات، احکام شریعت اور تاریخی حقائق پر گہری بصیرت رکھتا ہو۔

نسیم اعظمی کی نعت گوئی اپنی ایک الگ امتیازی شان رکھتی ہے، انھوں نے نعت

گوئی کو صرف اظہار عقیدت کے جذبات تک محدود نہیں رکھا، بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صفات و حسنات کو بھی موضوع سخن بنایا ہے، حضور کے حسن و جمال کی تعریف و توصیف، آپ کے فضائل و کمالات کا ذکر اور آپ کی سیرت کے مختلف گوشوں کی مدح سرائی میں اپنی شعری ہنرمندی کا ثبوت دیا ہے۔

غزل کو ابتدا سے ہی اردو شاعری کی مشہور و معروف صنف سخن کی حیثیت حاصل رہی ہے، نعت گوئی کے ساتھ غزل کے میدان میں بھی نسیم اعظمی نے اپنی انفرادیت کے نقوش ثبت کیے ہیں، ان میں تغزل کا رچا ہوا مذاق اور رکھ رکھاؤ بدرجہ اتم موجود ہے، ان کی غزلیں صرف جذبات و احساسات کے اظہار تک محدود نہیں، بلکہ ان میں جابجا واردات قلبی، حسن کی جلوہ سامانیوں اور عشق کی عشوہ طرازیوں کے ساتھ ساتھ زندگی کی نبض دھڑکتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں، مزید برآں جذبے کی شدت، لہجے کی شائستگی اور خلوص وجذبات کی گرمی نے ان کی غزلوں کو دوآتشہ بنا دیا۔

نسیم اعظمی کے یہاں منظر نگاری کی بھی خوبصورت عکاسی ملتی ہے، انھوں نے اپنی کئی نظموں میں فطرت کے حسن و جمال کو نہایت دلکش پیرایہ میں بیان کیا ہے، ان میں روانی کے ساتھ اثر آفرینی بدرجہ اتم موجود ہے، بالخصوص ان کی نظم ''نینی تال'' ان کے جذبات و احساسات کا نقطۂ عروج ہے، یہ نظم مناظر قدرت کی منظر کشی کے لحاظ سے محاکات کی بہترین مثال ہے۔

نسیم اعظمی کا ذوق جمال اور احساس حسن تجرباتی اور مشاہداتی ہیں، ان کی نعت ہو یا غزل یا نظم، ان میں سلاست و روانی، ترنم اور شگفتگی موجود ہے، عربی فارسی کے مشکل اور دقیق الفاظ کے استعمال سے گریز کرتے ہیں، ان کا لب ولہجہ باوقار سنجیدہ اور متین ہے، اب تک ان کا مجموعہ کلام زیادہ تر غیر مطبوعہ شکل میں ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کے کلام کو کتابی شکل میں شائع کیا جائے۔

ذیل میں آپ کے کلام کا انتخاب قارئین کی دلچسپی کے لیے پیش کیا جاتا ہے۔

نمونۂ کلام

نعتیں

آرہی ہے صبا مدینے سے
یوں چمن کھل گیا قرینے سے

جب کہا میں نے یا رسول اللہ
موج کترا گئی سفینے سے

ماہ میلاد ہے ربیع اول
کون بہتر ہے اس مہینے سے

زندگی میں جو تیری یاد نہیں
موت بہتر ہے ایسے جینے سے

درد دل میرا مونس و ہمدم
یوں لگایا ہے اس کو سینے سے

عرق آلود ہے جبین رسول
بس گئی ہے فضا پسینے سے

سبز گنبد کو جس نے دیکھ لیا
شاد کام آیا وہ مدینے سے

مست رہتا ہوں یاد میں ان کی
فائدہ کیا ہے مجھ کو پینے سے

اہل محشر بس اب خموش رہو
لائے تشریف وہ مدینے سے

کیا خبر مجھ کو کیسی جنت ہے
میرا رشتہ ہے بس مدینے سے

حشر میں اذہبوا الی غیری
سب کہیں تم لگاؤ سینے سے

کب گھڑی وہ نسیمؔ آئے گی
یاد فرمائیں وہ مدینے سے

☆☆☆

نسیم بیکس کو میرے والی تیری شفاعت کا آسرا ہے
مدینے والے تو ہی بتا دے جو کوئی عالم میں دوسرا ہے

قسم خدا کی نظام عالم ترے اشارے پہ چل رہا ہے
جو تو نے چاہا خدا نے چاہا وہی ہوا جو تری رضا ہے

بلا کی موجوں میں ہے سفینہ مگر نہ ہوگا یہ غرق طوفاں
کہ اس پہ دست کرم ہے اس کا جو دونوں عالم کا ناخدا ہے

دیار طیبہ کے جانے والو مجھے بھی للہ ساتھ لے لو
تڑپ کے حسرت سے کہہ رہا تھا تمھیں محمد کا واسطا ہے

وہ مقتل ایسا کہ بھائی کا لاشہ سامنے خاک وخوں میں تڑپے
مگر نہ لب پر صدائے اف ہو وہی حقیقت میں کربلا ہے

یہ چاند تاروں سے کوئی پوچھے یہ چاندنی تم کو کس نے بخشی
قسم خدا کی فرشتے شاہد یہ صدقۂ روئے مصطفیٰ ہے

میری سیہ کاریوں نے مجھ کو بنا دیا لائق جہنم
بچا مگر دو کریم آکر ادھر محمد ادھر خدا ہے

خدا کے محبوب بندہ پرور نسیم بیکس پہ چشم رحمت
اسے بھی رحمت سے کوئی حصہ یہ تیری سرکار کا گدا ہے

☆☆☆

آ گئی میری کشتی کنارے — رحمت مصطفیٰ کے سہارے
چھوڑ کر آپ کا آستانہ — آج جائیں کہاں غم کے مارے
کرنہ فردوس کی بات رضوان — دیکھ طیبہ کے دلکش نظارے
شان محبوبیت اللہ اللہ — تیرے گیسو کو قدرت سنوارے
میرے آقا مری لاج رکھ لو — ہاتھ در پہ کھڑا ہوں پسارے
تیرے تلووں میں وہ روشنی ہے — ہیچ نظروں میں ہیں چاند تارے
اے نسیم ان کی رحمت اگر ہو
حشر میں مجھ کو جنت پکارے

☆☆☆

کوئی اپنا نہیں ہے ٹھکانا — یا نبی میرا ایماں بچانا
ناز کرتا ہے عرش الٰہی — چوم کر آپ کا آستانا
عاصیوں کے لیے ان کا دامن — رحمتوں کا ہے اک شامیانا
چاند کردے ابھی چاک سینہ — میرے سرکار انگلی اٹھانا
میں غلام شہ بحروبر ہوں — چھوڑ دو مجھ کو آنکھیں دکھانا
عزم ہے کس طرح میں بجھا دوں — جل رہا ہے مرا آشیانا
پھنس گئی میری کشتی بھنور میں — میرے آقا کنارے لگانا
یہ نسیمؔ آپ کا ناتواں ہے
آفتوں سے خدا را بچانا

☆☆☆

جب مدینے کی یاد آتی ہے — زندگی میری مسکراتی ہے
رب سلّم کی کیا صدا آئی — ان کی امت جناں میں جاتی ہے
اے سراپا کرم کرم کردے — ناؤ موجوں میں ڈگمگاتی ہے
چاند تاروں کو روشنی واللہ — کف پائے نبی سے آتی ہے
در پہ آقا کے ہم غریبوں کو — ان کی رحمت بلا کے لاتی ہے
جھوم جاتی ہے زندگی میری — جب کبھی ان کی یاد آتی ہے
آمنہ تیرے گھر یہ کون آیا — آج شب کیسی جگمگاتی ہے
کیا ولادت کی شب نسیمؔ آئی
اک حسیں صبح مسکراتی ہے

☆☆☆

در مصطفٰے پہ مرتا تو کچھ اور بات ہوتی — جو وہیں مزار بنتا تو کچھ اور بات ہوتی
مرے دل میں جلوہ فرما ہیں میرے کریم آقا — جو نظر سے دیکھ لیتا تو کچھ اور بات ہوتی

یہ درود کا ترانہ بڑا وقت ہے سہانا
در پاک پر سناتا تو کچھ اور بات ہوتی

مرے دل میں شمع ایماں مانا کہ ہے فروزاں
جو عمل بھی ساتھ ہوتا تو کچھ اور بات ہوتی

یہ گلوں سے پُر ہے داماں، لیکن جو خار طیبہ
میری پتلیوں میں ہوتا تو کچھ اور بات ہوتی

کہیں پھول مسکرائے کہیں عندلیب چہکے
گل طیبہ مسکراتا تو کچھ اور بات ہوتی

یہ نسیم میرے آقا تیری یاد میں ہے مضطر
تجھے خواب ہی میں پاتا تو کچھ اور بات ہوتی

منقبت در شان اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ

ہم سے پھر سارا زمانہ برسر پیکار ہے
اے مجاہد! آ ہمیں نصرت تری درکار ہے

اٹھ مرے پیارے رضا ہندوستاں سنسان ہے
غم میں اک تصویر حسرت ہر در و دیوار ہے

ہاں رمق باقی ہے آ کر دے حیات نو مجھے
اے مسیحا! زندگی میری ترا دیدار ہے

ڈگمگاتے ہیں جہاں پر تاج والوں کے قدم
یہ امام اہل سنت کا وہی دربار ہے

آفتاب علم و حکمت اہل سنت کا امام
دین و ملت کا مجدد واقف اسرار ہے

ہاتھ میں لے کر وہی تیغ قلم آجا رضا
مصطفےٰ کے دین پر پھر کفر کی یلغار ہے

ایک دن خود ہی پلٹ جائے گا یہ طوفاں کا رخ
جب مرا پیارا رضا کشتی کا کھیونہار ہے

یہ چمن سونا ہوا اے بلبل نغمہ سرا
سر اٹھا احمد رضا اجڑا ہوا گلزار ہے

یا الٰہی! مفتی اعظم کو تو دے عمر دوام
ہے قلم جس کا نڈر حق کا علمبردار ہے

یا خدا! قائم رہیں تا حشر جیلانی میاں
آپ کی شان خطابت مثل حرف جار ہے

خواب ہی میں دیکھ لوں اس کا کبھی جلوہ نسیم
جس کا روضہ فیض رب سے مطلع انوار ہے

☆☆☆

غزلیں

آنکھیں وانہیں اور قاتل محوِ خواب ناز تھا
فتنہ سوتا جا رہا تھا باب فتنہ باز تھا
تیری ٹھوکر کے میں قرباں قبر میں دل ہل گیا
شور محشر تھا الٰہی یا خرام ناز تھا
ابتدا اک پاک جذبہ انتہا عشق و جنوں
یہ ہے انجام محبت اور وہ آغاز تھا
تھے تو وہ پردہ میں لیکن ان کو دیکھا بزم میں
یہ بھی اک چشم خیالی کا مری اعجاز تھا
کیا بسائیں دل کی دنیا اے خیال یار اب
حیف وہ دل ہی نہیں جس دل پہ مجھ کو ناز تھا
کس لیے میں دیر و کعبہ بہر سجدہ ڈھونڈتا
جس طرف ڈالی نظر تیرا حریم ناز تھا
اے خیال یار کیا بس قبر ہی تک ساتھ تھا
بے وفا نکلا مجھے تیری وفا پر ناز تھا
ہو نہیں سکتا تھا افشا راز دنیا پر مرا
لیکن ان آنکھوں میں اک پردہ شکن غماز تھا
آ کے ٹکرائیں شعاع حسن دل پر سیکڑوں
اے مہ کامل مگر مکھڑا تیرا ممتاز تھا
آج تک ہے خوں فشاں سرخی شفق کی بھی نسیمؔ
خون میرا رنگ لایا میں شہید ناز تھا

☆☆☆

میری آنکھوں سے مرے یار کا جلوہ دیکھو
مہر تو دیکھ چکے یار کا تلوا دیکھو
اک تبسم پہ تری ہوگئیں جانیں قرباں
مرغ بسمل کی طرح میرا تڑپنا دیکھو
مجرم عشق کو دیکھا تو کہا جھلا کر
عشق کا نام کبھی منہ پہ نہ لانا دیکھو
اضطراب شب فرقت کا عجب ہے منظر
کبھی ہنسنا کبھی بکنا کبھی رونا دیکھو
مر کے بھی چین نہیں اہل محبت کو خدا
گور میں آ کے حسینوں کا ستانا دیکھو
منہ نہ کلیوں کا کھلا کروٹیں بدلیں شب بھر
غسل شبنم سے ذرا ان کا بھی ہنسنا دیکھو
ان کی شہرت کا سبب ہے تری تخلیق نسیمؔ
تیری تصویر سے اب ان کا بچھڑنا دیکھو

اب تک ہے محبت تری اجمال کے پردے میں
آئندہ نہ چل کر کہیں افسانہ بنادے
ہے عشق کے دریا میں تلاطم کا عجب شور
خطرہ ہے کہ اپنوں کو نہ بیگانہ بنادے
مستانو دعا مانگو اٹھے نہ کہیں چلمن
اک روز کہیں طور کا جلوہ نہ بنادے
اے شمع تو ہی بتلا تجھ کو میں کہاں ڈھونڈوں
یا اپنی تجلی سے تو پروانہ بنادے
لبریز ہوا ضبط کا پیالہ تو مجھے ڈر ہے
ہر شے کو مرا عشق یہ دریا نہ بنادے
اب روح نکلتی ہے نسیم اتنا ہے ارماں
اس میری محبت کو بس فرزانہ بنادے

☆☆☆

آغوشِ شب تاریک میں جب یہ بزم انجم ہوتی ہے
میں محو تجسس ہوتا ہوں اور ساری دنیا سوتی ہے
وہ زلف سیہ بل کھائی ہوئی وہ عارض تاباں کا نقشہ
اک شام کا منظر ہوتا ہے اک صبح نمایاں ہوتی ہے
اے عشق و محبت کی دنیا اس نیم تبسم کے قرباں
چلتے ہیں رگ جاں پر نشتر جب یاد کسی کی ہوتی ہے
آساں نہ سمجھ اس کو ناصح ہے عشق کی یہ پہلی منزل
جب جسم کی دنیا خاک ہوئی پھر جان کی باری ہوتی ہے
جب یاد نسیم آجاتی ہے پھر دل کی کلی کھل جاتی ہے
وہ صبح مسرت کی ساعت کچھ ایسی سہانی ہوتی ہے

☆☆☆

مصرعہ طرح:۔ مریض اب نہ کہے گا سحر نہیں ہوتی

بہار میں بھی مری چشم تر نہیں ہوتی
نگاہ لطف تری ابر تر نہیں ہوتی
نہ ابتدائے جنوں اور نہ انتہا کی خبر
ہو سوز دل میں تو دل کو خبر نہیں ہوتی

شباب حسن رخ انقلاب کیا جانے سنا ہے مہر کی شام و صحر نہیں ہوتی
ہمارے شیشۂ دل کو نہ ہاتھ سے چھوتے نگاہ حسن میں قیمت اگر نہیں ہوتی
تڑپ رہی ہے مری لاش ان کے کوچہ میں خراب حال وفا کی خبر نہیں ہوتی
ہمارے دل میں یہ رہ رہ کے ٹیس کیوں اٹھتی مری طرف جو شعاع نظر نہیں ہوتی

کہیں نہ حسن پہ لگ جائے داغ رسوائی
نسیم آہ جو اب پُر اثر نہیں ہوتی

☆☆☆

مصرعہ طرح:۔ بہت ہیں حسرتیں سر پیٹنے کو میرے مدفن پر

صفائی پر قمر کو ناز تھا تو نے اسے توڑا
پھسلتی ہیں نگاہیں پڑ کے تیرے روئے روشن پر

تری آرائشوں کو کیا کریں ہم کس طرح دیکھیں
گمان نالہ مجھ کو ہو گیا ہے تیرے جوشن پر

بہار حسن خوباں میں ہیں کتنی وسعتیں یارب
اسی سے آئی ہیں رنگینیاں جتنی ہیں گلشن پر

سر شہر خموشاں جب اندھیرا ہی اندھیرا تھا
فلک نے پیشکش تاروں کی تھی میرے مدفن پر

یہ کیوں نالہ مرا تاثیر سے خالی ہوا یارب
گری کیوں ایک بجلی تک نہ امیدوں کے مدفن پر

مرے مدفن پہ آئے ہو ذرا دامن بچا لینا
پڑے ہیں ذرہائے حسرت دل میرے مدفن پر

یہ وہ دام محبت ہے رہائی جس سے ہے مشکل
یہی جادو تھا جس کا ہے اثر شیخ و برہمن پر

نسیم اب کیا ہوا کیوں کھل گئیں امید کی کلیاں
شمیم عنبر فشاں ہے آج کیوں یوں میرے مدفن پر

نظمیں

ہے قسم اے صاحب رنگیں ادا تیری قسم
اس سمے میں یاد کرتا ہوں تجھے تیری قسم

ہوں چمن میں ڈالیوں پر بلبلیں جب نغمہ خواں — اور ان پر پھول سو جان سے ہو مہرباں
ہو معطر پھول کی خوشبو سے سارا گلستاں — جھاڑیوں میں چشمۂ شفاف ہو جس دم رواں

ہے قسم اے صاحب رنگیں ادا تیری قسم
اس سمے میں یاد کرتا ہوں تجھے تیری قسم

اک نیا عالم ہو سب پر اک نیا انداز ہو — طوطی جاں سوختہ جب زمزمہ پرواز ہو
راگنی دلکش ہو ان کی اور خوشکن ساز ہو — دل رُبا ان کی ادا مرغوب ان کا ناز ہو

ہے قسم اے صاحب رنگیں ادا تیری قسم
اس سمے میں یاد کرتا ہوں تجھے تیری قسم

نذر آتش کر رہا ہو جب زمیں پر آفتاب — پھینک کر اپنا نقاب رخ ہوا ہو بے نقاب
دھوکہ ہر ناظر کو دے ایسی ہو صحرا کی سراب — اس میں تابش ہو غضب کی اور چمک ہو مثل آب

ہے قسم اے صاحب رنگیں ادا تیری قسم
اس سمے میں یاد کرتا ہوں تجھے تیری قسم

بند ہوں چڑیوں کے نغمے ساز ہو ٹوٹا ہوا — ہر مسافر دھوپ کی شدت سے ہو سہا ہوا
ہر شجر ہو باغ میں غصے سے مرجھایا ہوا — رنگ ہر پتی کا ہو ہر آن میں بدلا ہوا

ہے قسم اے صاحب رنگیں ادا تیری قسم
اس سمے میں یاد کرتا ہوں تجھے تیری قسم

اپنا آنچل ناز سے چہرے سے جب سرکا دیا　　ہو کے ظاہر اک ادا سے پیکر جور و جفا
زرد رو ہو کر زمیں کی گود میں جب چل بسا　　پھر تو خورشید فلک وہ صاحب ظلم و جفا

ہے قسم اے صاحب رنگیں ادا تیری قسم
اس سمے میں یاد کرتا ہوں تجھے تیری قسم

جلوہ گر ہوں بستروں پر صورتیں خاموش ہوں　　خواب میں سب پیکر خلقت پڑے مدہوش ہوں
قمریاں سب آشیانوں میں پڑی روپوش ہوں　　تارے خاموشی میں جکڑے بے بس و بیہوش ہوں

ہے قسم اے صاحب رنگیں ادا تیری قسم
اس سمے میں یاد کرتا ہوں تجھے تیری قسم

اور شمیم جانفزا کا باغ میں اک شور ہو　　جبکہ گلشن میں نسیم دلبستاں کا دور ہو
پھر ترے دست کرم کے جام میں اک زور ہو　　اور میخانہ میں ساغر کا نیا اک دور ہو

ہے قسم اے صاحب رنگیں ادا تیری قسم
اس سمے میں یاد کرتا ہوں تجھے تیری قسم

نینی تال

بر سر کوہ حسیں ہیں چشم نرگس بجلیاں　　یا سر معشوق کا ہر اک سنہرا پانی ہے
حسن لندن کھچ کے آیا روئے نینی تال پر　　حسن پیرس سے تو پوچھو اب ترا کیا حال ہے

ہر قدم پر اک قیامت لے رہی ہے کروٹیں
کس قدر شوخی بھری مستانہ تیری چال ہے

☆☆☆

موسم گل آ گیا اور جھومتی ہیں ڈالیاں　　چپکے چپکے درد دل لینے لگا انگڑائیاں
سوز دل کیا ابر کے چھینٹوں سے کم ہو جائے گا　　میری رگ رگ میں نظر آنے لگیں چنگاریاں
اب چمن میں ہر طرف کلیاں تبسم ریز ہیں　　ایک میں ہوں مجھ پہ ہیں قرباں مری بربادیاں

سرو کو دیکھو لباس نو میں ہے ملبوس آج　　میری جانب کھنچ رہی ہیں اور بھی عریانیاں
لو اٹھیں کالی گھٹائیں ہر طرف سے جھوم کر　　اور تڑپتی ہیں فضائے آسماں پر بجلیاں
چار سو ساغر بکف ہیں مست میکش بزم میں　　چادر مہتاب شب پر ہائے یہ مے نوشیاں

مزرع ہستی جلا کر خاک کر ڈالا نسیم
اب نہ مڑ کر بھی کبھی دیکھیں گے سوئے آشیاں

رباعیات

حقیقت میں ہو سجدہ جبہ سائی کا بہانہ ہو　　الٰہی میرا سر ہو اور ان کا آستانہ ہو
تمنا ہے کہ میری روح جب تن سے روانہ ہو　　دم آنکھوں میں ہو اور پیش نظر یہ آستانہ ہو

☆☆☆

اگر شعلہ زن آتشیں وادیاں ہوں　　تڑپتی ہوئی لال چنگاریاں ہوں
فلک بوس شعلوں کی سرمستیاں ہوں　　بصد شوق فاندیں گے گر سختیاں ہوں

☆☆☆

یہ مانا تو ہے اکثریت پہ نازاں　　یہ مانا تیرے ہاتھ میں تیر و پیکاں
یہ مانا تیرے دل میں ہے اونچے ارماں　　تیرا زور تیرے لیے فتنہ ساماں

☆☆☆

اگر موج دریا کی طغیانیاں ہوں　　غموں کے بھنور میں مری کشتیاں ہوں
ابلتی ہوئی رنج کی ندیاں ہوں　　سکوت الم میں مری بجلیاں ہوں

☆☆☆

ابھی راز مسلم سے نا آشنا ہے　　بہاروں میں تجھ کو خزاں دیکھنا ہے
ابھی بحر خوں میں تجھے تیرنا ہے　　یہ رنگین منظر تجھے دیکھنا ہے

☆☆☆

نسیم اب فریب اخوت نہ کھانا طلسم محبت میں ہر گز نہ آنا
ہے تاریک وادی کہیں کھو نہ جانا اگر چہ پڑے تجھ کو خوں میں نہانا

قطعہ

آپ کا جلوہ بھی کیا چیز ہے اللہ اللہ جس کو آجائے نظر وہ ہی تماشا ہو جائے
آپ ٹھکراتے تو ہیں قبر شہیدان وفا حشر سے پہلے کہیں حشر نہ برپا ہو جائے

☆☆☆

اکابر علما و مشائخ سے تعلقات

حضرت مولانا مفتی مجیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ دور طالب علمی سے لے کر عہد تدریس و افتا تک اکابر علمائے اہلسنت اور مشائخ طریقت کے دامن تعلیم و تربیت سے وابستہ رہے اور ان برگزیدہ علمی و روحانی شخصیتوں سے خاص قرب حاصل رہا، ان کے علمی و عرفانی فیوض سے آپ مستفیض ہوتے رہے، حضرت مفتی صاحب کو ان بزرگوں کی خدمت میں رہنے اور ان کے علمی و روحانی کمالات کے مشاہدے کا موقع میسر آیا، ان بزرگوں سے متعلق بہت سے ایسے واقعات ہیں، جو مفتی صاحب کے سامنے وقوع پذیر ہوئے، اس لیے ہم نے انٹرویو کے دوران مفتی صاحب قبلہ کو اساتذہ اور مربیوں سے متعلق خاص خاص واقعات و معاملات اور ان سے متعلق حضرت مفتی صاحب کے مشاہدات و تاثرات جاننے کی کوشش کی، حضرت نے جن اکابر علما و مشائخ کے بارے میں اپنے مشاہدات و تاثرات کا اظہار فرمایا، وہ قارئین کی خدمت میں پیش کیے جاتے ہیں۔

ان واقعات کی روشنی میں اکابر علمائے اہلسنت کی زندگی کے بعض اہم زاویے ان کی علمی و دینی خدمات اور حسن اخلاق کے قابل تقلید گوشے سامنے آتے ہیں۔

صدرالشریعہ علامہ محمد امجد علی اعظمی قادری علیہ الرحمہ

حضرت صدرالشریعہ ایک باکمال مدرس، ماہر فقیہ اور عظیم متکلم تھے، ہندو پاک میں اہل سنت کی تمام درس گاہیں آپ کے تلامذہ سے آباد ہیں، آپ نے اپنی درس گاہ سے صاحب فکر، فعال اور متحرک اساتذہ کی ایک ٹیم نکالی، آپ اپنے دور میں تمام علما سازاداروں کے صدرالصدور کی حیثیت رکھتے تھے، مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کی نصاب کمیٹی میں آپ کو اسی بناپر شامل کیا گیا تھا، اور آپ کے قیمتی مشورہ سے شعبہ دینیات کا ایک شاندار نصاب مدون ہوا تھا۔

اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ آپ کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں ”آپ یہاں کے موجودین میں تفقہ جس کا نام ہے وہ مولوی امجد علی میں زیادہ پایئے گا، اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ استفتا سنایا کرتے ہیں اور جو جواب دیتا ہوں لکھتے ہیں، طبیعت اخاذ ہے، طرز سے واقفیت ہو چلی ہے“۔(الملفوظ)

اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے بعد بلا انکار نکیر حضرت صدرالشریعہ ہی افتا کے امام مانے جاتے تھے، اس دور کے اجلہ علما بھی آپ ہی کی طرف رجوع فرماتے۔

صدرالشریعہ جب اپنے آخری سفر حج کو روانہ ہوئے تو شاہ گنج ریلوے اسٹیشن سے بخار بہت تیز ہوگیا اور بریلی شریف پہنچتے پہنچتے بخار نے اتنی شدت پکڑ لی کہ اکثر بے ہوشی کا سا عالم ہوتا، حضرت کی خدمت وعیادت میں میں مصروف تھا، اسی دوران سرکار مفتی اعظم ہند کی خدمت میں استفتا پیش ہوا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ابھی جواب مستحضر نہیں ہے اور سفر حج کی تیاریوں کی وجہ سے کتابوں کی طرف مراجعت کی فرصت بھی نہیں، حضرت صدرالشریعہ کے سامنے پیش کرو، وہ استفتا حضرت صدرالشریعہ کو سنایا گیا، آپ نے اسی شدت مرض کے عالم میں بستر علالت پر لیٹے ہی لیٹے حل فرمادیا، **بحمدہٖ تعالیٰ** صدرالشریعہ کے اس آخری فتویٰ کو قلم بند کرنے کی سعادت میرے حصہ میں آئی، یہ

حضرت صدر الشریعہ کی زندگی کا آخری فتویٰ تھا۔

بریلی شریف سے ممبئی روانہ ہونے سے پہلے بخار میں اتنی شدت پیدا ہوگئی کہ بار بار غشی آنے لگی، حکیم حسنین رضا خان صاحب نے مجھ سے کہا کہ حضرت سفر حج ملتوی کردیں صحت اجازت نہیں دیتی، حکیم صاحب کی بات میں نے گوش گزار کی تو فرمایا ''مولوی مجیب! میں خود نہیں جا رہا ہوں سرکار بلا رہے ہیں'' جب بریلی اسٹیشن کے لیے روانہ ہوئے، رکشہ پر غشی آ گئی، پلیٹ فارم پر لٹایا تو غشی آ گئی، ذرا افاقہ ہوا تو میں نے خمیرہ مروارید پیش کیا، تو ارشاد فرمایا ''اب دوا کا وقت نہیں ہے'' میں نے عرض کی حضور یہ دوا نہیں غذا ہے، تب جا کر قبول فرمایا۔

میں نے بڑے بڑے حوصلہ مندوں کو دیکھا ہے، لیکن حضرت جیسا اولوالعزم، دھن کا پکا اور عزیمت پر عمل کرنے والا کسی کو نہیں پایا، ممبئی کے لیے جب ٹرین پر سوار ہوئے تو حضرت کی شدت مرض کو دیکھ کر میرے ذہن میں بار بار یہی خیال آتا کہ حضرت یہ سفر کیسے طے فرمائیں گے، میں زار و قطار رو رہا تھا، ایک خاتون جو سفر حج پر جا رہی تھیں، انھوں نے مجھے زار و قطار روتے ہوئے دیکھا تو کہا گھبرانے کی بات نہیں، ہم حضرت کی خدمت کرتے ہوئے جائیں گے، میں سوچنے لگا یہ بے چاری کیا خدمت کرسکے گی، ٹرین روانہ ہوئی اور ہم نے حضرت کو بادیدۂ نم الوداع کہا، مگر دل کی کسک غم کا طوفان ہلکا نہ ہوا، بریلی شریف سے واپسی پر میں نے سوچا دل بہلانے کے لیے لکھنو کی سیر کرلی جائے، مگر اپنی تمام رعنائیوں کے باوجود شہر لکھنو اجڑا دیار نظر آتا تھا، مجبوراً اسٹیشن واپس آ گیا اور وہیں سے میں نے حضور حافظ ملت کی خدمت میں ایک خط تحریر کیا، جس میں اپنے جذبات غم کو پیکر تحریر میں ڈھالتے ہوئے لکھا ''حضور صدر الشریعہ کو رخصت کرنے کے بعد ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں نے کوئی انمول موتی کھو دیا ہے'' حضور حافظ ملت اس تحریر سے بہت متاثر ہوئے اور جب ملاقات ہوئی تو فرمانے لگے، خط پڑھنے کے بعد مجھے یقین ہوگیا کہ اب حضرت صدر الشریعہ کا دیدار نصیب نہیں ہوگا، میرے جذبات غم کا طوفان ادری پہنچنے کے بعد بھی

تھمنے کا نام نہ لیتا تھا اور انجان خلش دل میں محسوس کررہا تھا کہ حضرت کے وصال کی خبر بجلی بن کر دل پر گری، جنازہ اندارا اسٹیشن پر آیا، اسی ٹرین سے میں اور ادری کے بہت سے احباب سوگواروں کی صف میں شامل ہوکر گھوسی پہنچے، برسات کا موسم تھا، پوری زمین نم تھی، قبر کھودی گئی تو حفاظت کی غرض سے اس میں سمنٹ لگادی گئی، میں وہاں موجود تھا، عرض کی سمنٹ لگانا جائز نہیں، جناب عزیز الحسن صاحب پردھان مرحوم وہاں موجود تھے کہنے لگے، آپ حافظ ملت سے بڑھ گئے ہیں؟ میں نے کہا ہرگز نہیں، بلکہ انھیں کی تعلیم سے بول رہا ہوں، بات بڑھی تو وہ مجھے لے کر حافظ ملت کی بارگاہ میں گئے، میں نے عرض کی، حضور پتھر جلا کر پیسا جاتا ہے تو سمنٹ تیار ہوتی ہے، تو حافظ ملت نے فرمایا، ناجائز ہے، فوراً قبر سے سمنٹ کا پلاسٹر ہٹایا گیا اور گیلی مٹی لیسی گئی، ہزاروں سوگواروں نے حضور حافظ ملت کی اقتدا میں نماز جنازہ ادا کی اور پیکر علم وحکمت، آفتاب شریعت وطریقت کو آغوش لحد کے حوالے کردیا گیا، آپ کی کرامت ہے کہ بارش کی وجہ سے قبر کا کچھ حصہ کھل گیا تو پورا باغ مسلسل کئی دنوں تک مشک وعنبر کی طرح مہکتا رہا۔

اسی سفر حج پر وطن سے روانگی کے دوران جب حضرت صدرالشریعہ ریلوے اسٹیشن گھوسی تشریف لائے تو پلیٹ فارم پر فرش بچھا دیا گیا، جہاں حضرت صدرالشریعہ نے اپنا نورانی خطاب فرمایا، دوران تقریر ارشاد فرمایا:

”میں اعلیٰ حضرت کی خدمت میں سائے کی طرح ۲۳؍سال تک رہا، ایک مرتبہ امام احمد رضا نے ایک ہفتہ تک کچھ نہ کھایا اور ایک مرتبہ ایک مہینہ تک کچھ نہ کھایا، والدہ محترمہ نے فرمایا، تم نے غذا چھوڑ دی، عرض کی امی جان! پیشاب پاخانے سے محفوظ رہ کر دین کا کام کررہا ہوں“۔

مدرسہ حافظیہ سعیدیہ دادوں ضلع علی گڈھ کے متولی جناب نواب غلام محمد خان، تفضیلی تھے اور حضرت علی رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ کو خلیفۂ اول مانتے تھے، حضرت صدرالشریعہ کو علم ہوا، ایک مجلس میں دلائل و براہین سے ان کو تفضیلیت سے توبہ کرائی،

جب کہ خود نواب صاحب، صاحب علم تھے، توبہ کے بعد فرمایا کرتے تھے، یا اللہ! مدرسہ حافظیہ سعیدیہ سے کوئی امجد علی پیدا فرمادے۔

اپنے اساتذہ میں فقیہ اعظم حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان کی فقاہت وریاضت اور عشق رسول کی بنیاد پر میں بہت زیادہ متاثر ہوا، حضرت سے میں نے شرح ہدایۃ الحکمت کا درس دادوں میں لیا، عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ صدر الشریعہ صرف علم فقہ کے شہ سوار تھے، مگر میں نے انھیں علم فلسفہ میں بھی یکتائے روزگار پایا، جب کتاب پڑھاتے، ایسی تقریر کرتے کہ محسوس ہوتا کہ بوعلی سینا بول رہے ہیں، انداز تفہیم بہت ہی سہل تھا، فلسفہ جیسے خشک فن کا اس طرح آسان انداز میں درس دیتے گویا کہ پڑھا نہیں رہے ہیں، بلکہ پلا رہے ہیں، جب تک ہر طالب علم کتاب کا مطلب سمجھ نہیں لیتا، حضرت آگے نہیں بڑھتے تھے۔

حضرت کی ریاضت کا عالم یہ تھا کہ نماز پنج گانہ باجماعت مسجد میں ہمیشہ ادا فرماتے تھے، بلاناغہ روزانہ بعد نماز فجر تلاوت قرآن پاک اور اوراد و وظائف سے فارغ ہونے کے بعد ہی ناشتہ فرمایا کرتے تھے۔

آخری سفر حج کے موقع پر بریلی شریف میں بخار کی شدت، بدن کی نقاہت اور اس پر بار بار غشی کا طاری ہوجاتی، استنجا کی حاجت ہوئی بیت الخلا کے قریب پہنچے تو اچانک انھیں یاد آیا کہ ننگے سر ہوں، وہیں سے فرماتے ہیں "مولوی مجیب ٹوپی لاؤ" میں ٹوپی لے کر حاضر ہوا اور اپنے ہاتھ سے سر پر ٹوپی رکھا"۔

دادوں ضلع علی گڈھ میں حضرت نے بہار شریعت حصہ ششم کا مسودہ میرے سپرد فرمایا اور اس کا مکمل مبیضہ کرکے میں نے حضرت کی خدمت میں پیش کردیا، اسی دوران حصہ ششم کو کتابت وطباعت کے لیے پریس کے حوالہ کرنا تھا، مگر ابھی مبیضہ کے لیے بارہ صفحات (فل اسکیپ، ہر صفحہ ۴۵ رسطور پر مشتمل) باقی تھے، حضرت صدر الشریعہ پریشان تھے کہ کل ہی پریس بھیجنا ہے، کیسے مبیضہ ہوگا، میں نے عرض کیا، میں صبح تک انشاء اللہ

تعالیٰ یہ کام کردوں گا، حضرت صدر الشریعہ نے فرمایا ''تم سے کوئی کام بچتا نہیں'' حضرت کی دعاؤں کے سایہ میں بعد نماز عشا سے لکھنا شروع کیا اور فجر کی نماز سے فارغ ہوکر مکمل کرکے حضرت کی خدمت میں پیش کردیا، اس وقت حضور صدر الشریعہ کی مسرت کی کوئی انتہا نہ تھی، حضرت نے مجھے ڈھیر ساری دعاؤں سے نوازا۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرت وضو فرما رہے تھے، ایک حاجی صاحب نے عرض کی، حضور آپ وضو میں کچھ زائد پانی خرچ فرما رہے ہیں، تو حضرت نے جواب دیا ''حاجی صاحب! آپ ہمارے ساتھ رہیں تو ایک مہینہ میں وضو کے مسائل سیکھ سکیں گے'' مخارج اور صحت حروف کے ساتھ قرآن شریف کی تلاوت فرماتے۔

ایک مرتبہ دادوں میں جناب حافظ عبد الرحیم صاحب نے نماز میں قرآن کی آیت وَزَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ کی تلاوت فرمائی، حضرت صدر الشریعہ کو اس لفظ میں ''ذال'' کی بو آئی تو نماز کے اعادہ کا حکم دیا۔

احتیاط کا عالم یہ ہے کہ خود بہار شریعت حصہ چہارم صفحہ ۳۵ / پر ارشاد فرماتے ہیں ''افسوس صد افسوس اس زمانے میں حفاظ کی حالت نہایت ناگفتہ بہ ہے، اکثر تو ایسا پڑھتے ہیں کہ **یعلمون تعلمون** کے سوا کچھ پتہ نہیں چلتا، الفاظ و حروف کھا جایا کرتے ہیں، جو اچھا پڑھنے والے کہے جاتے ہیں انھیں دیکھیے تو حروف صحیح نہیں ادا کرتے ہیں، ہمزہ الف میں اور ذ، ز، ظ، ث، س، ص، ت، ط وغیرہا حروف میں تفرقہ نہیں کرتے، جس سے قطعاً نماز ہی نہیں ہوتی، فقیر کو انھیں مصیبتوں کی وجہ سے تین سال ختم قرآن مجید سننا نہ ملا، مولیٰ عز وجل مسلمان بھائیوں کو توفیق دے کہ **ماانزل اللّٰہ** پڑھنے کی کوشش کریں''۔

عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم:۔ حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ ایک سچے عاشق رسول تھے، دوسرے سفر حج کے موقع پر گھوسی سے بریلی شریف تک میں شریک سفر رہا، شاہ گنج ریلوے اسٹیشن پہنچنے پر بخار بہت تیز ہوگیا، حضرت کی شان میں سفر حج کی مناسبت سے ایک منقبت میں نے لکھی تھی، جس کو کسی نے پڑھنا شروع کیا، ابھی ایک ہی مصرع

پڑھا تھا کہ حضرت نے منع فرمادیا کہ اس کی ضرورت نہیں، نعت شریف پڑھو، اس کے بعد نعت شریف پڑھی گئی، حضرت پورے سفر میں اس شعر کی بار بار تکرار فرماتے رہے۔

گے بود یا رب کہ رو در طیبہ و بطحا کنم
گہ بمکہ منزل و گہ در مدینہ جا کنم

شہزادۂ اعلیٰ حضرت حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ

شہزادۂ اعلیٰ حضرت سرکار مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ بریلی شریف سے میں نے با قاعدہ کسی کتاب کا درس تو نہیں لیا، مگر دار العلوم مظہر اسلام و رضوی دار الافتا میں قیام کے دوران سیکڑوں بار سیکڑوں مسائل میں سرکار مفتی اعظم ہند سے اکتساب فیض کیا اور بریلی شریف میں ان کے زیر سایہ فتویٰ نویسی کی مشق کی۔

حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے علم و فضل، طہارت نفس و پاکیزگی قلب کی بنیاد پر میں ان سے بہت متاثر رہا، آپ کی حیات پاک کا گوشہ گوشہ سنت مصطفویہ کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا، نو سالہ قیام بریلی شریف کے دوران اپنے اکثر فتاویٰ پر حضرت سے تصدیقات حاصل کیں، حضرت ہی کی کفش برداری میں مجھے فتاویٰ نویسی کی ادنیٰ سی ممارست ہوئی، حضرت سے میں طالب ہوا، حضرت نے مجھے اعلیٰ حضرت کے اعمال و وظائف کی اجازت دی اور اپنے نواسہ حضرت خالد میاں کی دستار کے موقع پر حضرت نے کرم فرماتے ہوئے مجھے خلافت سے نوازا۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے پچپڑوا کا سفر تھا، لکھنو میں ٹرین بدلنی تھی اور ہم لوگ پلیٹ فارم پر ٹرین کا انتظار کررہے تھے، سخت سردی کا موسم تھا کبھی کبھی بوندیں بھی پڑ رہی تھیں، چہار جانب سے ہندو و مسلم، حضرت کا دیدار کر رہے تھے، حضرت نے فرمایا ''مولانا کہیں مسلم ہوٹل ہو تو چائے لائیے'' میں اسٹیشن سے باہر گیا اور ایک مسلم ہوٹل سے اپنے لوٹے میں دو پیالی چائے لایا، پلیٹ فارم پر پہنچتے پہنچتے چائے بالکل سرد ہوگئی، میں نے پریشانی

کی حالت میں پلیٹ فارم پر بکھرے ہوئے چند کاغذات اکٹھا کیے اور انھیں جلایا، بحمدہ تعالیٰ انھیں کاغذ کے چند ٹکڑوں سے چائے بالکل گرم ہوگئی اور حضرت نے نوش فرمائی۔

اکبر علی خاں اتر پردیش کے گورنر تھے، وہ عقیدت میں حضرت سے ملنے آرہے تھے، لوگوں نے حضرت کو خبر دی، حضرت فوراً اپنی بیٹھک سے اٹھ کر اندر چلے گئے اور فرمایا گورنر صاحب حکومت کی کرسی سے الگ ہوں گے تو مجھ سے ملاقات ہوسکتی ہے۔

ایک دن میں حضرت کی بیٹھک میں فتویٰ لکھ رہا تھا، حضرت اندر سے تشریف لائے، صبح ۱۰/ بجے کا وقت تھا، اچانک فرمایا کہ ''دیکھیے مولوی حشمت علی صاحب کی کوئی خبر آتی ہے'' ساڑھے ۱۲/ بجے کے قریب خبر ملی کہ حضرت شیر بیشۂ اہلسنت کا وصال ہوگیا، حضرت نے مجھ سے فرمایا ''طلبہ کو مطلع کر کے مساجد سے اعلان کرا دیں'' اس کام کو انجام دینے کے بعد میں آستانہ پر حاضر آیا، حضرت بس اسٹیشن روانہ ہو چکے تھے، میں بھی بھاگا ہوا بس اسٹیشن پہنچا، بس روانہ ہو چکی تھی، مگر ابھی میرے سامنے تھی، اس زمانے میں بس، روڈویز سے نکلنے کے بعد راستہ میں نہیں رکتی تھی، مگر یہ حضرت کی کھلی کرامت تھی کہ ایک بیل گاڑی سامنے آگئی، بس رک گئی، حضرت نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا کہ آجاؤ، اس طرح مجھ کو بھی بس مل گئی اور حضرت کی رفاقت میں یہ سفر میں نے طے کیا، شیر بیشۂ اہلسنت کے کفن کاٹنے کی سعادت میرے حصہ میں آئی۔

جب میں ادری میں تدریسی خدمات پر مامور تھا تو کبھی کبھی رمضان شریف میں فتاویٰ کی اصلاح کے لیے بریلی شریف حاضر ہوتا، ایک مرتبہ عید کے موقع پر میں بریلی شریف میں رک گیا، عید گاہ میں نماز کے لیے حاضر ہوا، سرکار مفتی اعظم ہند اس میں ہمیشہ امامت فرماتے تھے، اچانک نماز کے وقت حضرت نے مجھے امامت کے مصلے پر بڑھا دیا، میرے پاؤں لرزنے لگے کہ میں حضرت کی موجودگی میں عید کی نماز پڑھاؤں، مگر بفضلہٖ تعالیٰ حضرت کی دعاؤں سے میں نے نماز مکمل کی۔

نماز اور خطبہ و دعا کے بعد جب لوگ مصافحہ و معانقہ کر رہے تھے، اچانک عنایت

اللہ مشرقی کے بیلچہ برداروں نے حضرت سے مصافحہ کرنا چاہا، حضرت نے ہاتھ کھینچ لیا، حضرت نے فرمایا پہلے توبہ کرو، تو میں سلامی لوں گا، چنانچہ تمام لوگوں نے توبہ کی اور تجدید ایمان کیا، اس کے بعد حضرت نے مصافحہ ومعانقہ فرمایا۔

مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے کرامت آثار جملے:۔ محرم ۱۳۷۶ھ مطابق ستمبر ۱۹۵۶ء کا واقعہ ہے، دارالعلوم مظہر اسلام بریلی شریف میں مفتی صاحب کے قیام کے دوران اتر پردیش کے گورنر کے ایم منشی کے زیر اہتمام ریلیجس لیڈر (مذہبی رہنما) کے نام سے ایک کتاب چھپی، جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان پاک میں شدید توہین کی گئی تھی، اس کتاب کے منظر عام پر آتے ہی صوبہ کے مسلمانوں میں سخت غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی اور ہر طرف ہیجان پھیل گیا، حضرت مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے حکم پر حضرت مفتی صاحب نے اس کتاب کے خلاف بریلی شریف میں احتجاجی جلسے کیے، جس میں مسلمانوں کی دو اہم تجویزیں تھیں۔

(۱) اس رسوائے زمانہ کتاب ریلیجس لیڈر کو ضبط کیا جائے، اس کے ناشر کے ایم منشی کو فوراً اس کے عہدہ سے معزول کر دیا جائے اور اس کے مصنف اور ناشر کو قرار واقعی سزا دی جائے۔

(۲) مذہبی رہنماؤں کے قانون میں ترمیم کی جائے اور یہ قانون بنایا جائے کہ کسی بھی مذہبی رہنما کی توہین کی سزا پھانسی یا کم از کم حبس دوام ہو۔

حکومت کو یہ وارننگ دے دی گئی کہ جب تک ہمارے یہ دونوں مطالبے پورے نہیں ہوں گے، ہمارا احتجاج جاری رہے گا اور ہم کسی پارٹی کو ووٹ نہیں دیں گے، الیکشن کا بائیکاٹ کریں گے، آخری جلسہ جمعہ کی شب میں کانکر ٹولہ شہر کہنہ بریلی میں ہوا، جس میں ایک اندازے کے مطابق پچاس ہزار افراد شریک تھے، دوسرے دن جمعہ تھا، صوبہ کے تمام مسلمانوں کی قرارداد کے مطابق طے تھا کہ پورے صوبے کے مسلمان اپنی دکان بند رکھیں، اپنے مکان پر سیاہ جھنڈے لگائیں، اپنے سینوں پر بطور احتجاج بلے لگائیں،

لیکن کوئی جلوس ہر گز نہ نکالیں، سب لوگ اپنے اپنے شہر کی جامع مسجد میں نماز جمعہ ادا کریں اور دعا خوانی میں شریک ہوں۔

حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، جب ساڑھے بارہ بجے جامع مسجد بریلی پہنچا تو مسجد مسلمانوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی، گلی اور سڑک تک ہجوم تھا، مجھے دیکھتے ہی جوش وخروش کے ساتھ مجمع نے نعرہ لگانا شروع کیا، بڑی مشکل سے یہ مجمع قابو میں آیا، نماز کے بعد تقریر شروع ہوئی، دوران تقریر اطلاع ملی کہ جامع مسجد کے شمالی جانب گلی میں غیر مسلم جمع ہیں اور حملہ کی تیاری کررہے ہیں، وہاں پر موجود علمائے کرام نے شمالی گیٹ کے باہر کھڑے ہوئے مسلمانوں کو سمجھا کر کسی طرح اندر کیا اور پھر مسجد کا گیٹ بند کردیا اور اعلان کیا گیا کہ باہر کی فضا کشیدہ ہے، اس لیے آپ سب لوگ مسجد کے اندر رہیں اور کوئی دوسرا اعلان ہونے کے بعد ہی باہر نکلیں، ۴ر بجے شام تک یہی حالت رہی، اس کے بعد اعلان ہوا کہ مسلمان مسجد کے جنوبی گیٹ سے باہر نکلیں اور فلاں راستہ سے اپنے اپنے گھر واپس چلے جائیں، ۵ر بجے شام کو یہ اطلاع ملی کہ کتب خانہ کے علاقہ میں ہنگامہ شروع ہو چکا ہے، مسلمانوں کی دکانوں کو لوٹا جارہا ہے اور واپس آنے والے مسلمانوں کو جگہ جگہ مارا پیٹا جارہا ہے، کلکٹر صاحب نے فساد کا بہانہ بنا کر دفعہ ۱۴۴ نافذ کردیا، شاتم رسول کے خلاف ہم نے اٹھارہ دن تک احتجاج کیا، نقض امن کے خطرہ کو مدنظر رکھتے ہوئے، ہماری گرفتاری کا وارنٹ جاری کیا گیا، لیکن جب کلکٹر سے خفیہ انسپکٹر نے کہا، یہ لوگ بڑے مولانا کے مدرسہ کے ماسٹر ہیں اگر ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑی ڈالی گئی تو بریلی کی زمین خون سے رنگین ہوجائے گی، مدراسی کلکٹر نے فوراً وارنٹ کینسل کیا اور ہم پر مقدمہ چلانے کا آرڈر کیا، مقدمہ کی سماعت کے دوران بعض تجربہ کار لوگ بار بار یہ تاکید کرتے رہے کہ مقدمہ سنگین نوعیت رکھتا ہے، قاعدے سے پیروی ہونی چاہیے، ورنہ سزا یقینی ہے، تاریخیں پڑتی رہیں، پیشی ہوتی رہی، دوران مقدمہ حضور مفتی اعظم ہند نے ایک مرتبہ فرمایا ”مولانا مجیب الاسلام! میں نے سنا ہے کہ آپ مقدمہ سے خائف وہراساں ہیں“ میں نے عرض کیا،

بالکل نہیں، حضرت نے فرمایا ''اگر آپ جیل جائیں گے تو مصطفیٰ رضا کا قدم آگے آگے ہوگا'' میں نے عرض کیا، حضور جب تو ہم یقیناً بری ہو جائیں گے۔

جس ڈپٹی کے پاس مقدمہ زیر سماعت تھا، میں نے ان سے کہا، آپ نے اسی قسم کے ایک مقدمہ کا پہلے بھی فیصلہ کیا ہے، ڈپٹی نے کہا، چونکہ آپ کو میرے بارے میں بدگمانی ہوگئی ہے، اس لیے میں فیصلہ نہیں کروں گا، مقدمہ کلکٹر کے پاس بھیج دیا، جب کلکٹر کے یہاں پیشی ہوئی، تو ہمارے وکیل انیس الدین حیدر صاحب نے بحث کے دوران کہا، کہ یہ مقدمہ چلنا نہیں چاہیے، کیونکہ اس کے متعلق پولیس کی کوئی ایف، آئی، آر درج نہیں جو مقدمہ کی بنیاد قرار دی جائے، کلکٹر نے حقیقت حال معلوم کیا اور مقدمہ خارج کر دیا، ہم سب لوگ باعزت بری ہو گئے۔

یہ سب اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کا روحانی فیضان تھا، اس پورے احتجاج میں حضرت شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی اور حضرت علامہ مولانا ثناء اللہ صاحب امجدی اعظمی علیہما الرحمہ بھی شریک تھے۔

محدث اعظم پاکستان حضرت علامہ سردار احمد علیہ الرحمہ

بریلی شریف دار العلوم مظہر اسلام میں محدث اعظم پاکستان حضرت علامہ سردار احمد صاحب سے ترمذی شریف اور ابن ماجہ شریف کا مکمل درس لیا، ایک مرتبہ کا واقعہ ہے، کئی روز کے پروگرام کے بعد حضرت درس گاہ میں تشریف لائے، ہم لوگوں نے عرض کی، حضور سفر کی تکان کی وجہ سے تھوڑا آرام فرمالیں، پھر درس ہوگا، فرمایا کتاب لاؤ، ترمذی شریف کا سبق شروع ہوا، دوران درس حدیث شریف کے ایک لفظ سے بظاہر علم غیب کی نفی ہو رہی تھی، میں نے حضرت کی خدمت میں سوال کیا، حضرت نے جواب عنایت فرمایا، پھر دوسرا سوال کیا، حضرت نے جواب عنایت فرمایا، تیسری بار جب سوال کیا، تو جلال میں آگئے اور فرمایا'' خبیث مجھ سے مناظرہ کرتا ہے'' یہ سنتے ہی میری آنکھیں آب دیدہ ہو گئیں، فوراً میں نے

ترمذی شریف کو سینہ سے لگایا اور مسجد چلا آیا، میں چارپائی پر پاؤں لٹکائے ہوئے، اس تصور سے رو رہا تھا کہ آج پہلی بار میری ذات سے میرے مشفق استاذ کو تکلیف پہنچی کہ اچانک میرے کانوں میں آواز آئی ''مولوی مجیب! نگاہ اٹھائی تو سامنے حضرت موجود تھے، فوراً سراپا مؤدب ہو کر کھڑا ہو گیا اور دست بوسی کی، حضرت نے فرمایا کہ ''تم مجھے معاف کر دو'' یہ سنتے ہی میرے منہ سے چیخ نکل آئی، کہ حضور گستاخی میں نے کی ہے، آپ مجھے معاف فرمائیں، فرمایا کہ ''نہیں پہلے تم اپنی زبان سے یہ کہو کہ میں نے معاف کیا'' حضرت نے اتنا اصرار فرمایا کہ مجبور ہو کر میں نے وہ جملہ ادا کیا، پھر حضرت اپنے ساتھ لے کر مدرسہ تشریف لائے، برف منگائی اور شکر گھول کر ٹھنڈا مشروب پلایا، پھر فرمایا ''اب دماغ ٹھنڈا ہوا'' میں نے ایسے مشفق و کریم اساتذہ پائے ہیں کہ جن کی مثال مشکل ہے۔

حضرت نے بریلی شریف میں مولوی منظور نعمانی سے کامیاب مناظرہ فرمایا، جب مناظرہ گاہ سے حضرت واپس تشریف لائے تو حجۃ الاسلام حضرت علامہ حامد رضا خان علیہ الرحمہ نے حضرت محدث سردار احمد صاحب سے معانقہ کرتے ہوئے برجستہ فرمایا قَدْ نُدَّ مَنْظُوْر (بھگایا گیا منظور) جب غور کیا گیا تو اس سے مناظرہ کا مادۂ تاریخ نکلا۔

بریلی شریف میں قیام کے دوران عنایت اللہ مشرقی کے ہم عقیدہ لوگوں نے حضرت کو قتل کی دھمکی دی تو ہم لوگوں نے ایک ہینڈ بل چھپوا کر تقسیم کرایا، جس میں جلی حروف سے یہ لکھا گیا کہ ''جس نے یہ ناپاک جسارت کی وہ آج ہی اپنی زندگی سے مایوس ہو جائے'' اس پمفلیٹ کا ایسا اثر ہوا کہ نہ صرف عنایت اللہ مشرقی بلکہ اس کے تمام ہم عقیدہ اس سے باز رہے، اور دھیرے دھیرے عنایت اللہ مشرقی کا ابھرتا ہوا فتنہ نیست و نابود ہو گیا۔ فللّٰہ الحمد

مناظرۂ کاٹھیاواڑ گجرات:۔ ربیع النور ۱۳۶۲ھ میں احمد آباد کاٹھیاواڑ گجرات میں حضور سیدنا مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کو چیلنج مناظرہ دیا گیا، حضور مفتی اعظم ہند نے اپنی جگہ محدث اعظم پاکستان کو گجرات احمد آباد بھیجا، مولوی سلطان حسن سنبھلی مدمقابل ہوا،

مسجد پتھر والی میں مناظرہ ہوا، علم غیب اور حفظ الایمان کی گستاخانہ عبارت موضوع مناظرہ تھی، مولوی سلطان حسن نے حفظ الایمان کی تاویل میں شرح مواقف کی عبارت پیش کی، حضرت مفسر اعظم جیلانی میاں قدس سرہ فرماتے تھے کہ محدث اعظم نے فرمایا، عبارت پڑھو، سلطان حسن نے کہا، کتاب موجود ہے، آپ خود پڑھ لیں، محدث اعظم نے فرمایا، تم اپنے دعویٰ پر بطور دلیل پیش کر رہے ہو، تو خود پڑھو۔

محدث اعظم سمجھ گئے، عبارت پڑھنے میں کچا ہے، حضرت علامہ مفتی شریف الحق امجدی کا بیان ہے کہ سلطان حسن نے بخاری شریف کے حوالہ سے ایک بناوٹی حدیث پڑھ دی کہ بخاری شریف میں یوں ہے، اس کو کیا معلوم تھا کہ بخاری شریف کا حافظ اس کے سامنے ہے، حضرت محدث اعظم پاکستان نے فرمایا، بخاری شریف لاؤ اور یہ حدیث دکھاؤ، نہ دکھا سکا، شرم ناک ذلت آمیز شکست فاش سے دوچار ہوا، حضور محدث اعظم پاکستان نے مَنْ كَذِبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّءْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ کی روشنی میں اس کے دجل وفریب کا پردہ چاک کیا، جھوٹ آشکارا ہوا، دیوبندیت پورے شہر میں ملامت کا نشان اور ایک گالی بن گئی، مولوی سلطان حسن سنبھلی نے مناظرہ سے قبل پولیس تھانہ میں درخواست دے کر رپورٹ درج کروائی تھی کہ مولوی سردار احمد بریلوی فساد کرانے کے لیے آیا ہوا ہے، اس کو شہر بدر کیا جائے، کسی شخص نے جلسۂ عام میں جب محدث اعظم پاکستان پرجوش تقریر فرما رہے تھے، پرچہ دیا کہ سلطان حسن سنبھلی نے آپ کے خلاف تھانہ میں رپورٹ درج کرائی ہے کہ سردار احمد بریلوی کو شہر بدر کیا جائے، محدث اعظم نے وہ پرچہ مجمع عام میں سنایا کہ سلطان حسن دیوبندی نے ہمارے خلاف پولیس تھانہ میں رپورٹ درج کرائی کہ سردار احمد کو شہر بدر کیا جائے، یہ شہر میں فساد کرانا چاہتا ہے، حضرت نے فرمایا ہم مولوی سلطان حسن دیوبندی کے خلاف حضرت مخدوم شاہ عالم گجراتی سہروردی اور حضور پرنور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سرکار میں رپورٹ درج کراتے ہیں، آپ لوگ کل اسی وقت اس کا نتیجہ اور انجام دیکھ لیں گے، راتوں رات

سلطان حسن نہ جانے کس مصیبت وعذاب میں مبتلا ہوا، راتوں رات احمد آباد گجرات سے بھاگ گیا، دوسرے روز پھر رات کو محدث اعظم نے جلسہ عام میں خطاب فرمایا اور لوگوں کی توجہ اس طرف مبذول کرائی کہ اے لوگو! دیکھو سلطان حسن دیوبندی نے ہمارے خلاف تھانہ میں رپورٹ درج کرائی تھی کہ سردار احمد بریلوی کو شہر بدر کیا جائے، اور ہم نے سلطان حسن دیوبندی کے خلاف سرکار سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ اور حضرت شاہ عالم بابا قدس سرہ کی سرکاروں میں رپورٹ درج کرائی تھی، نتیجہ آپ کے سامنے ہے، یہ فقیر بفضلہٖ تعالیٰ آپ کے سامنے کھڑا تقریر کررہا ہے اور سلطان حسن راتوں رات شہر بدر کردیا گیا، دیکھ لو تھانہ والوں کی طاقت زیادہ ہے یا اللہ والوں کی، نبیرۂ اعلیٰ حضرت مفسر اعظم جیلانی میاں قدس سرہ فرماتے تھے کہ گجرات احمد آباد میں ایک ماہ تک جشن فتح کے جلسے ہوتے رہے اور واپسی پر پوری ٹرین انجن سے لے کر گارڈ کے ڈبہ تک پھولوں کے ہاروں سے لدی ہوئی تھی۔ (ماخوذ از ماہنامہ اشرفیہ، مارچ ۱۹۹۸ء)

محدث جلیل حضرت علامہ سید محمد خلیل کاظمی علیہ الرحمہ

استاذ الاساتذہ محدث جلیل علامہ سید محمد خلیل صاحب کاظمی علیہ الرحمہ کے علم و فضل، اخلاص وتقویٰ، قناعت وسادگی سے میں بہت زیادہ متاثر رہا، حضرت سے میں نے کافیہ کا درس لیا، حضرت کے تبحر علمی کا کیا کہنا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پوری صحاح ستہ آپ کے سینے میں محفوظ ہے، حضرت مفتی اعظم ہند کو میں نے دیکھا کہ آپ کا احترام کرتے تھے، کسی میلاد شریف یا محفل پاک میں کوئی تقریر کے لیے دعوت دیتا تو فرماتے ''کتنی دیر تقریر کراؤ گے'' تو داعی جواب دیتا ایک گھنٹہ، فرماتے ''کسی اور کو بلا لو''۔

بار ہا مجھے حضرت کی تقریر پر تنویر سننے کا شرف حاصل ہوا، حضرت تین تین گھنٹہ خطاب فرماتے، تقریر کی ابتدا میں سامعین متوجہ نہ ہوتے تھے، مگر تمہید کے بعد جب علمی جاہ وجلال کے ساتھ آیات کریمہ واحادیث طیبہ کی تفسیر وتشریح فرماتے اور علمی نکات

بیان فرماتے تو پورا مجمع ہمہ تن گوش ہوکر حضرت کی تقریر سے محظوظ ہوتا، تقریر ایسی ہوتی تھی کہ حضرت خود بھی روتے تھے اور مجمع بھی رو پڑتا تھا، دوران تقریر حضرت اپنے ہی کہے ہوئے اشعار پڑھتے تھے، مدرسہ حنفیہ امروہہ میں جب میں حضرت کی کفش برداری میں تھا تو میں نے کئی مرتبہ اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ بدمذہبوں کے مدرسہ (پنواڑی) کے مدرسین درسی کتابیں لے کر حاضر ہوتے اور حضرت ان کے اشکال دور فرماتے۔

رئیس الاذکیا حضرت علامہ غلام یزدانی علیہ الرحمہ م ۱۹۵۴ء

حضرت علامہ غلام یزدانی علیہ الرحمہ ایک مقتدر صاحب علم و فضل، نہایت ذہین و فطین اور بارعب عالم دین تھے، دقیق مسائل پر حضرت کی گہری نظر تھی، سرکار مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ آپ کا بہت ہی لحاظ فرماتے تھے اور آپ کے علم و فضل کے معترف تھے، بریلی شریف میں جب آپ کا انتقال ہوا، حضرت مفتی اعظم ہند کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور اس وقت جو بھی کلمات آپ نے ارشاد فرمائے گلوگیر انداز میں ارشاد فرمائے، تدفین کے بعد کافی دیر تک حضرت رئیس الاذکیا کے علم و فضل، تقویٰ و طہارت اور ذہانت و فطانت کا ذکر کرتے رہے، ایک مرتبہ مسجد بی بی جی کے سکریٹری نے تعلیمی امور کے متعلق حضرت رئیس الاذکیا سے تحریری رپورٹ مانگی، آپ نے اتنی جامع رپورٹ تحریر فرمائی کہ سکریٹری صاحب! آپ کی تدریس کے ساتھ آپ کی تحریر و تنظیم کے بھی قائل ہوگئے اور انھوں نے اعتراف کیا کہ تعلیمی امور کے متعلق ایسی جامع رپورٹ کوئی بڑا سے بڑا پروفیسر بھی نہیں پیش کرسکتا۔

آزادی کے بعد گھوسی میں اعظم گڈھ سے کچھ مسلم لیگی آئے، انھوں نے شرعی مسئلہ پوچھنے کے لیے حضرت کو بلایا، حضرت نے فرمایا، شرعی مسئلہ پوچھنا ہو تو میرے پاس آؤ، ویسے مریض دیکھنے کے واسطے مسلم و غیر مسلم سب کے وہاں جاتا ہوں، پھر وہ مسلم لیگی حضرت کے پاس آئے اور گائے کے ذبیحہ سے متعلق مسئلہ پوچھا کہ اب حکومت بدل گئی، لہٰذا مسلمانوں کے لیے گائے کا ذبیحہ بند ہونا چاہیے، حضرت رئیس الاذکیا نے

فرمایا، کہ جب تک بندش کے لیے حکومت کا قانون جاری نہیں ہوگا، اس وقت تک بند کرنا ناجائز ہے، یہ سننا تھا کہ مسلم لیگی اٹھ کر چلے گئے۔

حضرت علامہ حشمت علی خان علیہ الرحمہ م ۱۹۶۰ء

حضرت ایسے جید عالم دین اور امام المناظرین تھے، جس کی مثال ملنا مشکل ہے، حضرت اس قدر منکسر المزاج، متواضع اور خاکسار تھے، کہ جب بھی میں دست بوسی کا ارادہ کرتا، حضرت اس سے پہلے ہی میرا ہاتھ چوم لیا کرتے، آپ ایسے اسپیکر تھے اگر چاہتے تو لاکھوں روپیے بینک بیلینس ہوتا، مگر وصال کے وقت ایک سو پچاس روپیے کے قرض دار تھے، اللہ اللہ ایسے سادہ مزاج عالم دین تھے، ادری آتے تو ننگی چارپائی پر بیٹھ جاتے، اور آرام فرماتے، کسی کا انتظار نہ کرتے کہ پلنگ پر بستر لگایا جائے، کھانے کا وقت ہوتا تو فرماتے جو کھانا حاضر ہو لاؤ، تکلف کی کوئی ضرورت نہیں، بس اس کا خیال رہے کہ سنی کے گھر سے کھانا لانا۔

حج وزیارت کے دوران مکہ مکرمہ میں نجدیوں کے قاضی سے کسی مضمون پر مناظرہ ہوا، اور جب وہ عاجز آگیا تو اس نے مدینہ منورہ یہ کہہ کر بھیجا هٰذَا بَلَاءٌ سَلَّطَ اللّٰهُ عَلَيْنَا، مدینہ منورہ میں آپ کو کئی مہینے رہنے کی سعادت حاصل ہوئی، حضرت شیر بیشہ اہل سنت فرماتے کہ قانوناً آٹھ دن مدینہ منورہ میں رہنے کا حکم ہے، مگر مجھے مہینوں رہنے کی سعادت حاصل ہوئی۔

حضرت مولانا سید وقار احمد صاحب مکن پوری

آپ حضرت قطب المدار بدیع الدین رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ عالیہ مداریہ کے سجادہ نشیں ہیں، تبحر عالم، متدین، پابند شرع پیر اور صحیح العقیدہ سنی ہیں، اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے مداح اور ان کی دینی وعلمی خدمات کے معترف ہیں، بھدوہی اور اس کے

اطراف میں آپ کے بکثرت مریدین جو سب کے سب خوش عقیدہ سنی مسلمان ہیں، آپ کے ارشاد و تبلیغ سے بہت سے وہابی اپنی بدعقیدگی سے تائب ہو کر مذہب اہل سنت و جماعت میں داخل ہوئے اور آپ کے ہاتھوں پر بیعت کی، آپ کا بیان ہے کہ ایک بار میں امام اہل سنت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے روضہ پر حاضر ہوا، فاتحہ خوانی کے بعد پھوٹ پھوٹ کر رو دیا اور عرضی پیش کی کہ حضور میں آپ کی زیارت کرنا چاہتا ہوں، انھوں نے بقسم فرمایا کہ اعلیٰ حضرت قبر سے باہر تشریف لائے اور معانقہ سے سرفراز فرمایا۔

شیخ العلما حضرت علامہ غلام جیلانی علیہ الرحمہ م ۱۹۹۷ء

وہ ایک کامیاب ادیب اور ایک بہترین مدرس تھے، مدرسہ حنفیہ امروہہ میں ان سے میں نے تعلیم حاصل کی، کچھ دنوں کے بعد جب وہ بریلی شریف آئے اور تصوف کا مطالعہ شروع کیا تو ان کا مذہب عشق جنون کی حد تک پہنچ گیا اور دیوان حافظ پر وہ ایسے شیدا ہوئے کہ ہر وقت بغل میں لیے رہتے، سرکار مفتی اعظم ہند نے فرمایا کہ آپ کیا لیے پھرتے ہیں؟ پھر وہاں سے دار العلوم فیض الرسول براؤں شریف چلے گئے۔

حق گوئی و بے باکی شیوہ ہے مسلماں کا

ایک مرد مومن جب خدائے وحدہٗ لاشریک کی وحدانیت، حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت، عقیدۂ آخرت پر پورے اذعان و یقین کے ساتھ ایمان لاتا ہے، رب کائنات کی عبادت وطاعت میں زندگی کے لیل و نہار گزارتا ہے اور اس کا قلب و ذہن دنیاوی آلائشوں سے صاف وشفاف ہوجاتا ہے تو وہ صرف اور صرف اپنے معبود حقیقی سے ڈرتا ہے، دنیاوی حادثات اور دشمنوں کی عداوتیں اسے ہراساں نہیں کرتیں، بلکہ اسے راہ حق میں جان شیریں کے جانے کا بھی اندیشہ نہیں ہوتا، وہ ایمان و یقین کی ایسی غیر متزلزل چٹان بن جاتا ہے جسے بڑے سے بڑے طوفان حوادث بھی جنبش نہیں دے سکتے اور وہ ہر لمحہ باطل

کی یلغار سے نبرد آزما ہونے کے لیے تیار رہتا ہے، اس کے فولادی عزائم کے سامنے دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت سدراہ نہیں بن سکتی، وہ اپنی دُھن کا پکا ہوتا ہے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سخت سے سخت نامساعد حالات میں بھی پوری قوت وجسارت کے ساتھ ادا کرتا ہے، اس راہ میں دنیا کی کوئی طاقت اسے مرعوب اور اس فریضے کی ادائیگی سے باز نہیں رکھ سکتی، یہ مرد مجاہد مصلحت اور موقع شناسی سے کام نہیں لیتا، جو بات دین وشریعت کے خلاف ہوتی ہے اس کی برملا گرفت کرتا ہے اور جو صراط مستقیم سے ہٹ جاتا ہے، اسے سیدھی راہ پر لانے کی کوشش کرتا ہے، حق کہنے، باطل سے روکنے، معروف کا حکم دینے اور منکرات سے باز رکھنے میں اسے ذرا بھی تامل نہیں ہوتا، بے باکی وجسارت کا فولادی پیکر بن کر ہر وقت اور ہر جگہ اپنا فرض منصبی قوت واستقلال کے ساتھ ادا کرتا ہے، ایسے ہی پاک طینت، بلند کردار، مردان حق کے بارے میں ڈاکٹر سر محمد اقبال نے کہا ؎

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

حضرت مفتی صاحب قبلہ ایسے ہی ستودہ صفات بندگان حق پرست مومن سے تھے جو اپنی زندگی روش سنت پر گامزن ہو کر بسر کر رہے تھے، لوگوں کے اعتقاد واعمال کی اصلاح ہو یا شریعت کی متابعت ہر محاذ پر پوری جرأت مندی کے ساتھ حق بولتے، حق پر عمل کرتے، حق کا حکم دیتے اور لوگوں کو انحراف حق سے باز رکھنے کی کوشش کرتے، اس سلسلے میں ملامت کرنے والوں کی ملامت، دشمنوں کی دھمکی، اپنوں اور بے گانوں کی ناراضگی کی مطلق پرواہ نہ کرتے، ذیل میں ان کی زندگی کے ایسے ہی چند سبق آموز حوصلہ افزا واقعات پیش کیے جاتے ہیں۔

نکاح خوانی سے انکار:۔ سلیم پور میں قیام کے دوران کوپا گنج سے ایک بارات گئی لڑکی والے اور گاؤں والے نکاح خوانی کے لیے حضرت کے پاس آئے، آپ نکاح کا رجسٹر لے کر نکاح پڑھانے پہنچے، معلوم ہوا کہ بارات کوپا گنج سے آئی ہے تو آپ نے

برجستہ فرمایا کہ میں نکاح ہرگز نہیں پڑھاؤں گا، اس لیے کہ میری دانست میں قصبہ کو پاگنج کے اندر خوش عقیدہ مسلمان نہیں ہیں، یہ دولہا اور باراتی دیوبندی ہیں آپ پر کافی دباؤ ڈالا گیا، آپ نے فرمایا میں ہرگز نکاح نہیں پڑھا سکتا، چاہے پورا محلّہ ہی کیوں نہ میرا مخالف ہو جائے، پھر ایک بدعقیدہ بدیع الزماں نے نکاح پڑھایا۔

اصلاح:۔ افسوس آج کل کے دینی و مذہبی اجلاس میں کچھ ایسے خطبا و مقررین تقریر کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں، جنھیں دین کے ضروری مسائل سے واقفیت نہیں ہوتی، ہمیں یاد ہے کہ ہمارے اکابر مثلاً حضور سیدی مفتی اعظم ہند، حضور سیدی محدث اعظم پاکستان، حضور سیدی حافظ ملت علیہم الرحمہ ایسے لوگو کی تقریر پسند نہیں فرماتے تھے، انھیں بزرگوں کی تربیت میں حضرت مفتی صاحب قبلہ کو رب قدیر نے اس لائق بنایا کہ کسی اجلاس میں جب کسی نے خلاف شرع کوئی جملہ یا لفظ بیان کیا تو حضرت مفتی صاحب نے بلا خوف وخطر تنبیہ فرمائی، بکارو میں تقریر کے دوران ایک مشہور مقرر نے یہ جملہ استعمال کیا کہ ”اگر کوئی قرآن کو چیلنج کر سکتا ہے تو خدا چیلنج کر سکتا ہے“ آپ نے فوراً اسٹیج پر کھڑے ہو کر کہا کہ یہ کلمۂ کفر ہے، آپ توبہ کریں، مقرر نے اپنی شرمندگی مٹانے کے لیے فوراً تقریر ختم کر کے اپنی راہ لی، مگر افسوس کہ اللہ ورسول کا خوف رکھتے ہوئے توبہ کی انھیں توفیق نہ ہو سکی۔

بدمذہبوں سے انقطاع:۔ مفتی صاحب قبلہ کے حقیقی ماموں ڈپٹی محمد حسین بن مولوی یار محمد ساکن مداپور گھوسی نے مرزا غلام احمد قادیانی سے متاثر ہو کر اس کے عقیدہ کو اختیار کیا، ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ جب انھیں پاکستان میں مستقل قیام کا ارادہ ہوا تو ادری آپ کی والدہ ماجدہ سے ملاقات کے لیے آئے، باہر بیٹھک میں قیام کیا، آپ کے والد صاحب نے فرمایا کہ تمہارے ماموں آئے ہیں، مل لو، کہا اچھا، کچھ دیر بعد والد صاحب نے اصرار کے ساتھ کہا کہ جاؤ مل لو، حضرت بادل ناخواستہ بیٹھک میں گئے اور پوچھ بیٹھے ماموں! خیریت ہے؟ انھوں نے کہا تم نے سلام نہیں کیا، حضرت نے کہا کہ آپ مرزا غلام احمد قادیانی کو کیا سمجھتے ہیں؟ ان کا جواب تھا، میں انھیں نبی مسیح موعود سمجھتا ہوں، آپ نے برجستہ کہا، تو میں آپ کو

کافر سمجھتا ہوں، وہ غصہ میں لال پیلے ہوگئے اور دسیوں مہذب گالیاں دیں اور اپنی بہن سے ملے بغیر واپس ہوگئے، پھر پاکستان پہنچنے کے کچھ دنو بعد انھوں نے ایک خط آپ کے پاس لکھا، مولوی مجیب! تمہارا اور بہن کا کیا حال ہے؟ تم دونوں کی یاد مجھے بہت ستاتی ہے، آپ نے جواب میں لکھا کہ ”پہلے ہمارے اور آپ کے درمیان ایک خلیج تھی اب دو خلیج ہوگئی ہے مذہب اور وطن، اس لیے آئندہ قطعاً آپ کوئی خط نہ لکھیں“۔

احتیاط:۔ رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ نے ماہنامہ جام نور کے کسی شمارے میں دوران تحریر یہ جملہ قلم بند کر دیا کہ ”جب کافروں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ستایا تو اللہ پاک نے ارشاد فرمایا کہ اے محبوب! تم ناحق پریشان ہو“ آپ نے علامہ ارشد القادری صاحب کے پاس خط لکھا کہ اعتراض میرا مقصود نہیں بلکہ مجھے نبی کے لیے لفظ ”ناحق“ کے استعمال کی تشریح مطلوب ہے، علامہ نے جواب میں لکھا ”مجھے امید ہے کہ آئندہ بھی آپ اسی طرح میرے ذہن وقلم کو سنوارتے رہیں گے“۔

خرم علی کی توبہ اور اس کی نماز جنازہ:۔ خرم کارپیٹ کے مالک جناب خرم علی اور اس کے باپ نھوں خاں کے درمیان سخت اختلافات تھے، خرم علی پر وارنٹ تھا، اس لیے وہ باہر بھاگ گیا، واضح ہو کہ یہ دونوں باپ بیٹے بدمذہب تھے، خرم علی نے ایک بار صلوٰۃ و سلام سے متعلق نازیبا الفاظ بھی استعمال کے تھے، مگر جب وہ گرفتاری کے خوف سے باہر گیا اور اس کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی تو اس نے حضرت مفتی صاحب کے پاس فون کیا اور کہا، حضرت میں اس وقت بہت پریشان ہوں، میرے لیے دعا فرمائیں تاکہ وارنٹ کینسل ہو جائے، آپ نے کہا پہلے تم اپنی وہابیت سے توبہ کرو تو میں دعا کروں گا، خدا کے فضل وکرم سے ایک ہفتہ بعد گرفتاری کا وارنٹ منسوخ ہو گیا اور وہ بھدوہی آگیا، اس نے حضرت کو اپنے مکان پر بلایا، بڑے ادب واحترام سے پیش آیا، حضرت نے اس کو وہابیوں اور دیوبندیوں کے باطل اور گندے عقیدوں سے آگاہ کیا، اس نے صدق دل سے وہابیت سے توبہ کرلی اور روز بروز اس کی عقیدت آپ کے تئیں بڑھتی چلی گئی، یہاں

تک کہ جب لوگوں نے اس سے کہا کہ حضرت مولانا سید وقار احمد صاحب قبلہ صاحب سجادہ خانقاہ مداریہ مکن پور سے مرید ہو جاؤ تو اس نے برجستہ کہا کہ مفتی صاحب کے علاوہ کسی اور سے مرید نہیں ہو سکتا، وہ جب بھی حضرت کے پاس آتا دوائیں، پھل وغیرہ ضرور لاتا، مگر اس کے کاروباری حالات اس کے باپ کی وجہ سے خراب ہو گئے تھے، کچھ دنوں کے بعد دلی سے ایک شخص آیا اور اس نے اطلاع دی کہ اشوک نے مجھے بھیجا ہے، خرم علی نے کہا اندر بلاؤ، جوں ہی چیمبر میں پہنچا ریوالور نکالا اور خرم پر تابڑ توڑ گولیاں چلا دیں، خرم اسی وقت جاں بحق ہو گئے، ان کے باپ نھوں خاں نے حضرت کو مطلع کیا کہ بعد نماز عصر جنازہ ہوگی، حضرت جنازہ میں شرکت کے لیے جب وہاں پہنچے تو بھدوہی کے بہت سارے سرمایہ دار اور ہر مکتب فکر کے لوگ موجود تھے، صفیں مرتب ہو گئیں، اگلی صف میں نھوں خاں اور اس کے ہم نوا وہابی تھے، نماز پڑھانے کے لیے وہابی امام آگے بڑھ کر مصلے پر کھڑا ہو گیا، حضرت اس وقت صفیں چیرتے ہوئے اس کے پاس پہنچے اور وہابی امام کے آگے کھڑا ہو گئے، یہ دیکھ کر وہابی امام پیچھے ہٹ گیا، نھوں خاں اور دوسرے وہابیوں کو ہمت نہ ہو سکی کہ وہ حضرت سے تعرض کرتے، نصرت خداوندی تھی کہ حضرت نے بے خوف و خطر نماز جنازہ پڑھائی، اس پر بھدوہی کے سنیوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی، ایک سنی نے آپ سے پوچھا، حضرت آپ نے کیسے یہ ہمت کی؟ آپ نے جواب دیا، یہ جرأت ایمانی اور نصرت خداوندی تھی کہ میں کچھ سوچے سمجھے بغیر آگے بڑھا اور خدا کا فضل ہوا کہ صحیح العقیدہ خرم علی کی نماز جنازہ وہابی امام نہ پڑھا سکا۔

<u>وعظ و تقریر:۔</u> حضرت مفتی صاحب قبلہ نے کبھی خطابت کو پیشہ نہیں بنایا، مگر ایک مبلغ دین کی حیثیت سے جہاں بھی موقع ہوتا دین و شریعت کے مسائل و احکام اصلاح اعتقاد و اعمال اور ترغیب و ترہیب کے موضوعات پر وعظ و تقریر فرمایا کرتے، بیان اور اظہار مقصود میں سادگی ہوتی، موضوع سے متعلق قرآنی آیات اور احادیث نبویہ، اقوال سلف پیش فرماتے، اپنی پند و موعظت بھری تقریروں کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں۔

''میں حسب ضرورت محفل میلاد شریف اور قبل نماز جمعہ وعظ و نصیحت، تقریر و خطابت کرتا رہتا، بریلی شریف میں قیام کے دوران سرکار مفتی اعظم ہند کی موجودگی میں بیسوں تقریریں کی ہوں گی، تقریر و خطابت میں ہمیشہ میرا اصول رہا کہ عنوان کے مطابق آیات کریمہ، احادیث طیبہ اور اقوال ائمہ و مشائخ پیش کیے جائیں، لفاظی بیان و تقریر میں نہ میں نے کبھی کی اور نہ کبھی اس کو پسند کیا، اسلامی مذہبی اور دینی اجلاس کے اسٹیج کے لیے ہمیشہ میں علما و مشائخ کو ترجیح دیتا رہا، مجھے یہ کبھی گوارہ نہیں ہوا کہ کسی مذہبی اسٹیج پر کسی فاسق کو جگہ دی جائے''۔

حافظ عبداللہ ادروی کی توبہ:۔ حضرت مفتی صاحب قبلہ کے مواعظ بہت دلآویز اور پرتاثیر ہوتے، زبان سے نکلے ہوئے کلمات دل کی گہرائیوں میں اتر جاتے، سیکڑوں افراد نے اصلاح پائی اور اپنے عقائد و اعمال کو درست کیا، اس سلسلے میں قصبہ ادری کے حافظ عبداللہ اور ان کے پورے گھر کا وہابیت سے تائب ہو کر مسلک اہلسنت اختیار کرنا بہت مشہور ہے، خود مفتی صاحب قبلہ فرماتے ہیں۔

''ایک مرتبہ میں ادری کے محلّہ پھاٹک میں تقریر کر رہا تھا اور وہابیوں کے عقائد بیان کر رہا تھا، حاجی محمد سعید کے لڑکے حافظ عبداللہ کے دل میں اچانک وہابیت سے تنفر پیدا ہوا، اللہ تعالیٰ نے انھیں توبہ کی توفیق عطا فرمائی اور وہ صحیح العقیدہ سنی بن گئے، رمضان شریف کے بعد سنیوں کی عیدگاہ میں نماز عید الفطر پڑھنے گئے، ادری کے وہابی جل کر رہ گئے، میں عیدگاہ سے مدرسہ واپس آیا، حافظ عبداللہ بھی پیچھے پیچھے آئے اور مدرسہ میں مجھ سے مصافحہ کرنا چاہا، میں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں وہابی سے مصافحہ نہیں کرتا ہوں، انھوں نے کہا کہ میں صحیح العقیدہ سنی ہو گیا ہوں اور اعلیٰ حضرت کے فتویٰ کو میں صحیح سمجھتا ہوں، میں نے فوراً ان کو گلے لگا لیا اور دعائیں دیں۔

اس واقعہ کے بعد حافظ عبداللہ کے بچے جب مدرسہ ضیاء العلوم میں پڑھنے آتے تو وہابیوں کے بچے کنکریوں سے انھیں مارتے اور رات میں ان کے مکان کی باہری

چوکھٹ پر پاخانہ ڈال دیتے، حافظ عبداللہ کی بیوی ہفتوں صاف کرتی رہی۔

چنانچہ اسی درمیان سرکار مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ ادری تشریف لائے، حافظ عبداللہ صاحب مفتی اعظم ہند کی زیارت کرکے مچل گئے، مجھ سے کہا، کچھ دیر کے لیے سرکار میرے بیٹھک میں تشریف لے چلیں، میں نے ان کی مصیبت سرکار مفتی اعظم ہند سے بیان کی، حضرت تیار ہو گئے اور میں حضرت کو لے کر ان کے گھر گیا، بہت سے سنی بھی ساتھ ساتھ گئے، انتظام کافی اچھا تھا، حضرت نے صرف کیلا تناول فرمایا، کیوں کہ مٹھائیاں غیر مسلم کی دوکان کی بنی ہوئی تھیں، اس کے بعد دعا کے لیے ہاتھ اٹھایا، میرا اندازہ ہے کہ پندرہ منٹ تک دعا کرتے رہے، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ وہابیوں کے سارے مظالم کا انسداد ہو گیا، آج بھی حافظ عبداللہ صاحب کی ساری اولاد سنی ہے"۔

وصال

حضرت مفتی مجیب الاسلام نسیم اعظمی علیہ الرحمہ نے تحصیل علم کے بعد اپنی زندگی کے بیش قیمت ۶۶؍سال اشاعت علم، تبلیغ دین، اسلام وسنیت کی ترویج کے لیے صرف کیے، اتنی طویل مدت تک انھوں نے اولوالعزمی اور جواں مردی کے ساتھ ایک بالغ نظر متبحر عالم دین اور کامیاب مصلح ومبلغ کی حیثیت سے فرائض منصبی ادا کیے، دین کی راہ میں پیش آنے والی رکاوٹوں اور دشواریوں سے کبھی بد دل نہ ہوئے، نامساعد حالات، مخالفتوں کی یلغار میں بھی ماتھے پر ناگواری کی شکن تک نہ آنے دی ؎

چلا جاتا ہوں ہنستا کھیلتا موج حوادث سے
اگر آسانیاں ہوں زندگی دشوار ہو جائے

دین کا یہ حوصلہ مند سپاہی کسی محاذ پر تھکا اور نہ درماندہ ہو کر بیٹھا، سعی مسلسل اور جہد پیہم کا پیکر بن کر ایک آئیڈیل زندگی بسر کی، زندگی کے آخری برسوں میں مرض ضیق النفس میں مبتلا ہوئے، ساتھ ہی پیرانہ سالی اعضاو جوارح میں اضمحلال پیدا کرنے لگی،

تاہم وہ اپنے مضبوط قوت ارادی کی بدولت تدریسی مشاغل اور دوسری دینی ذمہ داریاں کما حقہ پوری کرتے رہے، تقریباً ایک سال قبل جب بیماری کا دباؤ شدید ہوگیا، کمزوری و ناتوانی حد سے بڑھ گئی اور فرائض منصبی ادا کرنے کی قوت باقی نہ رہی تو دارالعلوم شمسیہ تیغیہ بھدوہی سے مستعفی ہوکر گھر آگئے، علاج جاری رہا، مگر مرض میں افاقہ نہ ہوا، چلنے پھرنے میں بھی دقت محسوس ہونے لگی، پھر بھی اپنی ضروریات کسی کی مدد کے بغیر پوری کرلیتے اور پابندی کے ساتھ نماز پنجگانہ ادا فرماتے، نقاہت کے باوجود روزے رکھتے اور گھر ہی پر نماز تراویح پڑھتے۔

۱۸؍ذی قعدہ ۱۴۳۰ھ مطابق ۷؍نومبر ۲۰۰۹ء بروز شنبہ پریشانی بڑھی تو موٹر سائیکل پر بیٹھ کر اپنے معالج کے پاس مئو گئے، ڈاکٹر نے نبض دیکھی، حالات پوچھے، دوا لکھی اور آپ کے صاحبزادے سے فرمایا حضرت مولانا کو کسی گاڑی سے ادری لے جاؤ، گھر آئے، دوائیں استعمال کیں، خیال تھا کہ دو چار خوراک میں افاقہ ہوجائے گا، مگر مرض شدت اختیار کرتا چلا گیا، رات میں ڈاکٹر سے رابطہ قائم کیا گیا، اس نے کوئی دوا تجویز کی جسے کھلایا گیا تو ذرا سکون محسوس ہوا، ایک بجے شب کے بعد نیند آگئی اور گھر کے بیشتر افراد وہاں سے ہٹ گئے، پونے دو بجے نبض پر ہاتھ رکھی گئی تو معلوم ہوا کہ روح قفس عنصری سے پرواز کرچکی ہے، **انا للہ و انا الیہ راجعون۔**

پاک ذات، پاک صفات، پاک دل، پیکر علم و تقویٰ ۱۹؍ذی قعدہ ۱۴۳۰ھ مطابق ۸؍نومبر ۲۰۰۹ء تقریباً دو بجے شب سب کو روتا بلکتا چھوڑ کر آغوش رحمت الٰہی میں جا پہنچا، بروز یک شنبہ بعد نماز عصر ہزاروں سوگواروں نے حضرت مولانا نصیر الدین مصباحی مدظلہ العالی استاذ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور کی اقتدا میں نماز جنازہ ادا کی اور اس آفتاب علم و حکمت کو بھیگی پلکوں کے سائے آغوش لحد کے حوالے کیا ۔

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گل کی نگہبانی کرے

حضرت مفتی صاحب کی باعظمت علمی شخصیت اور آپ کے دینی و علمی کارناموں کی یاد ہمیشہ باقی رہے گی، مگر افسوس صد افسوس کہ ہم نے زندگی میں آپ کی قدر نہ جانی اور اس قدآور علمی، دینی شخصیت کا شایان شان اعتراف نہ کیا ؎

تو نظیری ز فلک آمدہ بودی چو مسیح
باز پس رفتی و کس قدر تو نہ شناخت دریغ

ازدواج و اولاد:۔ حضرت مفتی صاحب قبلہ علیہ الرحمہ کا عقد نکاح ۵؍ شوال المکرم ۱۳۵۹ھ مطابق ۶؍ نومبر ۱۹۴۰ء بروز چہار شنبہ جناب محمد سعید بن یار محمد مرحوم ساکن ادری کی دختر نیک اختر محترمہ عجیب النساء سے ہوا، نکاح حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے پڑھایا، جن کے بطن سے ایک بیٹی اور سات بیٹے تولد ہوئے، بحمدہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب کے پسماندگان میں اہلیہ محترمہ اور مندرجہ ذیل اولاد موجود ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی عمروں میں برکتیں عطا فرمائے، آمین بجاہ سید المرسلین۔

(۱) سیف الاسلام (۲) ثریا بیگم (۳) صدر الاسلام (۴) بدر الاسلام (۵) مولوی شمس الاسلام (۶) حافظ ناصر الاسلام (۷) مولوی ماہر الاسلام (۸) نشاط الاسلام۔

اخلاق و کردار

حضرت مولانا مفتی مجیب الاسلام صاحب مدظلہ العالی متبحر عالم دین، بلند کردار انسان پابند شریعت مرد مومن، بے باک و جری، داعی حق و مبلغ دین تھے، ان کی سیرت و شخصیت علم و عمل کے تمام گوشوں کا احاطہ کرنا اس ناچیز کے لیے از بس دشوار ہے، حضرت مفتی صاحب قبلہ ابتدا ہی سے صوم و صلوٰۃ اور عبادت و ریاضت کے عادی تھے، ذکر و اذکار اور درود شریف کا ورد محبوب مشغلہ تھا، سرور کائنات فخر موجودات حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی عقیدت و محبت خون بن کر ان کے رگ و ریشے میں گردش کرتی تھی، ان کے سینے میں عشق محمدی کا چراغ روشن تھا، جس کی تابانیوں سے پورا وجود اور زندگی کے لمحات منور تھے، یہی

عشق وارادت آپ کے بلند کردار کا سرچشمہ ہے، ذات رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کبھی نشانہ بنانے کی کوشش کی گئی تو اس کے رد عمل میں ایک غیور عاشق رسول کی حیثیت سے آپ نے زبان وقلم سے جدوجہد فرمائی اور جسم جاں کی پرواہ کیے بغیر مصروف عمل ہوگئے، بریلی کے قیام کے دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت پر مشتمل کتاب کے خلاف آپ نے سخت احتجاج کیا اور قید وبند کی صعوبتوں سے بھی خائف وہراساں نہیں ہوئے، ہر قدم سنت کے مطابق اٹھتا اور ہر عمل اسوۂ حسنہ کی اتباع کا مظہر ہوتا، شان رسالت میں گستاخی کرنے والوں اور ان کے متبعین سے سخت نفور تھے، ایسے لوگوں سے خواہ ان کے رشتہ دار اور قرابت دار ہی کیوں نہ ہوں، ملنے جلنے سے سخت احتراز فرماتے تھے، اور اپنے متعلقین ومتوسلین نیز عوام الناس کو بدمذہبوں کے ساتھ تعلقات اور مراسم قائم کرنے سے باز رکھتے تھے۔

حضرت مفتی صاحب قبلہ بے حد خوددار اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں دلیر واقع ہوئے تھے، حق گوئی اور بے باکی آپ کا شیوۂ حیات تھا، اس سلسلے میں وہ کسی سے بھی مرعوب اور خائف نہیں ہوتے تھے، کسی کی ملامت اور سب وشتم کی بھی انھیں پرواہ نہیں ہوتی تھی، دین پر استقامت اور عوام الناس کو اصلاح کے راستے میں ہر تکلیف اور ہر مشقت برداشت کرنے کے لیے ہمیشہ تیار رہے اور پورے اخلاص کے ساتھ منصبی فرائض انجام دیتے رہے۔

محنت و جفاکشی کا ملکہ قدرت نے وافر مقدار میں ودیعت فرمایا تھا، چنانچہ ہر کام اپنے ہاتھ سے کرنے کے عادی تھے، جب تک جسم میں توانائی باقی تھی، شہر، قصبہ اور گاؤں کے اندر لمبی لمبی مسافتیں پا پیادہ ہی طے کرتے، تانگے، رکشے یا کسی سواری کا استعمال ہرگز نہ کرتے، ہاں دور جانا ہوتا تو ریل گاڑی، بس یا دوسری سواریوں پر سوار ہوتے، میں نے اپنی آنکھوں سے بارہا وزنی بیگ ہاتھ میں لٹکائے ہوئے ادری سے اسٹیشن یا اسٹیشن سے ادری آتے جاتے دیکھا اور بارہا ادری سے سائیکل چلا کر مئو جاتے ہوئے دیکھا۔

مفتی صاحب سعی مسلسل اور جہد پیہم کا پیکر تھے، میں نے ادری کے دوران قیام

دیکھا کہ وہ کسی وقت بھی بے کار نہیں بیٹھتے تھے اور نہ فضول تفریح میں وقت گزارتے، وہ ہمیشہ فجر سے بہت پہلے بیدار ہو جاتے اور کارخانے میں کام کرنے لگتے، فجر کا وقت آتا، نماز فجر کے بعد کچھ دیر اوراد وظائف اور تلاوت قرآن حکیم کرتے، پھر کارخانے میں بیٹھ جاتے اور مدرسہ جانے سے پندرہ منٹ قبل ناشتہ کرتے، مدرسہ جا کر طلبہ کو پورے انہماک کے ساتھ تعلیم دینے میں مصروف ہو جاتے، چھٹی ہوتی گھر آتے، پھر کارخانے میں بیٹھ جاتے، ظہر کی اذان سے قبل کھانا کھاتے، نماز ادا فرماتے، پھر مدرسہ جا کر بچوں کی تعلیم وتربیت میں مصروف ہو جاتے، چھٹی کے بعد عصر کی نماز ادا کرتے اور دروازے پر بیٹھ کر کچھ لکھتے پڑھتے، مغرب کی اذان سے پہلے بساط لوح وقلم سمیٹتے، نماز مغرب ادا فرماتے، پھر بیٹھک کے سامنے چند چارپائیاں بچھائی جاتیں، ملنے جلنے والے آکر بیٹھتے، دین کی باتیں ہوتیں، لوگ مسئلے پوچھتے، مدرسے کے بارے میں سنیت کی تبلیغ واشاعت کے سلسلے میں عشا تک گفتگو ہوتی، عشا کی اذان ہوتی، نماز پڑھتے، کھانا تناول فرماتے، پھر کتابوں کے مطالعے میں مصروف ہو جاتے، یہ ان کے شب وروز کے مشاغل تھے، جن کو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، انھیں کبھی آرام کرتے ہوئے یا لوگوں سے فضول باتیں، ہنسی ٹھٹھہ اور گپ شپ کرتے نہیں دیکھا، نمازیں مکان کے قریب واقع مسجد میں ہمیشہ باجماعت ادا فرماتے، آخری عمر میں ان کے معمولات کیا تھے، ارشاد فرماتے ہیں۔

”صبح تین بجے بیدار ہوتا ہوں سب سے پہلے ضروریات سے فارغ ہو کر نماز تہجد ادا کرتا ہوں، بعدہٗ ۵ ر مرتبہ مروجہ فاتحہ پڑھ کر جملہ مشائخ، اساتذہ، علمائے اہلسنت، خاندان کے مرحومین والدین اور مومنین کو ایصال ثواب کرتا ہوں، پھر فجر کی نماز ادا کرتا ہوں، نفل نمازوں میں صلوٰۃ الاوابین پابندی سے پڑھتا ہوں“۔

حضرت مفتی صاحب قبلہ نہایت خلیق ومتواضع دوسروں کے رنج وغم میں شریک اور مشکلات میں ہمدردی اور اپنی بساط کے مطابق ہر ممکن مدد فرماتے تھے، اپنا ہو یا بیگانہ خندہ روئی سے ملتے اور نرم وملائم گفتگو فرماتے، رواداری حسن سلوک آپ کا شیوہ تھا، گفتگو

سنجیدہ اور متین ہوتی تھی، بوڑھے، جوان، بچے ہر ایک کے ساتھ ملاقات اور گفتگو میں آداب مجلس کا پورا لحاظ رکھتے تھے، بزرگوں کا احترام اور چھوٹوں کے ساتھ شفقت فرماتے تھے، دوران گفتگو کوئی ہنسی کی بات آجاتی تو قہقہہ کے بجائے ہونٹوں پر دلنواز تبسم ہوتا اور کبھی کبھی دوران گفتگو مزاح کا پہلو بھی نمایاں ہوتا، سنجیدہ ظرافت اور طنز ملیح کی جھلک بعض تحریروں میں بھی نمایاں ہوتی۔

آل انڈیا مسلم متحدہ محاذ کانفرنس دہلی ۱۹۶۲ء سے قبل ادری میں ایک شاندار جلسہ منعقد ہوا، جس میں حضرت کی دعوت پر خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد صاحب قبلہ نظامی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا اسرار الحق صاحب کوٹہ راجستھان صدر آل انڈیا مسلم متحدہ محاذ ادری میں تشریف لائے، یہ سرزمین ادری کا تاریخی اجلاس تھا، بعد میں عوام کی خواہش پر حضرت مفتی صاحب قبلہ نے علامہ نظامی کو ایک دوسرے جلسے میں مدعو کیا، منظوری بھی مل گئی، اشتہار شائع ہو گیا، اطراف و جوانب میں علامہ نظامی کی آمد کا اعلان کرا دیا گیا، مگر علامہ نظامی کسی وجہ سے ادری تشریف نہ لا سکے، جس سے حضرت مفتی صاحب قبلہ کو خفت اٹھانی پڑی، آپ نے علامہ نظامی کو ایک خط تحریر کیا، جس کے مضمون سے متعلق حضرت مفتی صاحب کا ارشاد ملاحظہ فرمائیں۔

’’میں نے ایک پوسٹ کارڈ پر قبر کا نقشہ بنایا اور اس کے نیچے تحریر کر دیا کہ یہ میری حسین تمناؤں کا مدفن ہے ہو سکے تو آپ بھی فاتحہ پڑھ لیں یہ بلیغ طنز انھیں کافی دنوں تک یاد رہا اور جب میری ان سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے کہا، مفتی صاحب! آج تک مجھ سے کسی نے ایسا حسین طنز نہیں کیا تھا، اس جملہ پر وہ بہت مسرور و شاداں ہوئے‘‘۔

حضرت مفتی صاحب کی ذات مکارم اخلاق کی جامع اور اعلیٰ شمائل و خصائل کا نمونہ تھی، وہ بے لوث دینی جذبات سے سرشار، علم دین کے پرخلوص خادم اور دین اسلام کے سچے مبلغ، آئین شریعت کے پابند، تواضع وانکساری کا مرقع تھے۔

تاثرات

آہ! ایک عظیم مدرس، مفتی، ادیب، مضمون نگار، شاعر و امیر کارواں نہ رہا

تاجدار اہلِ سنت شہزادۂ اعلیٰ حضرت حضرت علامہ مولانا مصطفےٰ رضا خاں مفتیِ اعظم
علیہ الرحمۃ والرضوان کے ایک خلیفہ و نائب

حضرت علامہ مولانا مفتی مجیب الاسلام صاحب نسیم اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

جناب مولانا محمد جعفر صادق سلمہٗ بتاریخ ۱۷ر ذیقعدہ ۱۴۳۰ھ مطابق ۶ر نومبر ۲۰۰۹ء اپنے وطن ادری ضلع مئو سے بریلی شریف آئے مارہرہ شریف عرس قاسمی میں جاتے ہوئے۔ فقیر سے ملاقات کے لئے فقیر کے مسکن نزد نوری مسجد جنکشن آئے۔ میں نے حضرت مولانا مفتی مجیب الاسلام صاحب کے بارے میں پوچھا حضرت اِس وقت کہاں ہیں کیسے ہیں؟ مولانا محمد جعفر صادق نے بتایا کہ حضرت ماشاءاللہ بخیر و عافیت ہیں آج کل ادری اپنے وطن ہی میں قیام فرما ہیں۔ میں نے کہا کہ حضرت کو کسی طرح راضی کر کے بریلی شریف لاؤ میں بارہا عرض کر چکا ہوں مگر حضرت بریلی آنے کا ارادہ نہیں کرتے اب آپ کسی طرح انھیں لے آؤ میرے نزدیک نوری مسجد کے حجرے میں رہیں گے جب تک چاہیں گے۔ کھانے وغیرہ کا انتظام میرے ذمہ رہے گا یا جہاں چاہیں قیام فرمائیں۔ آج سے چالیس پینتالیس سال پہلے حضرت مولانا مفتی مجیب الاسلام صاحب کے بریلی شریف میں قیام فرما ہونے کے زمانے کے کثیر پرانے واقعات اور بہت ساری باتیں دار العلوم مظہر اسلام اور رضوی دار الافتاء اور حضرت مفتیِ اعظم ہند علیہ الرحمۃ کی بارگاہ میں پیش آنے والی حضرت کو یاد آئیں گی جو حضرت کی اس سوانح حیات میں شامل کر لی جائیں گی جو اس وقت مرتب ہو رہی ہے مولانا محمد جعفر صادق مارہرہ شریف عرس قاسمی سے لوٹتے وقت ڈیڑھ بجے رات میں پھر فقیر سے ملنے آئے تو پھر میں نے کہا کہ حضرت مولانا مفتی مجیب الاسلام

صاحب کو کسی طرح بریلی شریف ضرور لاؤ میرے پاس رہیں گے مولانا محمد جعفر صادق سلمہٗ نے کہا کہ میں کسی جمعرات کو کوشش کر کے تیار کر کے حضرت کو بریلی شریف لے آؤں گا پھر جتنے دن رہنا چاہیں رہیں گے اور جب فرمائیں گے ان کے وطن ادری پہنچادوں گا۔ یہ کہہ کر دو بجے والی ٹرین سے اپنے وطن کے لئے روانہ ہو گئے صبح تقریباً آٹھ بجے جبکہ لکھنؤ جانے والی ٹرینیں جا چکی تھیں بارہ بنکی ٹرین پر ہی سے مجھ کو خبر دی کہ حضرت مولانا مفتی مجیب الاسلام صاحب کا وصال ہو گیا ہے بعد عصر نماز جنازہ ہے میں نے کہا یا اللہ ابھی رات میں ان کی بات ہو رہی تھی اور صبح وصال ہو گیا "انا للہ وانا الیہ راجعون" سخت صدمہ شدید غم ہوا اور سوچا کہ حضور صدر الشریعہ اور حضور مفتیِ اعظم ہند علیہما الرحمہ کی عظیم نشانی جاتی رہی زیادہ غم اس لئے ہوا کہ بریلی شریف سے تعلق رکھنے والی کثیر باتوں کا بڑا ذخیرہ حضرت کے ساتھ چلا گیا قدرِ نعمت بعد زوال۔ میں وصال کے تیسرے دن ادری پہنچا حضرت کے گھر گیا اہل خانہ کو تعزیتی الفاظ کے ذریعہ سنتِ تعزیت ادا کی دس گیارہ بجے دن میں دار العلوم ضیاء العلوم قصبہ ادری میں ایک بڑے تعزیتی جلسے کا انعقاد اور حضرت کے گھر والوں کی طرف سے تیجے کی فاتحہ کا اہتمام کیا گیا۔ مدرسے کے مدرسین و متعلمین کے علاوہ کثیر علماءِ کرام خواص وعوام نے شرکت کی اور حضرت کی بارگاہ میں خراجِ عقیدت پیش کیا فقیر کو بھی اس جلسے میں شریک کیا گیا پھر بعد ظہر حضرت کے دولت خانے سے چادر اٹھی اور مزار شریف پر کثیر مجمع کے ساتھ چادر پوشی کی گئی اور اس کے بعد شجرہ وفاتحہ خوانی کر کے آخر میں سلام پڑھا گیا۔ حضرت مولانا مفتی مجیب الاسلام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے استاذوں میں صدر الشریعہ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد امجد علی صاحب اعظمی مصنف بہارِ شریعت اور حضرت علامہ مولانا سردار احمد صاحب گورداس پوری اول شیخ الحدیث دار العلوم مظہر اسلام بریلی شریف محدث اعظم پاکستان اور حضرت حافظ ملت علامہ مولانا عبد العزیز صاحب محدث مرادآبادی بانی جامعہ اشرفیہ عربی یونیورسٹی اعظم گڑھ علیہم الرحمہ ہیں۔ حضرت مولانا مفتی مجیب الاسلام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک مدتِ دراز تک حضور مفتیِ اعظم علامہ مولانا مصطفےٰ رضا خاں علیہ الرحمہ کے زیر نگرانی مرکزی رضوی دار الافتاء میں کار افتاء اور ساتھ ہی ساتھ دار العلوم مظہر اسلام

بریلی شریف میں تعلیم وتدریس کا کام بھی ایک کامیاب اور شاندار مفتی ومدرس کی حیثیت سے انجام دیتے رہے آپ کے فتاویٰ کو حضور مفتیِ اعظم عالم علیہ الرحمہ سنتے اور سن کر تصحیح وتصدیق فرماتے بریلی شریف میں لکھے ہوئے آپ کے فتاویٰ ہزاروں کی تعداد میں ہیں ۔حضرت مولانا مفتی مجیب الاسلام صاحب عظیم مفتی ومدرس ہونے کے ساتھ عربی فارسی وارد و کے بہترین ادیب شاعر ومضمون نگار بھی تھے اِسی زیرِ نظر کتاب میں واقعہ کربلا سے متعلق بنام نوری کرن بریلی سے نکلنے والے رسالے میں شائع شدہ ان کا ایک بہترین مضمون درج ہے جوان کے ایک ماہر فصیح وبلیغ مایۂ ناز ادیب ہونے پر روشن دلیل ہے آپ کے مضامین بڑی قدر کی نگاہ سے پڑھے جاتے تھے میرے سامنے ایک بار حضرت علامہ مولانا حسنین رضا خاں صاحب پسر استاذ زمن حضرت علامہ مولانا حسن رضا خاں والد ماجد حضرت علامہ مولانا تحسین رضا خاں صاحب علیہم الرحمہ نے ایک موقع پر حضرت مولانا مفتی مجیب الاسلام صاحب کی شاعری اور مضمون نگاری کا اعتراف واظہار اس طرح فرمایا کہ مولانا مفتی مجیب الاسلام صاحب اچھے مضمون نگار اور اچھے شاعر بھی ہیں۔حضرت مولانا مفتی مجیب الاسلام صاحب کے تلامذہ کی ایک بہت بڑی جماعت ہے آپ کے قائم کردہ مدارس کی بھی تعداد کثیر ہے انھیں مدارس میں دارالعلوم ضیاء العلوم قصبہ ادری ضلع مئو ہے اس مدرسہ کا نام حضور مفتیِ اعظم ہند علیہ الرحمہ نے رکھا تھا۔

فیضانِ حضرت مفتی مجیب الاسلام صاحب زندہ باد!

خدا کی رحمتیں ہوں اے امیرِ کارواں تجھ پر
فنا کے بعد بھی باقی ہے شانِ رہبری تیری
ابرِ رحمت اِن کے مرقد پر گہر باری کرے
حشر تک شانِ کریمی ناز برداری کرے

ازقلم

خلیفہ حضور مفتیِ اعظم حضرت مولانا مفتی محمد اعظم
شیخ الحدیث وصدر المدرسین دارالعلوم مظہر اسلام وصدر رضوی دارالافتاء بریلی شریف

از:۔ حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب ادروی
سابق صدر المدرسین دار العلوم تدریس الاسلام بسڈیلہ ضلع بستی

آپ فرماتے ہیں ”آپ متدین عالم ہیں اور ادری کی سنیت کو فروغ دینے میں بڑی مخلصانہ خدمات انجام دی ہیں، مدرسہ رضویہ ضیاء العلوم کی تعمیر و تعلیم کے ساتھ ساتھ بارہویں شریف کے موقع پر عید میلاد النبی کے جلسہ وجلوس کا انعقاد آپ ہی کی رہین منت ہے، عید کے موقع پر جب کہ عام طور سے عوام میں رویت ہلال سے متعلق ایک انتشاری کیفیت ہو جاتی تھی، اس موقع پر بھی عوام کی صحیح رہنمائی اور شرعی اصول و ضوابط سے لوگوں کو روشناس کرنا اور ان کے مزاج میں استقلال پیدا کرنا اور وقت ضرورت دینی مسائل میں لوگوں کا آپ کی طرف رجوع کرنا، یہ سب کام آپ کے ایک ذمہ دار متدین عالم ہونے کی دلیل ہے“۔ محررہ۔ ۷؍شوال المکرم ۱۴۲۹ھ/ ۸؍۱۰ اکتوبر ۲۰۰۸ء

نوٹ:۔ یہ تأثر حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ کی زندگی میں تحریر کیا گیا۔

☆☆☆

حضرت مولانا مفتی محمد ظہیر حسن صاحب قادری شیخ الحدیث فیض العلوم محمد آباد، مئو

موت اس کی ہے کرے جس پہ زمانہ افسوس
یوں تو دنیا میں سبھی آئے ہیں مرنے کے لیے

مذہب اسلام چونکہ ابدی ہے، لہٰذا اس کی ترویج و اشاعت بھی تا ابد رہے گی، محسن انسانیت ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد صحابۂ کرام، تابعین عظام، پھر اولیائے طریقت و علمائے شریعت پر اس کی ذمہ داری آئی، اسلامی

مصلحین سے یہ دنیا نہ کبھی خالی رہی اور نہ خالی ہوگی، البتہ اس میں کچھ اشخاص ایسے ہوئے ہیں، جو اپنے کارہائے نمایاں کی وجہ سے مشہور زمانہ ہوجاتے ہیں اور کچھ محدود دائرے میں جانے پہچانے جاتے ہیں، انھیں میں ایک ہستی شریعت وطریقت کی سنگم استاذ مکرم حضرت علامہ مفتی مجیب الاسلام صاحب قبلہ نسیم اعظمی علیہ الرحمۃ والرضوان کی تھی، جن کی پوری زندگی شریعت مطہرہ کی تبلیغ و اشاعت میں گزری، آپ حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ مصنف بہار شریعت کے تلامذہ میں تھے، بعد فراغت درس و تدریس، رشدوہدایت آپ کا مشغلہ تھا۔

حضرت مفتی صاحب درس وتدریس کے ماہر، محنتی، پیکر اخلاص ومحبت تھے، انداز تعلیم نرالا، تفہیم نہایت عمدہ، جن کو جو کتابیں پڑھادیں واقعی پڑھادیں کہ کبھی اس میں دقت وپریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑا، حضرت مفتی صاحب ایمان وعقیدہ میں متصلب سنی تھے، بدمذہبوں کے ساتھ یاری ورشتہ داری، حمایت و پاس داری سے ہمیشہ مجتنب رہے اور دوسروں کو بھی اس کی جانب تلقین وہدایت کرتے رہے، میں بڑے وثوق واعتماد کے ساتھ یہ لکھنے جارہا ہوں کہ ادری اور اس کے اطراف و اکناف میں جو سنیت باقی ہے، آپ ہی کی مرہون منت ہے، ورنہ اغیار کب کا اپنا قبضہ جما چکے ہوتے۔

حضرت مفتی صاحب جہاں رہتے، جس مجلس میں بیٹھتے، امام اہل سنت فاضل بریلوی، حضور مفتی اعظم ہند وحضور صدرالشریعہ علیہم الرحمۃ والرضوان کے تذکرے بڑی محبت سے کرتے اوران کے مسلک پر چلنے کی پرزور ہدایت کرتے، میری عمر ستّر سال سے زائد ہونے جاری ہے، جب سے میں نے ہوش سنبھالا، ان کو تعلیم وتعلم، رشد و ہدایت، شرعی مسائل کے سوالات کے جوابات مرحمت فرماتے پایا، پارۂ عم سے لے کر ناظرہ، اردو، عربی، فارسی کتابیں ہدایت النحو تک انھیں سے پڑھیں، سب سے پہلی جماعت جوان کی درس گاہ سے نکلی اس میں میرا بھی شمار ہے۔

آپ اسلامی احکام، نماز وروزہ کے پابند تھے، جتنی عمر گزرتی جاتی درس گاہ سے فرصت پانے کے بعد سنن ونوافل، تسبیح وتہلیل، اوراد ووظائف میں مشغول رہتے تھے۔

آپ کا ذہن تعمیری تھا، مدارس کے قیام وبقا میں پوری دل چسپی لیتے اور اس پر اپنی پوری توجہ مرکوز فرما دیتے تھے، ادری میں جب تک تھے، فتویٰ نویسی کم تھی، لیکن اس میں ترقی دوران قیام بریلی شریف ہوئی اور وہیں سے مفتی کے لقب سے پکارے جانے لگے، مفتی صاحب اس میں کمال رکھتے تھے، حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کو ان کے فتوے پر اعتماد تھا، سبھی لوگ ان کو مانتے اور سراہتے تھے، حق بات کہنے میں کسی طعن وتشنیع کی پرواہ نہیں کرتے تھے، مذبوحہ جانوروں کی اوجھڑی کی بات آئی تو برملا ظاہر کر دیا، اس میں کچھ لوگوں نے بہت کچھ شناعت کی، لیکن ان کو کوئی غم نہیں تھا، عید کے چاند کے سلسلے میں یہاں کے بد مذہبوں نے ہنگامہ آرائی سے کام لیتے ہوئے ناجائز عید کرانی چاہی، لیکن مفتی صاحب ہمیشہ شرعی شہادت پر عمل کرتے، آج انھیں کا کرم ہے کہ ان کے شاگرد علما بھی انھیں کے طریقہ پر چل کر عید کرتے ہیں اور سرخ رو ہوتے ہیں، آپ کی تمام خدمتیں آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں، ملک کے مختلف مدارس میں رہے اور محبوب نظر بن کر رہے، بالکل اخیر میں جامعہ شمسیہ تیغیہ بھدوہی رہ کر سالہا سال خدمت دین انجام دیتے رہے، یہیں سے زیارت حرمین شریفین کے لیے تشریف لے گئے۔

آسماں ان کی لحد پر گوہر افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

حضرت مفتی مجیب الاسلام نسیم اعظمی صاحب قبلہ

چند مشاہدات

عصر حاضر میں لاتعداد مدارس سے ہر سال بے حد وحساب طلبہ یہ مقصد لے کر فارغ ہوتے ہیں، کہ وہ انسانی معاشرہ کو اسلامی سانچے میں ڈھالیں گے اور اپنے اخلاق و کردار سے دوسروں کی حیات کو سنواریں گے، بے شمار علما و فضلا اس مقصد خیر کے لیے سرگرداں و کوشاں ہیں، اس کے باوجود گناہوں کی رفتار تیز اور جرائم کی ترقی روز افزوں ہے، اخلاقی اقدار کا فقدان ہے، عوام راہ حق سے دور ہوتے جارہے ہیں، اس کی بنیادی وجہ علما میں جذبہ اخلاص کا عدم اور ان کی بے عملی ہے، مگر ایسا بھی نہیں کہ علمائے حقانی ناپید ہو چکے ہیں، خدا کا شکر ہے کہ اب بھی بہت سے ایسے اہل علم موجود ہیں، جن کی زندگی اخلاص وللّٰہیت، خداترسی، تقویٰ و پرہیز گاری سے عبارت ہے اور صحیح معنوں میں وہ عالم باعمل ہیں، خدمت دین کا جذبہ ان کی رگ رگ میں خون کے ساتھ گردش کرتا ہے، وہ کسی ذاتی مفاد یا زر پرستی کا تصور کیے بغیر چمن ملت کی آبیاری میں مصروف ہیں، آج اسلامی معاشرہ کی جو تھوڑی بہت خوشبو باقی ہے اور مسلمانوں میں جو کچھ بھی دینداری پائی جاتی ہے، ایسے ہی علمائے ربانیین کے وجود مسعود کی برکتوں کا نتیجہ اور ان کی بے لوث کاوشوں کا ثمرہ ہے، انھیں بزرگوں میں تلمیذ صدر الشریعہ خلیفۂ مفتی اعظم ہند بقیۃ السلف عمدۃ الخلف حضرت علامہ الحاج مفتی مجیب الاسلام نسیم اعظمی ادروی صاحب قبلہ مدظلہ العالی کی ذات گرامی وقار بھی ہے، جو اسلاف کرام کی سچی یادگار ہیں، جن کا ہر ہر قدم متبع سنت ہے، جن کا لمحہ لمحہ اسلامی سانچے میں ڈھلا ہوا ہے، جنھوں نے اپنی زندگی خدمت دین کے لیے وقف کر دی اور تشکیل ملت کی خاطر اپنا خون پسینہ ایک کر دیا۔

جامعہ شمسیہ تیغیہ بھدوہی، جس کے روح رواں مفتی صاحب قبلہ ہیں اور جہاں

تقریباً دو دہائی آپ نے مشیخت حدیث کو زینت بخشی ہے، اس ادارے میں مجھے بھی ۱۰؍شوال ۱۴۲۹ھ/ ۱۱؍اکتوبر ۲۰۰۸ء تا ۸؍شعبان ۱۴۳۰ھ/ ۳۰؍جولائی ۲۰۰۹ء تدریس کا شرف حاصل ہے، اس دوران مفتی صاحب قبلہ کو قریب سے دیکھنے کا تھوڑا سا موقع ملا، استاذ گرامی حضرت علامہ ڈاکٹر محمد عاصم صاحب اعظمی مدظلہ العالی کا حکم ہوا کہ حضرت مفتی صاحب قبلہ سے متعلق اپنے احساسات سپرد قلم کروں، چنانچہ چند مشاہدات قارئین کے سامنے پیش ہیں۔

خدمت دین کا بے لوث جذبہ:۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اندر خدمت دین کا بے لوث جذبہ پیدا کیا ہے، دار العلوم ضیاء العلوم ادری، دار العلوم غوثیہ سلیم پور اور جامعہ شمسیہ تیغیہ بھدوہی آپ کے جذبہ دینی کی زندہ مثال ہیں، آپ جہاں بھی رہے خدمت دین آپ کا مطمح نظر رہا، بھدوہی میں میں نے اس مرد خدا کو دیکھا کہ بقرعید سے ایک ہفتہ قبل کچھ اساتذہ وطلبا کو ساتھ لے کر نقاہت وضعف کے باوجود بخار کی حالت میں پیدل مسلسل تین روز تک چار پانچ کلومیٹر چل کر لوگوں سے مل مل کر جامعہ شمسیہ میں چرم قربانی دینے کی اپیل کی، میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ ساتھ چلنے والے جوان تھک کر چور ہو گئے، مگر اس سو سالہ مجاہد کے قدم آگے ہی بڑھتے رہے اور ارادے کے مطابق علاقوں کا دورہ کرنے کے بعد ہی مدرسہ واپس ہوئے، واپسی میں ایک جگہ مسجد میں تھوڑی دیر آرام کیا، میں نے سوچا شاید کل حضرت دورے پر نہ جائیں، مگر جیسے ہی کل کی صبح ہوئی، بچوں اور اساتذہ کو تیار رہنے کا حکم دیا اور سب سے پہلے خود تیار ہو کر چرم قربانی کی وصولی کے سلسلے میں نکل گئے اور آج بھی کل ہی کی طرح آپ کا حوصلہ بلند رہا اور آئندہ کل بھی اس سو سالہ بزرگ کو اسی جذبہ دینی سے سرشار دور دور علاقوں کا پیدل سفر کرتے دیکھا۔

آپ کو جہاں سے بھی مدرسے کی امداد کا سراغ ملتا، پہنچ جاتے، چنانچہ اسی سال بنارس کے ایک صاحب کے ذریعے معلوم ہوا، کہ جونپور میں ایک آدمی ہیں، جن سے مدرسے کا کچھ تعاون ہو سکتا ہے، آپ کسی سے بتائے بغیر بنارس کے اس صاحب کو ساتھ

لے کر جونپور پہنچے اور مدرسے کے لیے کچھ رقم لے کر آئے، مدرسہ حاضر ہوئے تو میں نے پوچھا، کہ حضرت! کہاں تشریف لے گئے تھے؟ فرمایا، جونپور میں ایک صاحب کے بارے میں معلوم ہوا تھا، کہ مدرسے کا کچھ تعاون کر سکتے ہیں، وہیں گیا تھا۔

لوگوں کا بیان ہے، کہ حضرت مفتی صاحب قبلہ کے بھدوہی آنے سے قبل جامعہ شمسیہ تیغیہ کی ادھوری عمارت تو تعمیر ہو چکی تھی، مگر انتظامات میں تنقیص کی وجہ سے آنسو بہارہی تھی، آپ تشریف لائے تو آپ کی کوششوں اور خدمات نے اس عمارت کی تکمیل کی اور آپ کے انتظامات نے مدرسے کو رونق بخشی۔

بے باکی:۔ حق گوئی و بے باکی حضرت مفتی صاحب قبلہ کا امتیازی وصف ہے، اسلامی غیرت وحمیت آپ کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے، آپ نے کبھی کلمہ حق کے اظہار میں بڑے بڑے سرمایہ داروں کی پروانہیں کی، جو حق سمجھا، دوٹوک ارشاد فرمادیا، میں نے دیکھا ہے، کہ آپ بھدوہی کے سیٹھوں کے یہاں گئے ہیں، تو آپ نے چاپلوسی نہیں کی ہے، بلکہ انھیں دنیا کے فنا کی طرف متوجہ کیا ہے اور دین کی طرف راغب ہونے کی تعلیم دی ہے، آپ نے کسی سرمایہ دار کو وہابیہ کے تعلق سے نرم پایا، تو اس کی دولت و ثروت سے مرعوب ہوئے بغیر اس کو تائب ہونے کی تلقین کی اور فرمایا ''وہابیہ گستاخ رسول ہیں، ان کو معاف نہیں کیا جاسکتا'' کسی کے متعلق معلوم ہوا کہ وہابیہ کی امداد کرتا ہے، تو برملا فرمادیا ''وہابیہ مرتد ہیں، ان کا تعاون قطعاً حرام ہے''۔

ذوقعدہ ١٤٢٩ھ کی بات ہے، نور کا تیج بھدوہی میں حجاج کا استقبالیہ پروگرام منعقد ہوا، جس میں حضرت مفتی صاحب قبلہ اور مدرسہ شمسیہ تیغیہ کے جملہ اساتذہ وطلبا مدعو تھے، اس پروگرام میں دو چند وہابی حاجی بھی آگئے، جب نعت خوانی شروع ہوئی، وہ بھاگ گئے، حضرت مفتی صاحب قبلہ کو اس مجلس میں اس کا علم نہ ہو سکا، مدرسہ آنے پر کسی نے وہابی حاجیوں کی سرگزشت سنائی، تو آپ نے **لاحول و لاقوۃ الا باللہ** پڑھی اور فرمایا ''وہابیوں کا استقبال حرام ہے، ان کو مدعو کرنا ریاکاری ہے''۔

پھر کچھ دنوں بعد نور کا ٹیج میں قرآن خوانی میں شرکت کے لیے حضرت مفتی صاحب اساتذہ وطلبا کے ساتھ تشریف لے گئے، قرآن خوانی کے بعد آپ نے ایک مختصر تقریر کی، دوران تقریر یہ ارشاد فرمایا ''ابھی کچھ دنوں پہلے حاجیوں کے استقبال میں یہاں دہابیوں کو مدعو کیا گیا تھا، وہابیہ گستاخ رسول و مرتد ہیں، ان کا استقبال قطعاً حرام ہے'' حضرت کی اس بے باکی پر رشک ہوا، کہ یہی جگہ ہے جہاں اور سانس لینا گراں سمجھتے ہیں، مگر حضرت نے تو اظہار حق فرما کر جہادی کارنامہ انجام دے دیا۔

تقویٰ:۔ خدا ترسی اور خوف خداوندی ہر وقت آپ کے وجود پر طاری رہتا ہے اور تقویٰ و پرہیز گاری آپ کی کتاب زندگی کا روشن باب ہے، مندرجہ ذیل واقعہ آپ کی تقویٰ شعاری کی واضح دلیل ہے۔

ذوالحجہ ۱۴۲۹ھ/ دسمبر ۲۰۰۹ء میں بھدوہی میں عظیم اللہ چوراہہ پر ایک جلسہ ہوا، جس کا مقصد انعقاد اس بات کا اعلان تھا کہ ''اسلام دہشت گردی کا مخالف ہے'' جلسے میں حضرت مفتی صاحب قبلہ بھی مدعو تھے، منتظمین جلسہ نے اس جلسے میں کچھ غیر مسلمان اور ایک پنڈت کو بھی مدعو کیا تھا، حضرت کو اس کا قطعی علم نہ تھا، جب پنڈت حضرت کی بغل میں آکر بیٹھا، پھر بھی آپ کو اس کا احساس نہ ہو سکا، جب دہشت گرد کا پتلا نذر آتش کرنے کی باری آئی، تو آپ کو اس کا علم ہوا، حضرت نے تقریر کی اور مدرسہ آکر بار بار آپ کی زبان پر یہ کلمات جاری ہوتے تھے ''اے اللہ! مجھے معاف کر دے، مجھے اس پنڈت کی شرکت کا علم نہ تھا، مجھے معلوم ہوا، تو سمجھ میں نہ آیا میں کیا کروں؟ پروردگار! اس پروگرام میں فوٹو کھینچا گیا، جو حرام ہے اور موقعوں پر میں چہرے کو ڈھاک لیتا تھا، آج میری عقل کو کیا ہو گیا تھا، کہ میں چہرہ نہ ڈھاک سکا، مولیٰ! میری مغفرت فرما، مجھے معاف کر دے'' مسلسل دو روز تک بار بار آپ یہ کلمات ادا کرتے تھے اور ہر نماز کے بعد اس جلسے کی شرکت پر استغفار کرتے تھے۔

انکساری:۔ تواضع و انکساری بندہ مومن کا اعلیٰ ایمانی جوہر ہے، یہ وصف بھی حضرت مفتی صاحب قبلہ کی ذات میں نمایاں ہے، علم وفضل کا حظ وافر پانے کے باوجود ہر کس و

ناکس سے ملنساری کا مظاہرہ فرماتے ہیں، اپنے آپ کو بڑا ظاہر نہیں کرتے ہیں، علما کی قدر کرتے ہیں، چھوٹے چھوٹے مولویوں کی بھی خوب عزت افزائی کرتے ہیں، آج کے ماحول میں جہاں کسی کو تھوڑا علم حاصل ہوا، یا کسی پیر سے اجازت وخلافت ملی، اپنا دبدبہ بنانے کی کوشش شروع کردی اور مریدین کا حلقہ وسیع کرنے کے چکر میں لگ گیا، مگر حضرت مفتی صاحب کی سادگی کا عالم یہ ہے کہ کسی پر رعب نہیں جماتے، آپ اگر چاہتے تو ہزاروں لوگوں کو مرید کرلیتے، مگر آپ کی انکساری نے آپ کو اس کی اجازت نہ دی۔

اسی سال ایک مرتبہ گھسیا بھدوہی میں ایک مسجد کا سنگ بنیاد رکھنے گئے، ایک صاحب آپ کی سادگی اور بزرگی دیکھ کر بے حد متاثر ہوئے، ان کے دل میں آپ سے مرید ہونے کی خواہش پیدا ہوئی، انھوں نے اس کا اظہار مولانا خورشید عالم شمسی استاذ مدرسہ عربیہ مدینۃ العلم بھدوہی سے کیا اور ان سے کہا، کہ حضرت سے مرید کروادیں، مولانا موصوف نے میرے پاس فون کیا، میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے ان صاحب کا مدعا عرض کیا، فرمایا، مولانا، میں مرید نہیں کرتا، بہت سے لوگوں نے مرید ہونا چاہا، مگر میں انکار کرتا رہا، اگر میں مرید کرتا تو ہزاروں میرے مرید ہوتے، میں نے عرض کی، کہ حضور! آپ کو مرید کرنا چاہیے، کم سے کم جو لوگ آپ کے دست اقدس پر بیعت ہوجاتے ان کا ایمان تو محفوظ ہوجاتا، فرمایا "مولانا! پیر خود ہی محتاج ہے خانقاہ کیا بنائے گا" مولانا خورشید صاحب اور میرے اصرار کے باوجود مرید نہ کیا۔

<u>مدارت وخاطر داری:۔</u> آپ مہمان نوازی اور خاطر داری بھی خوب فرماتے ہیں، کوئی عقیدت مند اگر کچھ پیش کرتا ہے، تو تمام اساتذہ جامعہ شمسیہ کو بلاکر اپنے ہاتھ سے بانٹ دیتے ہیں یا لڑکوں کے ذریعے اپنے لیے بقدر کفایت رکھ کر اساتذہ میں تقسیم کردیتے ہیں، بارہا عقیدت مند کھانا وغیرہ لاتے ہیں، سب کو ساتھ لے کر کھاتے ہیں اور فرماتے ہیں "مولانا! اللہ دے رہا ہے، کھانے میں تکلف کیا؟ یہ لیجیے وہ لیجیے"۔

<u>نماز وجماعت کی پابندی:۔</u> نماز وجماعت کی حد درجہ پابندی فرماتے ہیں، سخت

سے سخت مرض میں بھی نماز ترک کرنا تو بہت دور کی بات ہے، جماعت کی غیر حاضری برداشت نہیں کرتے ہیں، ایک بار میعادی بخار کا عارضہ ہوا تو اس حال میں بھی کہ بدن کانپ رہا تھا، کمزوری کی وجہ سے کھڑا ہونا دشوار تھا، مگر جماعت میں ضرور حاضر ہوتے، اذان ہوتے ہی مصلے پر سنت پڑھ کر لیٹ جاتے اور اقامت ہونے پر کھڑے ہو کر امامت فرماتے، اس درد و کرب کے عالم میں بھی نماز و جماعت کی یہ پابندی آپ ہی میں میں نے دیکھی، شدت مرض سے بیچین ہونے کے باوجود سنن تو سنن، نوافل بھی نہ چھوڑتے اور کھڑے ہو کر ہی نوافل وسنن ادا کرتے تھے، سنن ونوافل کی خود پابندی کے ساتھ اساتذہ وطلبا کو بھی سن ونوافل کی سخت تاکید کرتے ہیں۔

مسائل کی تعلیم:۔ دوران نماز کسی طالب علم کو خلاف سنت نماز ادا کرتے دیکھتے ہیں، تو اصلاح فرماتے ہیں اور ہر نماز کے پہلے یا بعد اکثر مسائل نماز اور آداب زندگی کی تعلیم بھی آپ کا خاصہ ہے، خود میں نے متعدد مسائل آپ کی تعلیم سے سیکھے ہیں۔

پورے سال میں بیماری اور نقاہت کی وجہ سے تقریباً ڈھائی تین ماہ حضرت مدرسہ میں تشریف فرما رہے، اس دوران کے یہ چند مشاہدات قلمبند کر دیے ہیں، کاش حضرت کی صحت اچھی رہتی اور پورے سال حضرت کی صحبت میسر آتی تو کچھ اور مشاہدات حوالہ قرطاس کرتا، دعا ہے، کہ مولیٰ تعالیٰ حضرت کا سایہ تادیر قائم رکھے اور آپ کو صحت و سلامتی عطا فرمائے، آمین۔

نعیم الاسلام قادری

استاذ جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامیٰ ناگپور

یکم ر اکتوبر ۲۰۰۹ء / ۱۱ ر شوال المکرّم ۱۴۳۰ھ

نوٹ: یہ مشاہدات مفتی صاحب کی زندگی میں لکھے گئے۔

از:۔ حضرت مولانا محمد جعفر صادق اعظمی صاحب۔استاذ مدرسہ عربیہ ضیاء العلوم ادری

خلیفہ مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی مجیب الاسلام نسیم اعظمی علیہ الرحمۃ والرضوان جید عالم دین، عظیم مفتی اور ایک اچھے منتظم و مہتمم تھے، میرے نزدیک ان کی چند خوبیاں ایسی ہیں جو کم لوگوں میں یکجا پائی جاتی ہیں۔

(۱) تصلب فی الدین، دین و مذہب اور عقائد میں ایسی پختگی کہ اپنے اور بیگانے کی پرواہ کیے بغیر حق کا برملا اظہار فرمایا کرتے تھے، جس مجلس میں ہوتے عقائد و اعمال میں مجدد دین وملت سیدنا امام احمد رضا قدس سرہ العزیز اور سرکار مفتی اعظم ہند علیہما الرحمۃ والرضوان کے فتویٰ کا ذکر کرتے ہوئے نظر آتے، اپنی مجلس کو اسلاف کا ذکر خیر کر کے گل و گلزار بنا دیتے۔

(۲) اخلاص وللّٰہیت کے پیکر، ریا سے بہت دور اور نمائشی کاموں سے پرہیز، صوم و صلوٰۃ کے ایسے پابند کہ عمر تقریباً چورانوے سال کی ہو چکی تھی، رمضان شریف کا کوئی روزہ قضا نہ ہوا، اوراد و وظائف کے ایسے عامل کہ اخیر وقت تک اس میں فرق نہ آیا۔

(۳) اپنے ملاقاتیوں کو اعمال حسنہ بالخصوص فرائض و واجبات کی ترغیب و تلقین کرتے۔

(۴) جس اسلامی درسگاہ سے وابستہ رہے، تدریسی خدمات کے ساتھ ساتھ اس کے انتظام و انصرام میں بھی منتظمین کے ممد و معاون، بلکہ ان کی قیادت و رہنمائی فرماتے اور مدرسہ کو تعلیم و تعمیر دونوں میدان میں ترقی دیتے۔

(۵) اپنے اساتذہ شیوخ کے منظور نظر اور مداح، خارجی اوقات ان کے ذاتی کاموں میں معاون۔

مختصر علالت کے بعد شب یکشنبہ ۱۹/ذوقعدہ ۱۴۳۰ھ آپ کا وصال ہوا، یہ جانکاہ خبر بجلی بن کر گری، مگر مشیت ایزدی کے آگے سب تدبیریں ہیچ ہیں، مَوتُ العالِم مَوتُ العالَم کے مصداق بزم سنیت سونی ہوگئی، قصبہ ادری و مضافات کے اہلسنت و

جماعت پر جوان کے تابندہ نقوش ہیں، وہ ہمیشہ آپ کی یاد دلاتے رہیں گے۔

ع زمین کھا گئی آسمان کیسے کیسے

رب قدیر! تیرے دین کا خادم، تیرے پیغام کا مبلغ، تیرے محبوبین کے مسلک کا ترجمان، تیرے حضور حاضر ہے، ان کے طفیل اس کو اپنی رحمت سے ڈھانک لے، اس کی قبر منور و مجلی فرما اور جنت الفردوس کے پھولوں سے معطر فرما۔

اے خدا کے نیک بندے الوداع

اے نگہباں سنیت کے الوداع

☆☆☆

ادری کی سنیت کا نگہباں نہیں رہا

از:۔ حضرت مولانا مرغوب حسن قادری ادروی

کس صبح کے مشتاق کا ماتم ہے کہ فانی

روتی ہے گلے مل کے سحر شمع سحر سے

آہ! استاذ کل، تلمیذ صدر الشریعہ، خلیفۂ مفتی اعظم ہند، سند المدرسین، عمدۃ المحققین حضرت علامہ الحاج مفتی مجیب الاسلام نسیم اعظمی علیہ الرحمہ ہم سب کو سوگوار چھوڑ کر دار فانی سے دار بقا کی طرف رحلت فرما گئے، مَوتُ العَالِم مَوتُ العَالَم۔

بلا شبہ حضرت کی ذات گرامی میں بیک وقت بے شمار خوبیاں تھیں، مثلاً ایک باوقار عالم دین کہنہ مشق مفتی، بالغ نظر مدرس و محقق، عمدہ شاعر، جس کے جلو میں حمد و نعت، منقبت، سہرے اور قصائد کی جھلکیاں نظر آتی ہیں، بہترین انشا پرداز و صاحب قلم ضرورت کے مطابق عمدۃ الواعظین، درس و تدریس اور تعلیم تعلم کا جو طریقہ ہم لوگوں نے دیکھا، وہ اب کہیں نظر بھی نہیں آتا، آپ جس قدر جفاکش اور محنتی تھے، اس کی بھی مثال

نظر نہیں آتی، ہم نے فارسی کی دوسری سے لے کر کافیہ تک کی اکثر کتابیں ان سے پڑھیں، جو بھی کتاب پڑھی، وہ من وعن ذہن میں محفوظ ہیں، کیسے ترجمہ کراتے، کیسے مطلب بیان کرتے، ایک مسئلے کے ضمن میں کتنے دوسرے مسائل بیان کر دیتے، کہاں کہاں ٹوکتے اور کہاں کہاں ڈانٹتے، وہ ساری باتیں یاد ہیں، پہلے پورا سبق سن لیتے تب اگلا سبق پڑھاتے، یہی وجہ ہے کہ ان کے یہاں وقت زیادہ صرف ہوتا، بعض لوگ شاکی بھی تھے، مگر آپ فرماتے کہ میں کتاب ختم کرانے کا قائل نہیں ہوں، بلکہ چاہتا ہوں کہ کم ہی پڑھا جائے مگر ایسا پڑھا جائے کہ ضرورت پڑنے پر اسی وقت پڑھایا جا سکے، جب گرامر اور سارے مسائل ازبر ہو جائیں گے تو اگلے صفحات کے مسائل خود سمجھ میں آ جائیں گے، فارسی والوں سے تختی لکھواتے، ان کے رسم الخط کا خیال فرماتے، چھٹی کے بعد گھر پہنچ کر فوراً گھر کے کام میں لگ جاتے، اس پر بھی رات میں بعد نماز عشا فتاویٰ شامی نقل کرتے اور فتاویٰ رضویہ کا مبیضہ تیار کرتے۔

دوران درس اکثر اپنے اساتذۂ کرام بالخصوص حضرت صدر الشریعہ، محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد صاحب گورداسپوری اور کبھی کبھی حضرت مولانا خلیل احمد صاحب امروہوی رحمۃ اللہ علیہم کے تصوف اور سنت رسول پر عمل پیرا ہونے کا تذکرہ چھیڑ دیتے، بریلی شریف تو ورد زبان تھا، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا اور حضور مفتی اعظم ہند کے تو شیدائی تھے، بات بات پر ان کا ذکر خیر!

اسی میں کچھ استفتا کا جواب دینا، مسائل فقہیہ اور اس کے جزئیات پر اتنی گہری نظر تھی کہ اغیار بھی جس کے معترف تھے، مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک مرتبہ محلّہ فیض نگر میں زمین کے کسی مسئلے کو لے کر اختلاف ہوا، جب ادری کے لوگوں سے وہ مسئلہ حل نہیں ہوا تو مولوی امین کی سربراہی میں وہ لوگ اپنے محدث کبیر کی بارگاہ میں مئو پہنچے، مگر انھوں نے جواب نہیں دیا اور کہا کہ ادری میں مولانا مجیب الاسلام صاحب ہیں! ان کے پاس لے کر جاؤ؟ ان سے حل نہیں ہوگا تو میرے پاس لے کر آنا، وہ مسائل میں بہت

اچھی معلومات رکھتے ہیں، اس قسم کے مسائل وہیں حل کرلیا کرو، چنانچہ لوگ واپس ہوئے اور ہم لوگوں نے جامع مسجد کے دکھن جانب مدرسہ امجدیہ میں خود اپنی آنکھوں سے وہ مسئلہ لے کر آتے ہوئے دیکھا، **الفضل ما شهدت به الاعداء** ۔

میری نگاہ میں آپ کا سب سے بڑا احسان ادری اور اطراف کے لوگوں میں مذہب اسلام اور مسلک اہلسنت کی ترویج واشاعت تھا، ۱۳۳۳ھ/۱۹۳۳ء میں ادری کی سرزمین پر مابین ادری میں جلسہ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اہتمام اور جلوس محمدی کا قیام آپ کا اہم کارنامہ ہے، جلوس محمدی کے لیے آپ نے بینر بنوایا جس پر گنبد خضریٰ کا نقشہ اور یہ شعر تحریر کرایا ۔

آؤ مل کر ہم منائیں عید میلاد النبی
آج کے دن مالک کون ومکاں پیدا ہوئے

اس موقع پر ادری والوں کے لیے یہ نئی چیز تھی ورنہ ربیع النور کو لوگ بارہ وفات سے زیادہ نہیں جانتے تھے، عجیب جوش وخروش کا عالم تھا، گیارہویں شریف میں سرکار غوث الوریٰ کی عظمت شان میں جگہ جگہ تقریریں ہوتیں، جن سے لوگوں نے گیارہویں شریف کی حیثیت کو اچھی طرح جانا، میلاد پاک کا جگہ جگہ اہتمام ان سے اعلیٰ حضرت کا کلام اور ذوق نعت سے حضرت حسن بریلوی کے کلام کی فرمائش کرکر کے پڑھواتے، یہ سارے پروگرام آج بھی اسی طرح ہو رہے ہیں، اس طرح لوگوں میں سنیت کی روح پھونکنے والوں میں آپ کا کوئی ثانی نہیں تھا، اس وقت ادری ومضافات ادری میں سنیت کا جو جلوہ نظر آتا ہے، وہ سب آپ کی دین ہے، مئو ریلوے کے میدان میں تین سال لگا تار سہ روزہ اجلاس پھر وہاں قاضی ٹولہ کے میدان میں ایک اجلاس، یہ سب آپ کی کاوشوں کا نتیجہ تھا، آپ نے پیدل چل چل کر سنیت کے کشت ویراں میں مذہب حق کی جو تخم ریزی فرمائی، اس کا ثمرہ سنیت کے نکھرے ہوئے ماحول میں ہر طرف ہمیں نظر آتا ہے ۔

گونج گونج اٹھے ہیں نغمات رضا سے بوستاں
کیوں نہ ہو کس پھول کی مدحت میں وا منقار ہے

یہی وجہ ہے کہ آپ کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے اس رواں سال میں مدرسہ عربیہ رضویہ ضیاء العلوم ادری کے ارباب حل وعقد نے مورخہ ۱۸؍جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ بروز جمعرات آپ کو "صدرالشریعہ ایوارڈ" سے نواز کر آپ سے دعائیں لیں۔

رب قدیر حضرت استاذ گرامی کا ہم مثل پیدا فرمائے اور ادری کی سنیت کو زندہ و تابندہ رکھے، آمین۔

☆☆☆

از:۔ حضرت مولانا عرش محمد صاحب برکاتی پرنسپل مدرسہ عربیہ ضیاء العلوم ادری

وہ جدا ہم سے ہوئے رب کی مشیت اور تھی
ورنہ ہم کو ان کے جینے کی ضرورت اور تھی

حضرت علامہ الحاج مفتی مجیب الاسلام صاحب علیہ الرحمۃ والرضوان کے وصال کی خبر اس وقت ہم لوگوں کو ملی جبکہ ہم لوگ مارہرہ مطہرہ عرس قاسمی کی بہاروں میں گم تھے، دل مسوس کر رہ گیا، ایسی کوئی صورت نہیں تھی، جس سے جنازے میں شرکت ہو پاتی، بالآخر سوم میں شرکت ہوئی، مدرسہ ضیاء العلوم میں قرآن خوانی کا اہتمام ہوا، بریلی شریف سے مفتی محمد اعظم صاحب اور قریب پاس کے متعدد علما فاتحہ میں شریک رہے، ایصال ثواب کیا گیا اور خراج عقیدت پیش کیا گیا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حضرت ہماری جماعت کے ایک زبردست عالم و فاضل تھے، مدرسہ ضیاء العلوم کے بانی اور اس کے مشیر کار تھے، کسی موقع پر جب بھی یاد کیا گیا، حضرت خود ادارہ تک تشریف لانے کی زحمت فرماتے، ایک بے لوث اور دین پرور شخصیت کے حامل تھے، دل کے بہت صاف تھے، امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں فی زمانہ اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے، کوئی مسئلہ ہو بے روک ٹوک کے بیان کر دیتے، ادری کے جتنے بھی علما ہیں وہ بلا واسطہ یا بالواسطہ آپ کے تلامذہ میں سے ہیں، عامل بالسنہ اور حکم

شرع کے پابند تھے، ادری میں سنیت کے فروغ واستحکام میں ان کا زبردست ہاتھ تھا، حضور مفتی اعظم ہند اور بریلی شریف کا تذکرہ اکثر کرتے، یہ سب محبت کی علامت ہے۔

حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ استاذ گرامی شارح بخاری حضرت علامہ الحاج مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی علیہ الرحمہ کے معاصر تھے، ضیاء العلوم کے سالانہ امتحان میں بھی وہ بحیثیت ممتحن تشریف لاتے اور مدرسین کو مفید مشوروں سے نوازتے، ان کی محفل علمی ہوتی، کسی کسی جملے پر بہت لطف بھی آتا، آج وہ ساری باتیں ذہن پر آتی جارہی ہیں، مگر ان کی خدمت میں ہماری محبت کا تقاضہ یہی ہے کہ ہم ان کی نصیحتوں پر عمل کریں اور ان کے چھوڑے ہوئے مشن کو زندہ پائندہ رکھیں۔

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
حشر میں شان کریمی ناز برداری کرے

☆☆☆

از:۔ حضرت مولانا محمد خورشید عالم صاحب، استاذ مدرسہ عربیہ رضویہ ضیاء العلوم ادری

۸؍نومبر ۲۰۰۹ء کا دن دنیائے سنیت میں غم واندوہ کے ساتھ یاد کیا جائے گا، کہ دنیائے سنیت کے ایک جید عالم دین حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان (مصنف بہار شریعت) کی آخری علمی یادگار حضرت مفتی مجیب الاسلام صاحب نسیم اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۹۴؍سال کی لمبی عمر میں مختصر علالت کے بعد اس فانی دنیا سے آزاد ہو کر داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے اپنے مالک حقیقی سے جا ملے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ان کے انتقال پُر ملال سے دنیائے سنیت کا جو عظیم نقصان ہوا ہے اگر اس کی تلافی ممکن نہیں تو دشوار ضروری ہے۔

حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ باکمال مشائخ (شہزادۂ اعلیٰ حضرت سرکار مفتی

اعظم ہند، حضرت صدرالشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی، حضور حافظ ملت، محدث اعظم پاکستان حضرت مولانا سردار احمد صاحب، محدث جلیل حضرت مولانا خلیل احمد صاحب امروہوی علیہم الرحمۃ والرضوان) کے تربیت یافتہ تھے، صداقت، دیانت، امانت، استغنا اور حق گوئی وبیباکی ان میں کوٹ کوٹ کر کے بھرا گیا تھا۔

آپ نے اہل سنت وجماعت کے وہ کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں اور ایسے تابندہ نقوش چھوڑے ہیں جو ہمارے لیے مشعل راہ ہیں، آپ متبحر عالم، جید مفتی، ماہر استاذ، بہترین ادیب، اچھے شاعر، خوش نویش، معمار سنیت تھے۔

خدائے غفور ورحیم ان کی قبر کو انوار رحمت سے بھر دے، اور ہمیں ان کے فیوض و برکات سے مالا مال فرمائے، **آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔**

☆☆☆

آہ! میرے بڑے ابا

از:۔ ڈاکٹر نقیب الاسلام رضوی (M.D.) اسسٹنٹ ڈائرکٹر (یونانی) سری نگر، کشمیر

میں تقریباً دو دہائیوں سے کشمیر کی گل پوش وادیوں میں زندگی کے لیل ونہار بسر کر رہا ہوں مگر یہاں کی رعنائیوں میں بھی وطن، اہل وطن بالخصوص اعزہ واقربا کی یادیں پردہ ذہن سے محو نہ ہوسکیں، والدین کریمین کے ساتھ جس مشفق ومہربان ذات کی تابناک یادیں میرے صحیفۂ حیات کا درخشاں باب بن چکی ہیں، حضرت علامہ مفتی مجیب الاسلام صاحب کی عظیم علمی شخصیت جنھیں میں بڑے ابا کے نام سے یاد کرتا ہوں۔

۸/نومبر ۲۰۰۹ء کی صبح کتنی الم انگیز تھی، جب آپ کے سانحۂ ارتحال کی خبر میرے قلب وجگر پر بجلی بن کر گری اور آشیانۂ صبر وشکیبائی کو تاراج کر گئی، ہائے کم نصیبی! طویل مسافت نے آخری دیدار اور نماز جنازہ کی سعادت سے محروم رکھا، غم واندوہ کا

طوفان جب ذرا تھما، پردہ ذہن پر ماضی کی یادوں کے زریں نقوش ابھرنے لگے اور گھنٹوں تک اسی کیفیت سے دوچار رہا، آپ کی شفقتیں، عنایتیں، انداز تعلیم و تربیت، علمی و قلبی جدو جہد، اصلاحی و تنظیمی سرگرمیاں، شب و روز کے معمولات، گھریلو زندگی کے واقعات، ایک ایک کرکے یاد آتے رہے، جو داستان پارینہ نہیں بلکہ داغہائے سینہ بن گئے اور انھیں چراغوں کی روشنی میں زندگی کا سفر تمام ہوگا۔

بڑے ابّا حضور اپنے اولاد و احفاد کی طرح مجھ پر بچپن ہی سے شفقت و کرم فرمایا کرتے تھے، جب نوشت و خواند کے لائق ہوا تو انھیں کے زیر سایہ مدرسہ امجدیہ میں تعلیم کا آغاز ہوا، ان کی نگاہ التفات نے میرے سادہ لوح قلب و ذہن پر اسلام و ایمان اور علم کا گہرا نقش ثبت کیا، وہ مدرسہ کے علاوہ گھر پر بھی میری ذہنی تربیت اور نگہداشت کا بطور خاص خیال رکھتے، کالج کا زمانہ ہو یا مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں تعلیم کا دور، یا فراغت علم کے بعد کشمیر میں ملازمت کا عہد، ہمیشہ وہ ایک مشفق مربی کی طرح میری تعلیمی جدو جہد اور سرگرمیوں سے باخبر اور مخلصانہ مشوروں سے نوازتے رہے، ان کا بے پایاں کرم ہی تھا کہ انھوں نے مجھے اپنی اولاد کی طرح جانا مانا، وہ میری کامیابیوں سے باغ باغ ہوجاتے اور میری مشکلات سن کر ملول، مگر میری استقامت اور حوصلہ مندی کے لیے دعاؤں سے نوازتے، علی گڑھ ہو یا کشمیر جب بھی میں گھر جاتا تو ان کی خدمت میں بار بار حاضری دیتا، دینی مسائل، سیاسی امور، دور حاضر کے مباحث ان حضور پیش کرتا، اپنے شکوک و شبہات ظاہر کرتا، وہ بڑی شفقت و نرمی کے ساتھ میرے سوالوں کے جوابات عطا فرماتے اور میرے شبہات کا دلائل و براہین سے ازالہ فرماتے، اگر وہ ادری سے باہر ہوتے میری آمد کی خبر پاتے تو خود زحمت فرما کر ادری آجاتے، ان کی کرم فرمائی، خلوص، شفقت اور دعاؤں کا ثمرہ ہے کہ آج میں کسی قابل ہوا۔

مولائے قدیر انھیں جنت الفردوس میں مقام بلند عطا فرمائے اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے، آمین۔

ناقابل تلافی نقصان

از:۔ ڈاکٹر محبّ الحق قادری، گھوسی ضلع مئو۔ یوپی

حضور شارح بخاری اور حضرت مولانا مجیب الاسلام علیہما الرحمہ کے تعلقات زمانۂ طالب علمی ہی سے تھے اور یہ تعلق بریلی شریف کے زمانۂ قیام میں مزید مستحکم ہوگیا، جو آخر دم تک قائم رہا، اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب کو غریق رحمت فرمائے اور ان کے روحانی فیوض و برکات سے مستفیض فرمائے۔

رضوی دارالافتا بریلی شریف کے پرانے بادہ خواروں میں شارح بخاری اور حضرت مفتی صاحب بھی تھے، حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہ العزیز کی علمی، جلال و جمال والی شخصیت سے خوب استفادہ کیا اور اس میخانۂ علم وتقویٰ میں ایسے شرابور ہوئے جس کا نشہ آخر تک نہیں اترا، **الحب فی اللّٰہ والبغض فی اللّٰہ** کے مظہر، اس کے حامی و طرفدار، **اشداء علی الکفار ورحماء بینھم** کی چلتی پھرتی تفسیر بن گئے تھے، دونوں بزرگوں کی شخصیت و کردار میں غیر معمولی مشابہت پیدا ہوگئی تھی، دونوں کے مزاج، لباس، علم وفکر میں مماثلت، چال ودھال میں تو ایسی مماثلت تھی کہ جب وہ کالی شیروانی پہن کر غریب خانہ تشریف لاتے، میرے ساتھی بول اٹھتے وہ دیکھو تمہارے ابا آگئے، مدتوں ہی حضرت مفتی اعظم ہند کے زیر تربیت رہے، دونوں مفتی اعظم ہند کے والہ وشیدا اور ان کے نقش قدم کا اتباع کرنے والے تھے، دونوں ہی نے اپنی پوری زندگی علم دین کی خدمت اور سنیت کی بقا و سالمیت کے لیے پر خلوص جدوجہد کرتے رہے، ان کے غیرت ایمان نے گستاخان رسول سے کسی بھی قسم کا تعلق کبھی گوارا نہیں فرمایا، مگر اپنوں میں رشتہ داروں، قرابتداروں میں علامہ اقبال کے اس شعر کے مانند ؎

رزم حق و باطل میں شمشیر ہے مومن ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم

حضرت مفتی صاحب کی زندگی خدمت دین کے لیے وقف تھی، حاصل جلیل ہوتے ہوئے بھی وہ بنیادی تعلیم وتربیت پر توجہ فرمائی، بڑے عالم ہوتے ہوئے بھی کبھی بڑا جتانے کی فکر نہیں کی، آج کے فارغین وفاضلین کی طرح کسی مناسب جگہ کی تلاش میں نہیں رہے بلکہ مناسب جگہ خود بنائی اور دوسروں کو بھی خدمت علم اور تبلیغ دین میں اپنا شریک وسہیم بنایا، وہ عظیم مفتی، مدرس، قلمکار، شاعر تھے۔

انھوں نے خدمت علم کے ساتھ فتویٰ نویسی کا بھی محبوب شغل پوری عمر جاری رکھا، بلا شبہ وہ ایک محتاط عالم دین اور مستند مفتی وفقیہ تھے، یہ باتیں از راہ عبارت آرائی نہیں لکھ رہا ہوں بلکہ بریلی شریف کے رضوی دارالافتا کے وہ رجسٹر جو حضور مفتی اعظم ہند کے زمانے کا لکھا ہے، میں اس میں خود انتہائی خوبصورت رائٹنگ میں ان کے ہاتھ کے فتاوے لکھے ہوئے موجود ہیں، دوران درس عظیم علما کی جماعت ان کی شاگرد رہی ہے، ان کے مضامین جو ماہنامہ ''نوری کرن بریلی'' و''پاسبان الہ آباد'' وغیرہ میں شائع ہوئے، ان کے پڑھنے کے بعد اہل فکر ودانش ان کے علم وفکر کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

آپ کے سانحۂ وفات سے ایک ایسا خلا پیدا ہو گیا ہے جس کی تلافی ناممکنات سے ہے۔

ع مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ تجھے

☆☆☆

نذرانۂ عقیدت

وہی تو بادِ بہاری کا گلستاں نہ رہا

از:۔ حضرت مولانا مرغوب حسن قادری ادروی

رضا و مفتی اعظم کا مدح خواں نہ رہا　　کریم، مشفق و محسن تو مہرباں نہ رہا
وہ جس کے دم سے ہے ادری کی سنیت میں بہار　　وہی تو بادِ بہاری کا گلستاں نہ رہا
☆☆☆
اسی سے دوست و دشمن کو تول لیتے تھے　　اسی نے ہم کو دیا تھا شعور فکر و عمل
کسی نے آنکھ اٹھائے جو سنیت پہ کبھی　　تو بڑھ کے اس کی کلائی مروڑ لیتے تھے
☆☆☆
اسی سے آج ہے ہر سمت دین کا جلوہ　　اسی سے ادری بنا آج روضۃ العلما
اسی سے غوث کو خواجہ کو ہم نے جانا ہے　　اسی سے نام کا ان کے لگاتے ہیں نعرہ
☆☆☆
سبھی نے آ کے جھکائی ہے در پہ لوحِ جبیں　　ہیں جتنے چھوٹے بڑے سب ہیں ان کے خوشہ چیں
دیا ہے درسِ کتب اس نے اس سلیقے سے　　کہ آج بھی ہمیں حاصل ہے جس سے فوز مبیں
☆☆☆
تمھارے لب سے ہوئے کتنے انحصار نہیں　　فتاوے کتنے لکھے اس کا کچھ شمار نہیں
قدم قدم پہ وہ تنبیہ کرتے لوگوں کو　　وہ خیر امت مرحومہ تھے شرار نہیں
☆☆☆
مگر کہیں نہ کہیں وہ بھی خار ہوتے ہیں　　بہت سے یوں تو جہاں میں شمار ہوتے ہیں
بلندیوں پہ ہمیں لے کے جو اڑے پیہم　　اسی پہ قلب و جگر سب نثار ہوتے ہیں
☆☆☆

بناوٹوں سے وہ ہر لمحہ بے نیاز رہے　　خدا گواہ کہ ہر وقت با نماز رہے
ہمیشہ پیش نظر ان کے حکم شرع رہا　　وہ کرتے کام وہی جس میں کچھ جواز رہے

☆☆☆

عجیب مرد خدا تھے وہ دین کی خاطر　　کہ جس کی زندہ مثالیں ہیں چارسو ظاہر
کبھی نہ لب پہ کوئی لفظ بددعا آیا　　وہ دشمنوں پہ بھی رکھتے زبان کو طاہر

☆☆☆

اداس اداس سی راہیں فضا اداس لگے　　ہے آنے جانے کا اک سلسلہ اداس لگے
دوائے دل جو دیا کرتے غم کے ماروں کو　　وہ کیا گئے کہ ہر اک مدعا اداس لگے

☆☆☆

وہ ہر مقام پہ آئیں گے یاد رہ رہ کر　　معمہ جب بھی بنے گا جو کوئی مسئلہ تر
خدا انھیں نگہہ التفات میں رکھے　　دعا ہے بندۂ مرغوب کی یہ شام وسحر

☆☆☆

گل زیبا

از:۔ جناب ماسٹر اقبال احمد صاحب اعظمی ایم، اے، گھوسی، مئو

اے سپہر علم کے ماہ منور السلام
السلام اے وارث محبوب داور السلام

اے گل زیبائے باغ حضرت امجد علی　　درس علم دین کا تو نے دیا تازندگی
تیرے علم وفضل کی شاہد ہے موجودہ صدی　　السلام اے عالم دین پیمبر السلام

اے سپہر علم کے ماہ منور السلام
السلام اے وارث محبوب داور السلام

مفتیٔ بے مثل اقلیم سخن کے تاجدار　　اے کہ تو قاری محدث علم وفن کے شاہکار

تیرے غم میں ہے جہان اہل سنت سوگوار　　السلام اے ملت بیضا کے رہبر السلام
اے سپہر علم کے ماہ منور السلام
السلام اے وارث محبوب داور السلام
سادہ دل سادہ مزاج وسادہ لوح وبا اصول　　تیری نظروں میں کلاہ وتخت شاہی مثل دھول
تیرے لب پر تھا سدا ذکر خدا ذکر رسول　　السلام اے چرخ علم دیں کے خاور السلام
اے سپہر علم کے ماہ منور السلام
السلام اے وارث محبوب داور السلام

☆☆☆

آہ! خلیفۂ مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ

از:۔ جناب مولانا محمد قاسم مصباحی ادروی

آہ! اک مرد خدا رخصت ہوا　　سنیت کا پیشوا رخصت ہوا
چل بسا اک مفتی دین متیں　　اک فقیہ و پارسا رخصت ہوا
عالم و زاہد، مدرس بے مثال　　پیکر صدق و صفا رخصت ہوا
جو تھا حق گوئی میں خود اپنی مثال　　آہ! وہ حق آشنا رخصت ہوا
نیک سیرت، نیک صورت، خوش مزاج　　خوش خصال و خوش ادا رخصت ہوا
امر بالمعروف میں تھا بالیقیں　　مظہر ابن رضا رخصت ہوا
مفتی اعظم کا وہ نور نظر　　یاد گار بوالعلا رخصت ہوا
مسلک احمد رضا کا ترجمان　　ناشر فکر رضا رخصت ہوا
ہو گئے ہم سے جدا مفتی مجیب　　چین سارا قلب کا رخصت ہوا
عکس اسلاف آتا تھا جس میں نظر　　وہ مزکیٰ آئینہ رخصت ہوا
داغ فرقت دے کے قاسم آہ آہ!
ہم سے مشفق رہ نما رخصت ہوا

مشعل راہ

از:۔ محمد عاصم اعظمی

چلے ہیں چھوڑ کے ہستی نسیمؔ سوئے عدم
خدا کرے کہ رہے ہمسفر ہوائے ارم

چراغ راہ ہدایت تھا تیرا نقش قدم
تیرے وجود سے قائم تھا سنیت کا بھرم

ہر آبگینۂ دل میں تیری وفا کی جھلک
تمہاری یاد میں اب چشم اہل دل ہے نم

تیرے وجود کی تابانیوں سے روشن تھے
چراغ فکر و نظر اور بساط لوح و قلم

خدا نے کردیا ہے بے نیاز ہر غم سے
نہیں ولیِ خدا کو ذرا بھی رنج و الم

جھکا سکا نہ کبھی دشمنِ رسول کوئی
تمہارے دست مقدس سے علم وفن کا علم

تو علم و فضل و عمل کا عظیم تھا منار
مگر اٹھایا نہ سر تونے بہر جاہ و حشم

کبھی نہ لوٹ کے آئے گا بزم امکاں میں
تمہاری سیرت و خدمت ہمیشہ ہوگی رقم

جو نقش ہوگئے احساس آج کاغذ پر
نبی کا فیض ہے عاصمؔ خدا کا لطف و کرم

☆☆☆

نائب صدر شریعت چل بسے

از: نجم الہدیٰ قادری ادروی

مظہر مفتیٔ اعظم دے کے فرقت چل بسے
بالیقیں اک نائب صدر شریعت چل بسے

تھے وقار سنیت ادری کی خاطر روز وشب
کر کے خدمت دین کی وہ شان ملت چل بسے

اہل باطل کے جگر بس نام سے لرزاں رہے
آہ! وہ مرد مجاہد دیں کی عظمت چل بسے

مدحت سرکار تھا ان کا نرالا مشغلہ
زندگی بھر کرتے کرتے انکی مدحت چل بسے

نجم ان کے غم میں ہے پورا علاقہ سوگوار
کیوں نہ ہو محسن تھے وہ سنی امانت چل بسے

افکار

حضرت مفتی مجیب الاسلام نسیم اعظمی علیہ الرحمہ کے مضامین ومقالات کا انتخاب

(۱) شہنشاہ طیبہ کی مثلیت کا ناپاک تخیل

حد اعتدال سے تجاوز یا تنزل ہی کا دوسرا نام کفر، ضلالت، فسق ہے، کبھی انسان کے غلط تخیل کی بلند پروازی اس منزل پر پہنچ جاتی ہے، جس کی وجہ سے اس کو دنیا میں فرعون، نمرود، ہامان، شداد، مسیلمہ کذاب، غلام احمد، مختار بن فلفل کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، درحقیقت یہ اسما ہیں، مگر ان میں سے بعض نام والوں کی غیر معمولی شقاوت و شناعت اور انتہائی تمرد وسرکشی کی وجہ سے ان کے نام کو ایک وصف قبیح اور لقب شنیع کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے، کبھی انسانی تخیل کا تنزل وانحطاط اس کو ایسے گہرے کھڈ اور عمیق گڈھے میں ڈال دیتا ہے، جس سے اس کو فرقہ ناریہ جبریہ کا لقب دیا جاتا ہے، سیدنا عیسیٰ وعزیر علیہما السلام کے فضل وکمال اور محیر العقول اعمال وافعال کو دیکھ کر ان کی مقدس تعلیمات کے خلاف ان کو خدا اور معبود کہہ کر طوق ضلالت گلے میں ڈالا گیا اور مسیلمہ کذاب وغیرہ کی شعبدہ بازیوں اور ان کے فریب کارانہ تماشوں سے دھوکا کھا کر ان کو نبی اور رسول تسلیم کرلیا گیا اور کفر کی تاریک وادی میں جا گرے اور کبھی انبیا ورسل کے مدارج عظمت اور مناصب وکرامت اور ان کے معجزات وخوارق عادات سے قطع نظر کرتے

ہوئے ان کے ظاہری بشرہ کو دیکھ کران کو عام انسانی سطح پر لاکر بڑے بھائی اوراپنے جیسا بشر کہہ کر خائب وخاسر ہوئے، یہ سارا کفروشرک کہاں سے آیا، انھیں دونوں غلط تخیل اور باطل اندازفکراورناپاک جذبات کی پیداوار ہے، خلاف اعتدال جب کوئی طریق عمل بنایا گیا، اس کالازمی اور واجبی یہی ثمرہ اور یہی نتیجہ ہوا، جہاں کمیونزم اور نیچریت کی آندھی سنسنارہی ہے، وہاں شہنشاہ طیبہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مثلیت کا خواب ہی نہیں دیکھا جاتا، بلکہ پریس کی عظیم طاقت کے بل بوتے پراس سلسلہ میں بڑے بڑے مقالے سپرد قلم کیے جاتے ہیں، انھیں میں بزعم خویش کوئی مجاہد ملت، شیخ الاسلام، کوئی حکیم الامۃ، قاسم العلوم بنا، سبحان اللّٰہ۔

ع چوں کفراز کعبہ برخیزد کجاماند مسلمانی

شہنشاہ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے مثل ہیں، ان کو بڑے بھائی کا درجہ دینا چاہیے، یہ ان لوگوں کا بنیادی عقیدہ ہے،

امام الطائفہ مولوی اسمٰعیل دہلوی کی ایمان سوز تصنیف ''تقویۃ الایمان'' کی چند عبارتیں ملاحظہ فرمائیں، صفحہ۳۳ کسی کام میں نہ بالفعل ان (انبیا دمحبوبان خدا) کو دخل ہے نہ اس کی طاقت رکھتے ہیں، صفحہ۴۷ جس کا نام محمد یا علی ہے، وہ کسی چیز کا مختار نہیں، صفحہ۶۶ رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا، صفحہ۶۸ پر ہے، انسان آپس میں سب بھائی ہیں جو بڑا بزرگ ہووہ بڑا بھائی ہے سواس کی بڑے بھائی کی سی تعظیم کیجیے۔

یہاں بڑے سے مرادانبیاواولیا ہیں، جیسا کہ اس کے بعد لکھا ہے، جتنے اللہ کے مقرب بندے ہیں، وہ سب انسان ہی ہیں اور بندے عاجز اور ہمارے بھائی، افضل المخلوقات سرور کائنات فخر موجودات سارے عالم میں بے مثل وبے نظیر حضور شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام فضائل وکرامات کو بزعم خویش مٹا کر برادری اور بھائی بندی کارشتہ گڑھا، تاکہ قلوب عوام سے احترام نبوی حرف غلط کی طرح مٹ جائے اور جاہلیت عرب کا مذموم اورناپاک ڈرامہ بساط عالم پر کھیلا جاسکے۔

حضور ہمارے جیسے بشر تھے اس ناجائز و ناروا سراسر مخالف شریعت اعتقاد فاسد و باطل کو ہم عقل و نقل دونوں کی میزان پر تولنا چاہتے ہیں، پھر فیصلہ بڑی آسانی سے خود بخود واضح اور روشن ہو جائے گا، مثلیت سے طائفہ نجدیہ کی کیا مراد ہے، اگر محض اس مناسبت سے مثلیت کا دعویٰ ہے، کہ ہماری طرح ہاتھ، پاؤں، چہرہ، آنکھ، ناک، سرکار کے جسم مقدس میں بھی ہیں یا سرکار بھی صاحب جسم ہیں، محض اتنی مناسبت سے مثلیت کا مفہوم صحیح ہو گیا اور دعویٰ اخوۃ جواز پا گیا تو پھر یہ لوگ برا نہ مانیں غیظ و غضب میں تیوری نہ چڑھ جائے، اگر کوئی شخص اس سے یہ نتیجہ اخذ کرے کہ خنزیر کے بھی ہاتھ پاؤں، ناک، کان، آنکھ ہیں اور طائفہ نجدیہ کے لیے بھی وہ بھی صاحب جسم ہے اور طائفہ نجدیہ بھی صاحب جسم ہے، فرعون و نمرود و ہامان و شداد کے لیے بھی یہ چیزیں ثابت ہیں، لہذا طائفہ نجدیہ مثل خنزیر یا مثل فرعون و نمرود و ہامان و شداد ہے، اس سے کیا یہ طائفہ چراغ پا نہ ہوگا، پھر جہاں سرکار کی مثلیت کا دعویٰ صفحۂ قرطاس پر آتا ہے، زبان پر جس کی رٹ جاری ہے، جس سے ہزاروں اسٹیج کو ناپاک کیا جا چکا ہے، یہ بھی تحریر و تقریر میں ضرور آنا چاہیے اور طائفہ کی طرف سے بہانگ دہل اعلان عام ہونا چاہیے کہ ہم خنزیر فرعون، ہامان، شداد کی طرح ہیں، ایسا اس طائفہ نے نہیں کیا، معلوم ہوا کہ واقعی اس کے نزدیک دامن ناموس طائفہ پر توہین و تنقیص کا بدنما داغ ہوگا، تو کیا اس میں توہین رسالت اور تنقیص شان نبوت نہیں، عام مکانوں میں لگائے جانے والے معمولی پتھر کو لعل بدخشاں اور یاقوت و عقیق کی طرح کہا جا سکتا ہے؟ حالانکہ حقیقت و ماہیت دونوں کی ایک ہے، اتنی عظیم مناسبت کے باوجود کوئی ان دونوں کی مثلیت کا دعویٰ نہیں کرتا، مٹی اور سونا دونوں کا ماخذ اور مخرج ایک ہی ہے، کیا کوئی سفیہ سے سفیہ تر بھی ان دونوں کی مثلیت کا جاہلانہ تصور قائم کرے گا۔

معلوم ہوا کہ محض ظاہری بشرہ کی مناسبت سے مثلیت کا قول نہ کیا جائے گا، مزید یہ کہ اتنے سے مثلیت کا دعویٰ کیوں کر صحیح ہوگا، جبکہ کالا، گورا، کانا، انکھیارا، لنگڑا،

مریض، تندرست، ہندی، پاکستانی، شہری، دیہاتی، جنگلی کو ہی ہر ایک یہی دعویٰ کرے کہ سرکار ہمارے مثل ہیں، تو یہ صفات متضادہ کے ساتھ کیوں کر صحیح ہوسکتا ہے، ایک شئے صفات متضادہ اور عوارض متباینہ کے ساتھ کیسے موصوف ومعروض ہوسکتی ہے، رب تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ سے مومن بھی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے **کل مومن اخوۃ** تمام مومن بھائی بھائی ہیں، لفظ مومن کی مناسبت موجود ہے تو پھر رب تعالیٰ سے بھی برادری کا رشتہ اس طائفہ کو جوڑنا چاہیے، اس ضابطہ فاسدہ سے تو وہ بھی بھائی بن گیا، **العیاذ باللّٰہ تعالیٰ و تعالیٰ اللّٰہ عن ذلک علوا کبیرا و ذاتہ منزہ عن المثل تنزیھا کثیرا**، مثلیت کا دعویٰ کر کے کتنی خطرناک دلدل میں پھنسنا ہے، کیا پنڈت جواہر لال نہرو وزیر اعظم ہند اور بھارت کا سب سے بدچلن خونخوار ظالم و جابر ڈاکو محض بشرہ کے تناسب سے مماثل کہے جائیں کیا اس میں وزیر اعظم کی توہین شدید نہیں یقیناً ہے، تو پھر شہنشاہ طیبہ کی مثلیت کا قول کس ضابطہ اور کس قاعدہ سے درست ہوگا۔

بفرض غلط اگر یہ حقیقت بھی ہو تو ہر حقیقت کی تعبیر وتلفظ سماج اور شریعت دونوں کی نگاہ میں قبیح اور ناقابل عفو جرم ہے، معبر واجب التعزیر ہے، مثلاً کوئی اپنی والدہ محترمہ سے کہے کہ اے باپ کے ساتھ سونے والی یا اس سے واضح الفاظ کے ساتھ اپنی ماں کو یاد کرے تو کیا یہ خلاف حقیقت ہے ہرگز نہیں، مگر یہ گھناؤنا عنوان یقیناً مذموم اور کریہہ تر ہے اور کہنے والا سخت گستاخ اور بےادب ہے، سرکار والا تبار خیر الاخیار صلی اللہ علیہ وسلم بے شک خلاف بشریت اور انسانی شکل وصورت میں مبعوث کیے گئے، مگر حقیقت محمدیہ سوائے خالق کون ومکاں کوئی نہیں جانتا، خود ارشاد نبوی ہے **یا ابا بکر لم یعرفنی حقیقتی غیر ربی** یعنی اے ابوبکر میری حقیقت میرے رب کے سوا کوئی نہیں جانتا، اتنی گفتگو کے بعد عقل ودرایت کا بھی یہی تقاضہ ہے، سرکار ہرگز ہمارے جیسے بشر نہیں بلکہ محض بشر کہنا خلاف شان سرکار ہے۔

نگاہ شریعت میں مثلیت کا تصور کیا درجہ رکھتا ہے، آیئے سب سے پہلے ام الکتاب قرآن عظیم سے استفتا کریں، ارشاد ربانی ہے قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالاَرْضِ يَدْعُوكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِنْ ذُنُوبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُسَمًّى قَالُوْا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ آبَآؤُنَا یعنی ان کے رسولوں نے کہا کیا اللہ میں شک ہے، آسمان وزمین کا بنانے والا تمھیں بلاتا ہے کہ کچھ تمہارے گناہ بخشے اور موت کے مقرر وقت تک تمھاری زندگی بے عذاب کاٹ دے، بولے تم تو ہمیں جیسے آدمی ہو، تم چاہتے ہو کہ ہمیں اس سے باز رکھو جو ہمارے باپ دادا پوجتے تھے۔

انبیائے سابقین کے زمانے کے کافروں نے کہا کہ تم ہمارے جیسے بشر ہو معلوم ہوا کہ یہ مقولہ کفار ومشرکین کا ہے اور وہی اس عامی لفظ کو اپنے اپنے زمانے کے انبیا و رسل کے لیے استعمال کرتے تھے، وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ اور بے شک ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا تو اس نے کہا اے میری! قوم اللہ کو پوجو اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں تو کیا تمھیں ڈر نہیں تو اس کی قوم کے جن سرداروں نے کفر کیا، بولے یہ تو نہیں، مگر تم جیسا آدمی چاہتا ہے کہ تمہارا بڑا بنے اور اللہ چاہتا تو فرشتے اتارتا ہم نے تو یہ اپنے اگلے باپ دادوں میں نہ سنا، وقال الملأ من قومه الذين كفروا و كذبوا بلقاء الآخرة واترفناهم في الحيٰوة الدنيا ما هٰذا الا بشر مثلكم يا كل مما تاكلون منه و يشرب مما تشربون ولئن اطعتم بشرا مثلكم انكم اذ الخسرون یعنی اور بولے اس قوم (عاد) کے سردار جنھوں نے کفر کیا اور آخرت کی حاضری کو جھٹلایا اور چین دیا ہم نے ان کو دنیا کی زندگی میں کہ یہ تو نہیں مگر تم جیسا آدمی جو تم کھاتے ہو اسی

میں سے کھاتا ہے اور جو تم پیتے ہو اسی میں سے پیتا ہے اور اگر تم کسی اپنے جیسے آدمی کی اطاعت کرو، جب تو تم ضرور گھاٹے میں ہو فَقَالُوْا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ تو بولے (آدم بنی اسرائیل) کیا ہم ایمان لے آئیں اپنے جیسے دو آدمیوں موسیٰ و ہارون علیہما السلام پر اور ان کی قوم ہماری بندگی کر رہی ہے (یعنی بنی اسرائیل ہمارے زیر فرمان ہیں تو کیسے گوارا ہو سکتا ہے کہ اسی قوم کے دو آدمیوں پر ایمان لا کر ان کے مطیع بن جائیں) اذا ارسلنا الیھم اثنین فکذبوھما فعززنا بثالث فقالوا انا الیکم مرسلون قالوا ما انتم الا بشر مثلنا وما انزل الرحمٰن من شئی ان انتم الا تکذبون جب ہم نے ان (اہل انطاکیہ) کی طرف دو بھیجے پھر انھوں نے ان کو جھٹلایا تو ہم نے تیسرے سے زور دیا اب ان سب نے کہا کہ بے شک ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں، بولے تم تو نہیں مگر ہم جیسے آدمی اور رحمٰن نے کچھ نہیں اتارا، تم نرے جھوٹے ہو ما لھٰذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق لولا انزل الیہ ملک فیکون معہ نذیرا او یلقی الیہ کنزا و تکون لہ جنۃ یاکل منھا یعنی اور کہا (کفار قریش نے) اس رسول کو کیا ہوا کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے کیوں نہ اتارا گیا ان کے ساتھ کوئی فرشتہ کہ ان کے ساتھ ڈر سناتا یا غیب سے ان کو کوئی خزانہ مل جاتا یا ان کا کوئی باغ ہوتا جس میں سے کھاتے، اس قول کفار میں وہی مثلیت کا تصور ہے۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰىٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا اور نہیں منع کیا لوگوں کو ایمان لانے سے جبکہ ان کے پاس ہدایت آئی، مگر یہ کہ کہا لوگوں نے کہ کیا بھیجا ہے اللہ نے بشر کو رسول بنا کر وَاَسَرُّوا النَّجْوَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ اور ظالموں نے آپس میں خفیہ مشورہ کیا، کہ یہ کون ہیں، ایک تمھیں جیسے آدمی تو ہیں، کیا جادو کے پاس جاتے ہو دیکھ بھال کر۔ کافروں نے صیغۂ راز میں رکھتے ہوئے یہ بات کہی

کہ تم ہمارے جیسے بشر ہو اور دور حاضرہ میں کھلم کھلا بالاعلان کہا اور چھاپا جاتا ہے کہ وہ ہمارے جیسے بشر ہیں۔

ہم نے جتنی آیات کریمہ پیش کیں، جس میں یہ مضمون ہے کہ رسول ہمارے جیسے بشر ہیں، یہ سب سورۂ ابراھیم، مومنون، یٰسٓ، مریم، فرقان، بنی اسرائیل کی آیتیں ہیں اور یہ تمام سورتیں مکی ہیں، ان آیات میں خود قرآن عظیم کی شہادت موجود ہے کہ یہ مقولہ کفار ومشرکین ہے، کہ آپ ہمارے جیسے بشر ہیں، کہیں قوم بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہیں قوم نوح نے حضرت نوح علیہ السلام سے کہیں قوم عاد وصالح نے اپنے نبیوں سے کہیں مشرکین مکہ نے تاجدار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے، یہ کہیں سے ثابت نہیں ہے کہ صحابہ کرام نے بھی کسی وقت کہا ہو کہ آپ ہمارے جیسے بشر ہیں، اَبَعَثَ اللّٰہُ بَشَراً رَّسُوْلًا کی تفسیر میں معالم التنزیل میں ہے اَرَادَ اَنَّ الْکُفَّارَ کَانُوْا یَقُوْلُوْنَ لَنْ نُّؤْمِنَ لَکَ لِاَنَّکَ بَشَرٌ وَهَلْ لَابَعَثَ اللّٰهُ اِلَیْنَا مَلَکًا یعنی اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی مراد یہ ہے کہ ان کافروں کو جواب دے جو ہمیشہ یہی کہتے تھے کہ ہم ایمان نہیں لائیں گے، اس لیے کہ آپ بشر ہیں اور کیوں نہیں اس نے ہماری طرف فرشتہ کو مبعوث کیا، علامہ مفسر نے کانوا یقولون کہہ کر تصریح فرمادی کہ کفار ومشرکین کا یہ شیوہ اور ان کی عادت جاریہ تھی کہ وہ رسول کو بشر کہتے تھے۔

معلوم ہوا کہ سرکار کو صرف بشر کہنا بھی شعار کفار ہے، بشر کہنے کے جواز میں یہ آیت کریمہ پیش کی جاتی ہے، حالانکہ اس آیت سے استدلال باطل ہے، اول تو مفسرین نے فرمایا کہ یہ تعلیم تواضع ہے، علامہ مفسر آیت کے تحت فرماتے ہیں قال ابن عباس علم اللّٰہ رسولہ التواضع یعنی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو تواضع کی تعلیم دی، معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص الفاظ بطور تواضع استعمال کرے تو دوسرے کو جائز نہیں کہ ان الفاظ تواضع سے یاد کرے، مثلاً مولوی حسین

احمد اجودھیا باشی نے ہمیشہ اپنے نام کے ساتھ ننگ سلف لکھا بلکہ اپنے شجرہ صفحہ ۱۳ پر ظلوم و جہول صفحہ ۴۴ پر خاکروب لکھا، تو کیا طائفہ وہابیہ کی طرف سے اجازت ہے کہ ان کو ہر شخص ننگ سلف یا ظلم و جاہل و خاکروب کہے، دوسرے یہ کہ آیت کریمہ میں صرف **بشر مثلکم** پر اکتفا نہ کیا گیا، بلکہ ساتھ ساتھ ان کا ایک وصف حسن بھی بیان کیا گیا اور کور چشموں کے لیے تنبیہ فرمائی گئی کہ تم ان کو اپنے جیسا نہ کہو، بلکہ یہ وہ ہیں، جن کی بارگاہ میں جبریل امین فرمان احکم الحاکمین لاتے ہیں، ایک نکتہ یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کو دیکھ کر انھیں معبود کہہ دیا گیا اور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم تو وہ ہیں کہ تمام انبیا کے معجزات و کمالات ذات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جمع ہیں۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری　　آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

تو کہیں ایسا نہ ہو کہ دنیا ان کے فضائل و کمالات کو دیکھ کر الوہیت کا درجہ دے، لہٰذا فرمایا گیا کہ یہ خدا نہیں بلکہ بشر ہیں مگر ایسے بشر کہ ان کی طرف وحی کی جاتی ہے، تیسرے یہ کہ قرآن میں ہونے کی وجہ سے اگر درجۂ جواز مل گیا تو قرآن مجید میں یہ آیت کریمہ بھی ہے **لا الہ الا انت سبحنک انی کنت من الظلمین** سیدنا حضرت یونس علیہ السلام نے شکم ماہی میں یہ دعا فرمائی کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو سبحان اور پاک ہے، بیشک میں ظالمین سے ہوں، کیا طائفہ وہابیہ اس مقدس و منزہ خدا کے پیارے نبی سیدنا حضرت یونس علیہ السلام کو ظالم کہہ کر اپنی ناپاک ذہنیت کا مظاہرہ کرے گا، دوسری آیت بھی پیش نظر رہے **ولا تقربا ھذہ الشجرۃ فتکونا من الظلمین** اے آدم و حوا! تم دونوں اس درخت کے پاس نہ جانا کہ ظالم ہو جاؤ گے **فازلھما الشیطن عنھا فاخرجھما مما کانا فیہ** پس ابلیس لعین سبب لغزش بنا اور ان دونوں کو جنت سے الگ کرایا، کیا کسی نجدی کی جرأت ہے کہ ابو البشر سیدنا آدم علیہ السلام کو ظالم کہے اگر نہیں تو کیوں عقل سلیم کے پیچھے ڈنڈا لے کر دوڑتے ہیں، آپ کے محامد رفیعہ و خصال حمیدہ کے لیے ان کے رب نے جو القاب سکھائے، ان سے کیوں

اغماض کیا جاتا ہے، قرآن حکیم آپ کی عظمت وعزت کا خطبہ ہے، اس سے پوچھو کن خطابات حسنیٰ سے یاد فرماتا ہے اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ہم نے آپ کو شاہد اور بشارت اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا، قَدْ جَاءَکُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ تحقیق اللہ کی جانب سے تمھارے پاس نور آیا، بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَؤُفٌ رَّحِيْمٌ مومنوں کے لیے رؤف ورحیم ہیں، يٰاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ يٰاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ اے کملی اوڑھنے والے، اے جھرمٹ مارنے والے، طائفہ نجدیہ یہ ثابت کرسکتا ہے کہ کسی اپنے مولوی کو کسی نجدی نے اپنے جیسا بشر کہا یا لکھا ہو اپنے غلط بردار مولویوں کی یہ شان وعظمت اور شان رسالت میں وہ خباثت، امام قاضی عیاض رضی اللہ عنہ شفا شریف جلد۲ صفحہ ۹۹ میں فرماتے ہیں فَظَوَاهِرُهُمْ وَاَجْسَامُهُمْ مُتَّصِفَةٌ اَوْصَافِ الْبَشَرِ طَارَعَا عَلَيْهِ مَا يَطْرأ عَلَى الْبَشَرِ مِنَ الْاَعْرَاضِ وَالْاِسْتِقَامِ وَالْفَنَا ولغوت الانسانية وارواجهم وبـاطنهم متصفة باعلىٰ من اوصاف البشر یعنی انبیا کے ظواہر اور اجسام بشری اوصاف کے ساتھ متصف ہیں اور ان پر بشری اعراض و اسقام بیماری موت طاری ہوتے ہیں اور انبیا کی روحیں اور ان کے باطن ایسے اوصاف کے ساتھ متصف ہیں جو بشریت سے اعلیٰ ہیں، جیسا کہ صفحہ ۲۷ پر ہے، جیسا ہر قوم کا چودھری اور گاؤں کا زمیندار سوان معنوں کر ہر پیغمبر اپنی امت کا سردار ہے جتنا تفوق ایک زمیندار کو اپنے اسامی پر ہے خواہ وہ زمیندار مسلم ہو یا کافر، ڈاکٹر ہو یا سب سے بڑا ظالم وجابر یا ایک قوم کے چودھری کو اپنی قوم پر چودھری مسلم کا بھی ہوتا ہے کافر کا بھی بھنگی کا بھی ہوتا ہے چمار کا بھی، بس اتنا ہی تفوق نبی کو اپنی امت پر ہے، معاذ اللہ رب العلمین۔

دامن رسالت پر توہین وتنقیص کا گھناؤنا داغ اس عبارت سے ملاحظہ فرمایئے جو بشر کی سی تعریف ہو سو ہی کرو سو اس میں بھی اختصار ہی کرو، درحقیقت اس سے دل کی گندگی پوری طرح نمایاں ہے، اس کا مفہوم یہ ہے کہ انبیا ورسل کی تعریف وتوصیف کا دروازہ قطعاً بند ہو جائے، محض انسانیت اور بشریت لائق عظمت ہوتی تو فرعون ونمرود،

ہامان و شداد، ابوجہل و ابولہب سب سے زیادہ عزت دار ہوتے، یہ سب اپنی قوم کے سردار تھے، ہرگز ان پر خدائے قہار و جبار کی لعنت نہ ہوتی، نہ ان پر عذاب وطوفان ہوتے، ان پر تباہی و بربادی اس لیے آئی یہ مورد عذاب اسی لیے ہوئے کہ یہ اللہ و رسول کے معاملہ میں نہایت سرکش متمرد و متکبر تھے، خدا اور سول کے دشمن مبین تھے اور جس میں جتنی زیادہ سرکشی ہوگی اسی نوع کے عذاب کا مستحق ہوگا، انسان ہی کے لیے تو قرآن مجید میں ہے کالانعام بل ھم اضل جانوروں کی طرح ہیں، بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ، ثُمَّ رَدَدْنَاهُ اَسْفَلَ سَافِلِيْنَ پھر ہم نے ان کو اسفل السافلین میں ڈال دیا، انسان ہی کے لیے ہے فِی الدَّرْکِ الْاَسْفَلِ سب سے نچلے طبقے میں رہیں گے، اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ انسان گھاٹے اور خسارے میں ہیں، فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ ان ہی کے لیے قہار و جبار کا غضب ہے کہ ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے، ان کے لیے آگ کا عذاب ہے، وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ . هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيْمٍ مَنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ . عتل بَعْدَ ذٰلِکَ زَنِيْمٍ اور اس کی بات نہ مانیں جو بہت قسمیں کھانے والا ہے، ذلیل بہت طعنے دینے والا، بھلائی سے بڑا روکنے والا، حد سے بڑھنے والا گنہگار، درشت خو، اس سب پر طرہ یہ کہ اس کی اصل میں خطا سنسمہ علی الخرطوم قریب ہے، کہ ہم اس کی سور کی سی تھوتھنی داغ دیں گے۔ یہ پروردگار عالم کا غضب کس پر ہے، انسان پر تو ہے۔

معلوم ہوا کہ انسانیت اور بشریت لائق صد ناز قابل صد افتخار وہ ہے جو فرامین الٰہیہ و ارشادات نبویہ کا احترام کرے، پھر صاحب تقویۃ الایمان کا کہنا جو بشر کی سی تعریف ہو سو ہی کرو اس میں بھی اختصار کرو، ان کا مقصد تو مساواۃ بھی نہیں، بلکہ طائفہ وہابیہ کو جو قوت و اختیار ہے، انبیا و رسل کو اتنی قوت بھی تسلیم کرنے کو تیار نہیں جیسا کہ ہم نے عبارات پیش کیں کہ کسی کام میں نہ بالفعل ان کو دخل ہے نہ اس کی طاقت رکھتے ہیں، جس کا نام محمد یا علی ہے، وہ کسی چیز کا مختار نہیں، رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا،

یہ طائفہ کھائے پیئے چلے پھرے دنیا میں ظلم وفساد کرے، انبیا ورسل کی توہین وتنقیص کرے، حرم محترم میں خون خرابہ کرے، مزارات صحابہ پر ہل چلوائے، قبروں کو توڑ کر اپنی عملی اور ذہنی شقاوت کا مظاہرہ کرے، مگر انبیا و رسول کو کوئی اختیار نہیں نہ ان کے چاہنے سے کچھ ہوتا، خرمن ایمان کو خاکستر کرنے والی یہ کتاب ناموس انبیا کو مٹانے میں کتنی کوشش پیہم کررہی ہے مگر۔ ؎

تو مٹائے سے کسی کے نہ مٹا ہے نہ مٹے
جب بڑھائے تجھے اللہ تعالیٰ تیرا

وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ . وَرَفَعَ بَعْضُهُمْ دَرَجٰت شاہد ساطع اور برہان قاطع ہے۔ ؎

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

ارشاد رب العٰلمین ہے مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ نہیں ہیں محمد تم میں سے کسی کے باپ (نسبی) لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور خاتم النبیین ہیں، بھائی کہنے کی دو ہی صورت ہو سکتی ہے، (۱) رشتہ برادری، (۲) دھرم اور مذہب، مالک ومختار سید الابرار صلی اللہ علیہ وسلم کو کس اعتبار سے بھائی کہا گیا، محل ہے کہ رشتہ کے اعتبار سے بھائی نہیں، مذہب کے اعتبار سے بھی اخوۃ قائم نہیں ہو سکتی، ابھی آیت گزری کہ وہ تم میں سے کسی کے باپ نہیں، جب باپ کی ممانعت کردی گئی جو رشتوں سے سب سے زیادہ واجب الاحترام ہے، بھائی کہنے کی اجازت کیوں کر ہو سکتی ہے، خواہ بڑا بھائی یا چھوٹا۔

سیرت صحابہ مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ وہاں بھائی بندی کا کبھی تصور بھی قائم نہ کیا گیا، اس سرکار کا غیر معمولی احترام کرتے ہوئے عرض کرتے بابی انت وامی سرکار پر میرے ماں باپ قربان ہوں، تفسیر مدارک میں ہے قال مجاهد کل

نبی ابو امتہ و لذلک مباد المومنون اخوۃ لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ابوھم فی الدین یعنی مجاہد نے کہا کہ ہر نبی اپنی امت کا باپ ہے، اس لیے تمام مسلمان آپس میں بھائی ہیں، اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے دینی باپ ہیں، مثلیت کا خواب دیکھنے والے نصوص ذیل کا مطالعہ کر کے انصاف و دیانت کے ساتھ فیصلہ کریں کہ یہ دعویٰ کتنا گمراہ کن اور ایمان سوز ہے، افقہ الفقہا حضرت علامہ محمد بن عابدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فقہ کی معتمد اور متداول کتاب ردالمختار جلد اول میں فرماتے ہیں صح عن بعض الائمۃ الشافعیۃ طھارۃ بولہ صلی اللہ علیہ وسلم وسائر فضلاتہ وبہ قال ابو حنیفۃ کما نقل فی المواھب اللدنیۃ عن شرح البخاری للعینی و صرح بہ البیری فی الاشباہ بعض ائمہ شافعیہ کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیشاب اور تمام فضلات کی طہارت ثابت ہے، اور یہی امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا جیسا کہ عینی شرح بخاری سے مواہب لدنیہ میں منقول ہے، اور علامہ بیری نے اشباہ میں اس کی تصریح کی، مشکوٰۃ شریف میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے ہے کان مثل الشمس والقمر ورأیت الخاتم عند کتفہ مثل بیضۃ الحمامۃ یشبہ جسدہ ملخصاً یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور آفتاب و ماہتاب کی طرح تھا اور میں نے کبوتر کے انڈے کی طرح آپ کے دوش مبارک کے پاس مہر نبوت دیکھی، جو آپ کے جسم کے مشابہ تھی۔ اس حدیث کی شرح حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا فی قوۃ البھا وکثرۃ النور یعنی یہ تشبیہ قوت و درخشانی اور کثرت تابانی کی وجہ سے ہے، یہ ایسی ہی تشبیہ فضیلت ہے جیسی قرآن عظیم میں ہے، مثلیت اور اخوۃ میں کون سی نوع فضیلت ہے، بلکہ کھلی اور واضح توہین ہے۔

مشکوٰۃ شریف میں ہے عن انس وما مسیت دیباجۃ ولا حریراً الین من کف رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ولا شممت مسکا ولا

عنبرۃ اطیب من رائحۃ النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم متفق علیہ
حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے دیباج اور ریشم کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی سے زیادہ نرم نہیں معلوم کیا اور آپ کے جسم سے جیسی خوشبو سونگھی مشک وعنبر میں بھی ایسی خوشبو نہیں، اس حدیث کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا، مشکوٰۃ شریف میں ہے عن علی ابن ابی طالب لم ارقبلہ ولا بعدہ مثلہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ترمذی وقال حسن صحیح مولائے کائنات فرماتے ہیں کہ میں نے آپ کا مثل نہ پہلے دیکھا نہ بعد میں، ترمذی نے اس کو روایت کیا اور کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے، حضرت مولائے کائنات کی وہ ذات ہے کہ ایک رکاب میں پائے مبارک رکھتے اور قرآن عظیم کی تلاوت شروع کرتے اور دوسرے رکاب میں رکھنے سے پہلے ایک قرآن ختم فرمالیتے، انھیں کے لیے شہنشاہ بطحا نے فرمایا انا مدینۃ العلم و علی بابھا میں علم کا شہر ہوں علی میرے شہر علم کے دروازے ہیں، ان کو کبھی مثلیت کا تصور نہ آیا، حالانکہ یہ نسباً چچا زاد بھائی بھی تھے، حضرت عبداللہ و ابوطالب دونوں حضرت عبدالمطلب کے بیٹے تھے، حضرت عبداللہ کے نور نظر سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اور ابوطالب سے حضرت مولائے کائنات ہیں، حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد بھی تھے، خاتون جنت سیدتنا فاطمہ زہرا کے شوہر تھے، پھر بھی مساواۃ کا تخیل نہ باندھ سکے۔

مشکوٰۃ شریف میں ہے عن ابی عبیدۃ بن محمد بن عمار بن یاسر قال قلت للربیع بنت معوذ بنت عفراء صفی لنا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قالت یا بنی لو رایتہ رایت الشمس طالعۃ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ میں نے ربیع بنت معوذ بنت عفراء سے کہا کہ سرکار کا کچھ وصف بیان کرو، تو فرمایا کہ اے میرے بچے اگر تو ان کو دیکھتا تو سمجھتا کہ آفتاب چمک رہا ہے، سرور کائنات فخر موجودات مطلع علی المغیبات علیہ صلوات اللہ والتحیات جانتے تھے کہ آپ

قوم آئے گی جو مثلیت کا دعویٰ کرے گی اور بھائی بندی کا رشتہ جوڑے گی، لہٰذا صراحۃ ایک موقع پر دعویٰ مثلیت کی تردید فرمادی، مشکوٰۃ شریف میں ہے عن ابی هریرة قال نهیٰ رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم عن الوصال في الصوم فقال له رجل انک تواصل یا رسول اللّٰه قال فایکم مثلي انی ابیت یطعمنی ربی ویسقینی متفق علیه حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے صوم وصال سے منع فرمایا تو ایک شخص نے عرض کی کہ سرکار تو صوم وصال رکھتے ہیں (یہ اتباع سنت کے جذبہ کی وجہ سے عرض کیا) سرکار نے استفہام انکاری کے طور پر فرمایا و ایکم مثلي اور کون تم میں میرے مثل ہے، یعنی کوئی میری مثل اور برابر نہیں، میں رات اس حالت میں گزارتا ہوں کہ میرا رب مجھ کو کھلاتا ہے، پلاتا ہے، یہ حدیث بخاری اور مسلم کی شرط پر ہے۔

اس ارشاد نبوت نے نجدیت کی رہی سہی امیدوں پر پانی پھیر دیا اور اس کی ناپاک ذہنیت کا سارا بھانڈا پھوڑ دیا، بدترین حماقت نہیں تو کیا ہے؟ نیلم اور پکھراج کو معمولی پتھروں کی طرح بکری کو خنزیر کی طرح مسجد کو مندر کی طرح بادشاہ کو چپراسی کی طرح آقا کو غلام کی طرح کعبہ کو کلیسا کی طرح کہا جائے، محبوبان الٰہیہ کو باغیان خدا اور رسول ،فرعون ونمرود کی کی طرح کہا جائے، کیسے عقل سے پیدل ہیں، کیا یہ جہالت کی اعلیٰ ترین منزل نہیں ہے، کیا عقل وخرد کا دیوالیہ نہیں، کم از کم زبانی کلمہ پڑھتے ہیں، مدعی اسلام ہیں، اس کا تو پاس کریں، سماج اور سوسائٹی کا خیال کریں، کیا یہی انداز محبت ہے؟ کیا اسی کا نام اسلام ہے؟ آج تقریباً ساری دنیا آزادی کی حسین مگر پرفریب دیوی سے ہمکنار ہے، اس لیے شاتمان رسول بھی ایک وقت تک کے لیے آزاد ہیں، مگر ارشاد ربانی ہے ان بطش ربک لشدید اس کی پکڑ بڑی سخت ہے، جس سے چھٹکارا ناممکن ہے، باب توبہ ابھی کھلا ہوا ہے، یہی الفاظ کسی کے باپ کی شان میں کہہ کے دیکھو، جواب میں کیسی عمدہ تواضع ہوتی ہے، کیوں نہ ہو اس کا کلیجہ چھلنی نہ ہوگا، اس کا قلب مجروح نہ ہوگا،

مثلاً یوں کہے کہ تیرے باپ میرے بھائی کی طرح ہیں، تیرے باپ کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا، تیرے باپ کو کوئی اختیار نہیں، آخر میں چند ایمان افروز شیطان سوز نصوص پیش کر کے رخصت ہوتا ہوں۔

امام علامہ محمد بن عبدالباقی زرقانی شرح مواہب جلد۴ صفحہ۸۱ میں فرماتے ہیں ومیزہ علیٰ غیرہ اصلا و ذاتا وصفۃ یعنی اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اصل ذات وصفت میں تمام ماسوا پر ممتاز فرمایا، پھر اسی صفحہ پر فرماتے ہیں اعلم ان من تمام الایمان بہ صلی اللہ علیہ وسلم الایمان التصدیق بان اللہ تعالیٰ جعل خلق بدنہ الشریف علیٰ وجہ ای حال وھیئۃ لم یظھر قبلہ ولا بعدہ خلق آدمی مثلہ جاننا چاہیے کہ حضور ایمان لانے کی تکمیل یہ ہے کہ آدمی اس پر ایمان لائے اور تصدیق کرے، کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے بدن شریف کی آفرینش اس شان کے ساتھ فرمائی کہ انسان آپ سے پہلے اور آپ کے بعد ایسا نہ ہوا، علامہ زرقانی نے بھی قرآن مجید پڑھا تھا ما انا بشر، الخ بھی تلاوت فرمائی تھی، یہ عبارت لکھتے وقت کیوں نہ سوچا کہ قرآن میں مثلیت کا اثبات ہے اور میں کیا کہہ رہا ہوں، اور وجہ کی شرح حال اور ہیئت کر کے بے مثلی کے ہر پہلو کو واضح فرمادیا، امام بوصیری رضی اللہ عنہ قصیدہ بردہ شریف میں فرماتے ہیں۔ ؎

منزہ عن شریک فی محاسنہ\
فجواھر الحسن فیہ غیر منقسم

کسی نے اردو نظم میں اس کا ترجمہ پیش کیا ہے۔ ؎

خوبیوں میں ہیں منزہ شرکت اغیار سے\
جوہر حسن آپ کا ہے قابل قسمت کہاں

واللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم

(ماہنامہ نوری کرن بریلی: جولائی، اگست ۱۹۶۱ء)

(۲) اسلام اور مودودیت

آج اسلامی زندگی گزارنا اور شعائرِ ملی پر بقا جس قدر دشوار ہے، اس کا احساس و شعور وہی زیادہ کرے گا، جس کے قلب و دماغ میں اسلامی تڑپ اور ایمانی اسپرٹ موجود ہے، کفر و الحاد، شرک و ارتداد کی اس سنسناتی آندھی میں بڑے بڑے صاحب فہم و فراست اور غیر معمولی ارباب بصیرت مانند، خس و خاشاک بہ گئے، بس رب قدیر کی تائید و توفیق ہی جادۂ سلیم اور صراط مستقیم پر قائم رکھ سکتی ہے۔

نت نئے فتنوں کی بھرمار قسم قسم کی شیطنت کی یلغار لادینیت اور لامذہبیت کا ایک عظیم طوفان برپا ہے، کہیں آتش نجدیت خرمن ایمان کو خاکستر کرنے کے لیے سر بفلک شعلے اڑا رہی ہے، کہیں وہابیت و دیوبندیت ایک مہیب درندہ کی شکل میں اہل حق کو ہضم کرنے کے لیے ہمہ وقت گھات میں، کسی نے تصوف کا لبادہ پہنا، کسی نے سیاست کا جامہ چست کیا، کسی نے آریت کی وردی پہنی، شراب ایک ہی ہے ساغر بدلے ہوئے ہیں، طریق کار مختلف مگر مقصد واحد، نوعیت عمل جداگانہ، مگر جذبات میں سب متحد و متفق، ایسے تباہ کن دور میں سوائے تائید و توفیق الٰہی، اور تاسیس و توثیق یزدانی کوئی سبیل نہیں کہ ایمان و اسلام اور دین حق کی حمایت و صیانت ہو سکے۔

ہم نے بڑے بڑے متصلب اور دلدادۂ سنیت کو دیکھا کہ وقت کی کروٹ اور بندگان حرص و آز گندے متعفن ماحول نے ان کے قلب و ذہن میں انقلاب عظیم پیدا کر دیا اور جادۂ حق پر ثابت قدم نہ رہ سکے۔

آغوش وہابیت کی تربیت یافتہ نوزائیدہ مودودیت نے جب سے جنم لیا اور عالم

وجود میں آئی اس کی خوبصورت باڑی اور ظاہری نمود و نمائش اور فریب کارانہ طرز عمل کی وجہ سے اس کے دام تزویر اور بند تحقیر میں بھولے بالے اور سیدھے سادھے مسلمان پھنس کر اپنے ایمانی ذہن و دماغ کو تباہ و برباد کر ڈالا۔

چونکہ مودودیت کا اقتصادی ڈھانچہ بہت مضبوط اور قوی تر ہے، جس کی وجہ سے سامان اشاعت کی کوئی کمی نہیں، پریس کی طاقت سے دیدہ زیب ٹائٹل کے ساتھ سیکڑوں کتابچے شائع ہوتے رہتے ہیں، یہ ایسے ہی ہیں جیسے زہر کی گولی جس پر شکر چڑھادی گئی، یہ دھرم دور حاضر کی پیداوار نہیں، بلکہ بانی وہابیت محمد بن عبدالوہاب نجدی و امام الطائفہ مولوی اسمٰعیل ہندی کے معتقدات ہی اساس مودودیت ہیں۔

ابوالاعلیٰ مودودی نے مولوی اسمٰعیل دہلوی کے عقیدۂ توحید کو اپنے مختلف لٹریچروں اور کتابوں میں سراہا ہے، جس سے روز روشن کی طرح واضح کہ مودودیت کوئی دوسری چیز نہیں بلکہ اسمٰعیلی عقائد کی تفصیل و توضیح ہے، ہاں البتہ جدید نام رکھنے کی وجہ سے چولا بدل دیا گیا، اسمٰعیلی رجحانات و خیالات کے علاوہ کچھ مزید کفر ایجاد کیے، جس کا سہرا صرف مودودی صاحب کے سر ہے، کتاب .... مصنفہ ابوالاعلیٰ مودودی میں حضرت سیدنا موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوۃ والتسلیم جیسے جلیل القدر اور عظیم الشان پیغمبر کو بنی اسرائیل کا چرواہا کہا گیا، یہ شان نبوت میں کھلی گستاخی ہے، خدا کی معصوم اور مقدس مخلوق ملائکہ کرام کے تصور اور مشرکین کے دیوتاؤں کے تصور کو ایک بتایا گیا، یہ گروہ ملائکہ کی شدید تنقیص ہے، اسلامی جماعت کے دستور اساسی میں محبوبان الٰہیہ اور اولیاء اللہ کی شان رفیع میں، اسی عنوان سے سب وشتم کیا گیا، تقویت الایمان میں بھی سارا زور قلم اسی مردود بکواس پر صرف کیا گیا۔

قرآن عظیم میں ہے اھدنا الصراط المستقیم ۔ صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم و لا الضالین ہادی مطلق نے یوں تعلیم فرمائی کہ تم ہمارے دربار میں، یوں عرض کیا کرو کہ اے رب ہمیں صراط مستقیم پر چلا پھر

صراط مستقیم کی یوں وضاحت فرمائی گئی کہ سیدھا راستہ ان لوگوں کا ہے جن پر انعام قدرت کی موسلا دھار بارش ہوئی، صراط مستقیم، ان کا راستہ نہیں جن پر غضب فرمایا گیا، اور جولوگ گمراہ ہیں۔

کیا ولایت ومحبوبیت خاص انعام قدرت نہیں، ظاہر بات ہے کہ ان مقدس جماعت کے راستہ پر چلنے کا صحیح مفہوم یہی ہے کہ ان کا اتباع کیا جائے ان سے زیادہ سے زیادہ محبت وعقیدت کا مظاہرہ کیا جائے، نہ کہ ساری زندگی ان کی توہین وتذلیل اور تحقیر وتضلیل کی جائے جیسا کی تقویۃ الایمان میں ہے کہ جس کا نام محمد یا علی ہے، وہ کسی چیز کا مختار نہیں، یا، رسول اللہ مرکرمٹی میں مل گئے، العیاذ باللہ تعالیٰ۔ اگر کوئی اپنے شفیق باپ سے کہے کہ والد محترم آپ کی عظمت واحترام مسلم مگر آپ عاجز ومجبور محض ہیں یا آپ تو مرکرمٹی میں مل جائیں گے، کیا اس میں باپ کی عزت کا دامن اپنے لاڈلے بیٹے اور چہیتے نورنظر کے دست گستاخ سے تار تار نہ ہوگا، اگر جواب اثبات میں ہے تو پھر مخلوقات الٰہی کا شاہکار احمد مختار خیر الاخیار سید الابرار علیہ الصلاۃ والسلام کی بارگاہ رفیع میں جرأت بیباکانہ اور کار دیوانہ نہیں، کیا سرکار کا قلب نازک مجروح نہ ہوگا۔

وہابیت کے بانی محمد بن عبدالوہاب نجدی نے دین جدید کے قیام کے لیے ایک کتاب مسمی بہ کتاب التوحید لکھی، جس میں عظمت انبیا اور عزت اولیا کو پامال کرنے کی تمام ترسعی ناپاک کی گئی ہے، پھر تقریباً اس کا ترجمہ ہندوستان میں مولوی اسمٰعیل دہلوی نے اسی جذبۂ گمراہ کن کے ساتھ کیا، مدیر اخبار دعوت دہلی اپنی ۱۷/اکتوبر ۱۹۵۵ء کی اشاعت میں، زیر عنوان ''انکار حدیث کا تاریخی پس منظر'' کوئی کافر ہو یا مومن ملخصاً (از اخبار سہ روزہ دعوت دہلی مجریہ ۱۷/مارچ ۱۹۵۷ء) لکھتا ہے'' یہ بھی عجیب تاریخی اتفاقات ہیں کہ ادھر ہندوستان میں شمع ولی اللٰہی روشن ہوکر ظلمت کدۂ ہند کو منور کر رہی تھی، ٹھیک اسی زمانے میں عرب جو مبدأ اسلام ہے،

جہاں صدیوں سے غیر اسلامی افکار کے یورش سے اسلامی ذہنیت کے سوتے خشک ہو گئے تھے، وہاں امام محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ اٹھ کر عرب کی جاہلیت جدیدہ کو اسلامی نورانیت سے بدل رہے تھے اور ہر طرف علم و عرفاں کے چشمے پھوٹ رہے تھے، اس طرف امام ولی اللہ دہلوی اور امام محمد بن عبدالوہاب دونوں عقل یونان کے تابوت میں آخری کیل ٹھوک رہے تھے، پھر آگے لکھتا ہے۔

''ٹھیک وہی حربہ ہندوستان کی اس پہلی اسلامی تحریک کے خلاف بھی کیا گیا اور تو اور خود مولانا فضل حق خیر آبادی اسیر انڈمان جو ابتداءً ریزیڈنٹ بہادر دہلی کے پیشکار تھے وہ بھی بایں علم و فضل مولانا اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ پر وہابیت کی پھبتی کستے اور مناظرہ بازی سے شوق تقلید کی تسکین کرتے، اہل بدعت وخرافات کا تو کیا ذکر، وہ تو گور پرستی کے خلاف ایک لفظ بھی سننے کے لیے تیار نہیں، خود بعض غالی المقلد احناف نے بھی اقامت دین کی راہ کو وہابیت قرار دے کر اس کے استیصال پر کمر باندھ لی''۔

ان دونوں عبارتوں سے صاف ظاہر ہو گیا کہ محمد بن عبدالوہاب اور اسمٰعیل دہلوی کے بارے میں مودودی موقف کیا ہے، یعنی مودودیت نے ان دونوں کو اپنا ہادی، رہنما، پیشوا، امام تسلیم کر لیا، مولوی اسمٰعیل پر ستر وجوہ سے حکم کفر عائد ہے، لہٰذا مودودیوں نے مولوی اسمٰعیل کے ان کثیر کفریات کو اسلام مان کر خود ارتکاب کفر کثیر کیا، لہٰذا اس حکم میں دونوں برابر اور متساوی الاقدام رہے، ابوالاعلیٰ مودودی نے پنجاب یونیورسٹی کے سینٹ ہال میں طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے الاپا۔

درحقیقت اسلام مذہب نہیں ہے، اسلام ایک نظام فکر ہے، جان و مال، آبرو میں سب برابر تھے۔ چاہے مودودی کے نزدیک اسلام مذہب نہیں، ارشاد ربانی کی کیسی کھلی بغاوت ہے، قرآن مجید میں ہے اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَام بیشک مذہب اللہ تبارک تعالیٰ کے نزدیک اسلام ہی ہے، مودودی کے نزدیک اسلام نظام

قدرت نہیں، بلکہ اسلامی اذہان کی فکر و کاوش کی پیدا وار اور انسانی دماغ کی من گڑھت اور اختراعی چیز ہے، حالانکہ اسلام صرف قدرت کا بخشا ہوا، تمام جن و انسان کے لیے مکمل ضابطۂ حیات ہے، زندگی کے تمام تقاضوں کو باحسن وجوہ پورا کرتا ہے، یہ اپنی جگہ خود مبرہن ہے۔

ہرگز تشنۂ دلیل نہیں، بڑی آسانی سے نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ مودودی افکار وخیال اور اسلام میں کتنا تضاد اور دونوں میں کس قدر بعد مسافت ہے، آسمان وزمین سا فرق ہے، موت وحیات کا فرق ہے، سیاہ وسفید کا فرق ہے، آتش وآب کا فرق ہے، مودودیت ایک زہریا جرثومہ ہے جو شجر ملت کو تباہ وبرباد کرنے میں پوری طرح کوشاں ہے، جس طرح مولوی اسمٰعیل دہلوی کو چالباز قوم انگریز نے اہل حق کے خلاف استعمال کیا، تا کہ ملت اسلامیہ میں افتراق وانشقاق پیدا ہوجائے اور شیرازہ مسلم بکھر جائے، اس طرح امریکہ جیسے سرمایہ داروں نے مودودیوں کو استعمال کیا، تا کہ مسلمانوں کی رہی سہی قوت ضعف سے مبدل ہوجائے، پھر یہ قوم قیامت تک پنپنے کا نام نہ لے، بلکہ سرمایہ داروں کی غلامی ہی ان کا طرۂ امتیاز رہے اور انھیں کے اشاروں پر رقص کرتی رہے، وقت کی نزاکت کا تقاضا یہی ہے کہ مسلمان ان کے دام تزویر سے ہمہ وقت ہوشیار رہیں، ان کے خانہ ساز فریب کارانہ گھر وندوں سے کوسوں دور رہے۔

ان کے کتابچوں اور لٹریچر کی دیدہ زیبی اور ان کی قارونی دولت اور مادی طاقت سے مرعوب ہوکر ان کے لادینی آستانہ پر اپنے قیمتی سرمایۂ ایمان کی بھینٹ نہ چڑھائیں، محبوبان الٰہیہ اور اللہ والوں سے ربط وتعلق ان سے عقیدت ومحبت اور ان کے طریقۂ کار کو اپنانا اور ان کے اسوۂ حسنہ پر چلنا باعث فلاح نجات ہے، اور اسی کا نام صراط مستقیم ہے، محض نماز میں توجہ قبلہ کا نام ایمان نہیں، بلکہ تمام فرامین الٰہیہ کو صدق دل اور خلوص قلب سے تسلیم کرنا، قرآن عظیم میں ہے لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من آمن باللہ والیوم الآخر

والملئکة والکتاب والنبیین واتی المال علی حبه ذوی القربیٰ والیتمیٰ والمسٰکین وابن السبیل اصل نیکی یہ نہیں کہ اپنے چہرے مشرق یا مغرب کی طرف پھیر دلیکن اصل نیکی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اور آخرت پر اور ملائکہ پر اور کتاب کریم پر اور تمام انبیا پر ایمان لائے اور اللہ کی محبت میں مال دے رشتہ داروں کو اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کو۔ لہٰذا وہابی، مودودی، تبلیغی، قادیانی، رافضی سب کے سب اگر چہ قبلہ رو ہو کر اپنی خواہش کے مطابق نام نہاد نماز پڑھتے ہیں، مگر چونکہ مرتکب توہین ہیں، اس لیے ان سب پر کفر عائد ہے۔

(ماہنامہ نوری کرن بریلی شریف جولائی، اگست ۱۹۶۱ء)

☆☆☆

(۳) اسلام اور دیگر مذاہب

کسی مذہب کی صداقت وحقانیت معلوم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے اس کے اصول واساس پر غیر جانبدارانہ نظر عمیق ونگاہ دقیق ڈالی جائے، پھر اس کے حواشی وزوایا کے خدوخال کو تائیداً نمایاں کیا جائے، جو دین ودنیا کے تمام تقاضوں کو باحسن وجوہ پورا کر دے، ہمارے معاشرے سنوار دے، جو ہماری زندگی کو نکھار دے، تہذیب وشائستگی کے چشمے بہادے، جو اتفاق واتحاد کا اعلیٰ درس دے کر افتراق وانشقاق کی تمام خلیجوں کو پاٹ دے اور دوست ودشمن کو شیر وشکر کر دے، اضطراب وانتشار کا جنازہ نکال دے، امن واطمینان کا پرچم لہرادے، مظلوموں، بیکسوں، بیواؤں، یتیموں کی کرب انگیز آہوں کو بند کر دے، ظالموں، سرکشوں کے بے رحم ہاتھوں میں زنجیریں ڈال دے، یہی دین دین ہے۔

ہم اس وقت آپ کے سامنے اصول اسلام پیش کر کے اس پر مختصر روشنی ڈالتے ہیں، دیکھنا چاہتے ہیں کہ یہ اصول دین دنیاوی تمام تقاضوں کی تکمیل کرتے ہیں یا نہیں،

پھر تعرف الاشیاء باضدادھا کے ماتحت دیگر مذاہب کے اصول پر بھی گفتگو کر کے اسلام کا سب سے پہلا بنیادی اصول لاالٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ ہے، خدا کے بارے میں دو ہی نظریے قائم کیے جاسکتے ہیں، تیسری کوئی سبیل نہیں، اس لیے یہ تقابل اثبات ونفی کا تقابل ہے، ایک ہی شخص خدا کا انکار بھی کرے اور اقرار بھی کرے، ایسا نہیں ہوسکتا۔

آج سے تیرہ سو برس قبل کے مشرکین عرب ہوں یا کسی بھی زمانے کے یہودی یا عیسائی یا بھارت کے ہندو جینی ہوں یا گوتم بدھ کے پیرو یا آریہ یا گرونانک کے نقش قدم پر چلنے والے سکھ یا زرتشت کے پجاری پارسی سب کے نزدیک اصل خالق مسلم ہے، اور وہ ایک ہی ہے، اسٹالن کی بارگاہ میں سر نیاز جھکانے والے اشتراکی ہوں یا خروشچوف کی سربراہی قبول کرنے والے کمیونسٹ نیچری دہریے ہوں، سب نے سرے سے وجود خالق کا انکار کر کے اپنے جنون ودیوانگی پر مہر کودی۔

اب ہم بنی نوع انسان کو بڑی آسانی سے دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں، ایک وہ جو الوہیت کا کسی نوع سے اقرار کرتا ہے، دوسرا وہ جو منکر ہے، جو طبقہ الوہیت کا منکر ہے، وہ خود اپنے عمل وکردار سے بغاوت کرتا ہے۔

دنیا کے ایک محدود رقبہ پر کبھی اسٹالن کی حکمرانی تھی، آج خروشچوف کی فرماں روائی ہے، جب کوئی خدا نہیں، الوہیت کا نظریہ جب سرے سے غلط ہے، انتظام عالم خود بخود قائم ہے، موت وحیات وقت کا تقاضا ہے، چاند وسورج خود بخود متحرک ہیں، بارش خود بخود اپنے مناسب اوقات پر ہوتی ہے، تو پھر اسٹالن اور خرشچوف کی سربراہی اور فرماں روائی کی کیا ضرورت ہے؟ جب نظم ہفت اقلیم خود بخود قائم ہے تو روس، چین، کی محدود مملکت کا انتظام خود بخود کیوں نہ برقرار رہے گا، اشتراکیت اور کمیونزم کا تقاضا تو یہی تھا، مساوات کا مفہوم یہی تھا کہ نہ کوئی حاکم نہ محکوم، پھر وزارت کے قیام کے بعد سلطنت میں ڈیپارٹمنٹ اور محکمہ جات کی تقسیم

مفہوم اشتراکیت کو خود بخود باطل کرتی ہے، اس سلسلہ میں تاجدار فقہ سراج الامہ امام الائمہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کا ایک زریں واقعہ سطح ذہن پر ابھر آیا کہ کسی ملحد نیچری سے مناظرہ طے ہو گیا۔

امام اعظم میدان مناظرہ میں قدرتاخیر سے تشریف لائے، ملحد اپنی فتح وظفر کا سنہرا خواب دیکھ رہا تھا، لاف وگزاف کے ساتھ امام پر طعن و تشنیع کر رہا تھا، کہ ناگہاں امام اعظم اپنی شان امامت کے ساتھ میدان مناظرہ میں تشریف لائے، اس نے تحکمانہ انداز میں تاخیر کی وجہ پوچھی، آپ نے فرمایا کہ ایک بحر ذخار میرے لیے سنگ راہ بن گیا، میں نے لب دریا ایک تناور درخت کو دیکھا کہ خود بخود دریا میں گر گیا، پھر خود بخود اس کے تختے تیار ہو گئے، پھر چرے ہوئے تختوں سے ایک نہایت پائیدار کشتی تیار ہو گئی اور وہ خود بخود بڑی تیزی سے میرے قریب ساحل پر آ گئی، میں اس پر سوار ہو گیا، پھر کشتی اپنے آپ تلاطم خیز دھاروں میں کوہ پیکر موجوں کو چیرتی ہوئی دوسرے ساحل پر پہنچ گئی۔

ملحد بے باک دوران بیان میں تمسخرانہ انداز میں مسکرا رہا تھا، اختتام تقریر پر ہمہ تن حیرت واستعجاب بن کر اس نے پوچھا کہ امام یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تمام اہم امور خود بخود ظہور پذیر ہو گئے، یہ کتنی مضحکہ خیز گفتگو ہے، کشتی کا خود بخود عالم وجود میں آ کر ساحل مطلوب تک پہنچا دینا، فہم ودانش سے کس قدر بعید ہے، عقل کا کوئی گوشہ اس نظریہ کو جگہ دینے کے لیے تیار نہیں ہے۔

امام اعظم نے بڑی سنجیدگی اور وقار ومتانت کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ مناظرہ تو ختم ہو گیا، یہ حقیر کشتی جس کو لاکھوں انسان بڑی آسانی سے تیار کر سکتے ہیں، جب اپنے آپ صورت ہستی نہیں پا سکتی تو یہ وسیع وعریض زمین اور بالائے زمین، آسمانی شامیانہ اور نیلگوں آسمان پر درخشاں آفتاب و ماہتاب اور تابندہ ستاروں کی حسین انجمن، یہ سر بہ فلک پہاڑ اور دامن کوہ میں گلہائے رنگارنگ کی وادیاں اور اپنی قوت پر ناز سے بل کھاتے

ہوئے دریا، یہ بحر ناپیدا کنار جس کی کوہ پیکر موجیں ہاتھی کو دعوت ہلاکت دے رہی ہیں، یہ پھولوں کی بھینی بھینی مہک جو مشام عالم کو معطر کر رہی ہے اور ذات انسانی جس کی حقیقت کما حقہ خود انسان جیسی عقل وفہم رکھنے والا ادراک نہ کر سکا، یہ سب غیر معمولی اور ناقابل تسخیر تخلیقات خود بخود کس طرح لباس وجود پا سکتی ہیں۔

الحمدللہ! خدا کے باغی ملحد کی زبان بند ہوگئی، اسلام کی فتح مبین کا ڈھنڈورہ پٹ گیا، **فبہت الذی کفر**۔

منکر الوہیت شہنشاہ الحاد اور اسٹالن کو مرنے کے بعد بھی اس کی قوم نے نہ بخشا، اسٹالن ہی جیسے لامذہب خروشچوف کے ہاتھوں قدرت نے کتنا عبرت انگیز منظر پیش کیا جو روئے زمین کے تمام اشتراکیوں اور کمیونسٹوں کے لیے دعوت فکر ہے، خروشچوف نے کسی انتقامی جذبہ کے ماتحت اسٹالن کی قبر کھدوا کر اس کی لاش کو باہر کیا اور کسی دوسری جگہ دفن کر دیا۔

روس اور بعض دوسرے ملکوں میں اسٹالن کے پجاریوں نے اظہار غم وغصہ بھی کیا، اخبارات تفصیل بتا چکے ہیں، اسی طرح جب خروشچوف کے اقتدار کا قلعہ مسمار ہو جائے اور موت کا آہنی پنجہ اپنی گرفت میں لے اور اس کی روح خبیث اس کے جسد پلید سے پرواز کر جائے تو توقع ہے کہ اسٹالن کے پجاری موقع پا کر خروشچوف کے ساتھ بھی یہی سلوک روا رکھیں، ہزاروں، لاکھوں تعزیری قوانین وضع کر لیے جائیں اور بڑی بڑی سرخیوں کے ساتھ اس کا پروپیگنڈہ کریں، مگر پھر بھی انسداد جرائم نہیں ہو سکتا، بے حیائیوں اور بدکاریوں کا استیصال نہیں ہو سکتا۔

دنیا کا کوئی بھی مذہب ہو مخصوص حدود میں رہ کر زندگی گزارنے کی تعلیم دیتا ہے اور کسی نہ کسی حیثیت سے ایک واجب الوجود خالق کل شئی، عالم الغیب والشہادہ کا اذعان کرتا ہے، خصوصاً عوام کا ذہنی میلان ان امور کی طرف ہوتا ہے جو اخلاق وعادات کی تخریب کے لیے کافی ہوتے ہیں، انسان جب کسی جرم کے ارتکاب کا ارادہ کرتا ہے تو اس

کو اس مخرب اخلاق جرم سے باز رکھنے کے لیے اس کے دماغ میں دو تصور آسکتے ہیں، ایک خوف خدا، دوسرے تعزیری قوانین کی سخت گرفت۔

آفتاب کی روشنی اور چاند کی چاندنی میں قوانین حکومت کا ضرور احترام کرے گا تاکہ وہ کسی بلا و مصیبت دنیا کا شکار نہ ہو جائے، چوراہے اور شاہراہ عام اور عمال حکومت کے سامنے یقیناً جرائم سے تھرائے گا، مگر کالی رات اور عالم تنہائی میں سوائے خوف خدا کے کوئی دوسری چیز ارتکاب جرم سے مانع نہیں بن سکتی، خشیت الٰہی جہنم کے دہکتے انگارے، نعائم بہشت کا حسین تصور، یہ چیزیں جس طرح اجلے دن میں بے حیائی و بدکاری، ہر تخریبی کارروائی کے لیے مزاحم بنیں گی، اسی طرح اندھیری رات اور عالم تنہائی میں بھی باز رکھیں گی، معلوم ہوا مذہب سے لاپروائی اور دین و ملت سے بے اعتنائی کر کے ہرگز امن عالم قائم نہیں رہ سکتا، ہرگز ہرگز دنیا کو امن و سکون کی زندگی نصیب نہیں ہو سکتی۔

مذاہب عالم جن کے مابین خیالات و نظریات مختلف اور متضاد ہیں، اس لیے ایک انسان تمام مذاہب کے حدود و قوانین کی نگہداشت کرتے ہوئے زندگی کی منزلیں طے نہیں کر سکتا ان میں انتخاب کرنا ہی پڑے گا، عیسائیوں، یہودیوں، ہندوؤں اور دیگر مذاہب جنھوں نے وجود قدرت کو کسی نہ کسی نوع سے تسلیم کیا، مگر معبود حقیقی کو اس کی شان وحدانیت کے لائق نہ مانا، بلکہ غیروں کو اس کا شریک بنایا، جس سے ہزاروں مفاسد کے دروازے کھلتے ہیں اور اس کا جلوۂ یکتائی گم ہو کر رہ جاتا ہے، اس لیے ان میں سے کسی کا دامن شرک کے بدنما دھبوں سے پاک نہیں، خالق و مخلوق کے درمیان ذہن و فکر میں ایک ہلکا سا امتیاز باقی رکھا، مگر اظہار عبودیت کے وقت کوئی فرق روا نہ رکھا، مثلاً تعظیم کی آخری سرحد باعتبار اعتقاد و عمل سجدۂ تعبدی ہے، جہاں دربار وحدہٗ لاشریک میں جبہ سائی ہے وہاں دوسرے خود ساختہ معبودوں کے لیے بھی سجدہ ریزی ہے اور شرک خواہ ذہناً ہو یا عملاً دونوں شرک ہے۔

ماں بھی لائق محبت ہے اور شریک زندگی بیوی بھی سزاوار الفت ہے مگر ان دونوں میں زمین و آسمان کا بُعد ہے، لفظ محبت کا اطلاق کرتے ہوئے کوئی صاحب ہوش محبت میں بجائے ماں کی قدم بوسی کے اس کے چہرے کے کسی حصہ کا بوسہ لینا روا رکھے گا، کیا ماں کے ساتھ اظہار محبت کا یہ طریقہ اختیار کرے گا۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ اس کی معظم مخلوق کا احترام اس کی رضا جوئی کے لیے کیا جائے، جیسے اولیا وانبیا کی قدر و منزلت اور ان کے ساتھ محبت و عقیدت، اسلام نے جس توحید کا سبق دیا وہ شرک سے بالکل پاک و صاف ہے، شان یکتائی اور جلوۂ وحدانیت صرف اسلام میں نظر آتا ہے، قرآن ببانگ دہل ساری کائنات میں اعلان کرتا ہے **لـو كـان فيهـمـا الهة الا الله لفسدتا** یعنی زمین و آسمان میں اگر خدا کے ساتھ چند معبود ہوتے تو دونوں فاسد اور غیر منتظم ہو جاتے۔

ایک سلطنت میں جب دو بادشاہوں کی گنجائش نہیں تو زمین و آسمان کے لیے چند معبود کیوں کر ہو سکتے ہیں؟ پھر مذہب وہی قابل قبول ہو سکتا ہے اور عقل سلیم اس دھرم کو قبول کر سکتی ہے جو زندگی کے تمام شعبوں اور مرحلوں میں اس کی رہنمائی کر سکے گا، دور بدلتے رہیں اشیا میں ردو بدل ہوتے رہے مگر اس کے قوانین غیر متبدل ہوتے ہوئے بھی ہر بدلتے ہوئے دور میں تمام عالم کے لیے یکساں مفید ہوں، نکاح وطلاق، بیع وشرا، ہمسایہ وعزیز، اقارب کے حقوق کا تحفظ، پیشاب پاخانہ، کھانا پینا، لیٹنا سونا، اٹھنا بیٹھنا، اوڑھنا پہننا، تجارت وحکومت، عبادت وریاضت، اخلاق وعادات وغیرہ سب کو واضح اور غیر مبہم انداز میں پیش کر دے۔

بانی اسلام ہادی اعظم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ترسٹھ سال کی عملی زندگی ہمارے پیش نظر ہے، خالق عالم نے سرکار والا تبار کو کائنات کی ہدایت و رہنمائی کے لیے ایک ٹھوس اور ناقابل ترمیم آئین حیات (قرآن عظیم) کے ساتھ مبعوث فرمایا، جو رہتی دنیا تک ہر ملک و قوم کے لیے بلا امتیاز رنگ و نسل مکمل ضابطہ عمل ہے،

یہودیوں، عیسائیوں کے پاس بھی آسمانی کتابیں تھیں، آج سے تقریباً دو ہزار قبل والی انجیل و زبور و توراۃ وغیرہ اور دور حاضرہ والی میں سواد و بیاض کا فرق ہے، ہندوؤں کے پاس متفقہ طور پر کوئی آسمانی کتاب نہیں، ان میں بعض کہتے ہیں کہ وید وغیرہ رشی منیوں کے محنت کا نتیجہ ہے، ان کتابوں میں تمام دنیا والوں کے سامنے کوئی چیلنج نہیں، یہ اعجاز قرآن اور اس کی فصاحت و بلاغت کی اعلیٰ منزل ہے، کہ ساری دنیا کو للکارتا ہوا چیلنج کرتا ہے، کہ **فأتوا بسورة من مثله** کہ اس قرآن عظیم کے مثل ایک سورہ تو بنا کر پیش کردو، آج تک دنیا نے نہ تو اس کھلے ہوئے چیلنج کو قبول کیا اور نہ تا قیام قیامت کسی کو جرأت و ہمت ہوسکتی ہے، پھر متعدد بار عیسائیوں، یہودیوں وغیرہ نے ان آسمانی کتابوں میں تبدیل سے کام لیا، مگر جب بھی ان میں مکمل ضابطۂ حیات نہیں جو ہر دور کے لیے مفید ہو۔

تمام مذاہب عالم کے سامنے یہ سوال پیش کردیجیے کہ بزعم خویش اپنے اپنے ریفارمر، رشی منی کے حالات زندگی ہمارے سامنے پیش کرو، جس میں بچپن سے موت تک کا کوئی گوشہ باقی نہ رہ جائے، انشاء اللہ تعالیٰ یہ سوال تشنۂ جواب ہی رہے گا۔

مسلمان اپنے ہادی و رہنما کی زندگی کے تمام نقوش براہین و دلائل کے ساتھ نمایاں طور پر پیش کرسکتا ہے، حد یہ کہ ریش مقدس میں کتنے بال سنہرے ہو گئے تھے یہ بھی بتا سکتا ہے، پھر شق قمر، رد شمس، ابوجہل ملعون کی مٹھی میں بے جان کنکریوں کا توحید و رسالت کا اقرار کرنا، اسی قسم کے لاتعداد، نا قابل انکار معجزات و واقعات وہ ہیں جن کی نظیر و تمثیل تا گردش فلک محال ہے، ان واقعات ماضیہ سے قطع نظر کرتے ہوئے ان مقدس نفوس کی طرف توجہ مبذول فرمایے جو اس رہبر اعظم ہی کی غلامی اور انھیں کے عشق و محبت میں کشتہ ہوکر زیر خاک آرام فرما رہے ہیں، ان کی آرام گاہیں آج بھی حیرت و استعجاب کا مرقع ہیں۔

امروہہ ضلع مرادآباد میں عارف باللہ حضرت شاہ ولایت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا

مرقد مقدس مرجع خلائق ہے، فقیر بھی متعدد بار شرف زیارت سے مشرف ہوا ہے، مزار شریف کے گردو پیش کھنڈرات ہیں، ان کی شکستہ اینٹیں ہٹایئے یا تھوڑی سی مٹی کرید لیجیے چھوٹا یا بڑا بچھو مل جائے گا، مگر نیش عقرب کو باوجود اپنی تمام تر سالمیت کے صاحب مزار کے روحانی جلال سے کند پائیں گے، ڈنک اپنی اسی شان کے ساتھ خمیدہ نظر آئے گا، دیکھتے ہوئے رونگٹے کھڑے ہو جائیں گے، مگر ہمت کر کے ہاتھ میں لے لیجیے، آپ کو قطعاً ایذا نہ دے سکے گا، جو لوگ ان قبروں کو مٹی کا ڈھیر سمجھتے ہیں، ان کے لیے درس عبرت و بصیرت ہے۔

پونا کے قریب کسی باخدا کا مزار ہے، وہاں کئی من کا ایک سنگ گراں ہے، بہت سے لوگ مل کر بھی اس کو جنبش نہیں دے سکتے، مگر صاحب مزار کا نام ورد زبان کیجیے تو وہ پتھر دو انگلیوں سے آسمان و زمین کے درمیان معلق نظر آئیگا، یہ وہ پاک باطن نفوس ہیں کہ ان کی بے مثال شوکت آج بھی اسلام کی حقانیت و صداقت کا اعلان کر رہی ہے، کیا دنیا کا کوئی دھرم اپنے زیر خاک آرام فرمانے والے پیشوا کے ایسے محیر العقول اور نا قابل انکار حقائق اور کارنامے پیش کر سکتا ہے۔

بہت سے مذاہب وہ ہیں جو فواحش سے روکنے میں قطعاً ناکام ہیں، شراب، جوا، ناچ، باجا، تماشا ان میں معیوب نہیں، مگر اسلام نے ان تمام مخرب اخلاق چیزوں کو یکسر حرام فرما کر جنس انسانیت کو عزت بخشی، گیسوئے تہذیب اور زلت اخلاق کو شانۂ اسلام ہی سنوار سکتا ہے، اسلام ہی کے قدرتی قوانین و فرامین تمام تخریبی کارروائیوں سے محفوظ رکھ سکتے ہیں اور رہبر اعظم کی غلامی ہی تہذیب و شائستگی کی منزل کی طرف رہنمائی کر سکتی ہے، جیسا کہ بشیشر پانڈے ایڈیٹر نیا ہند لکھتے ہیں۔

"اسلام کے پیغمبر حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا شمار دنیا کے گنتی کے بڑے انسانوں میں کیا جاتا ہے، برسوں کی عبادت و ریاضت اور مجاہدوں کے بعد خدا نے ان کے ذریعہ ان کے وطن اور تمام دنیا کو بھلائی کا راستہ دکھایا"۔

مانچسٹر کے رہنے والے انگریز شیفر فلیڈ لکھتے ہیں۔

''جب میں نے اسلام کے مزید مطالعہ کی روشنی میں اپنے دوسرے سوالات کو حل کرنا چاہا تو مجھے اندازہ ہوا کہ زندگی کا کوئی سوال خواہ وہ روحانی ہو یا مادی ایسا نہیں جسے اسلام نے حل نہ کر دیا ہو، اجتماعی زندگی کی کوئی منزل ایسی نہیں ہے، جس میں اسلام نے انسانوں کی رہنمائی نہ کی ہو''۔

اسی جذبہ کے ماتحت یہ مسلمان ہو گئے اور اس سعادت سے مشرف ہونے کے بعد اپنا اسلامی نام سعید رکھا، اسی طرح یورپ کے ایک مفکر مار ماڈلوک پکھتال لکھتے ہیں۔

''قرآن مجید کی تعلیم اور رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حیات طیبہ کے واقعات سے یہ بات ثابت ہے کہ جو چیز ساری دنیا کی رہنمائی کے لیے پیش کی گئی ہے، اس میں ایسی عام خوبیاں ضرور موجود ہوں گی جو سب کو متاثر کر سکیں، چنانچہ اسلام میں روحانی اور مادی اعتبار سے وہ تمام خوبیاں موجود ہیں، جنھیں دنیا کے ہر گوشہ کے بسنے والے ہر زمانے میں قبول کر سکتے ہیں، اور قبول کرتے رہے ہیں۔

☆☆☆

(۴) مدیر چٹان پر عقیدت کا بھوت

اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے

نہ تم صدمے ہمیں دیتے نہ ہم فریادیوں کرتے
نہ کھلتے راز سر بستہ نہ یوں رسوائیاں ہوتیں

''تجلی'' دیوبند کی حالیہ اشاعت کے ذریعہ چٹان میں شورش کشمیری کا فتنہ پرور اداریہ دیکھ کر غرق حیرت ہو گیا، ایک صحافی اور قلم کار نے کسی کے جذبۂ محبت یا اندھی تقلید میں پاگل ہو کر کے اور حقائق سے آنکھیں بند کر کے کذب و بہتان، افترا پردازی،

شورش پسندی سے دنیائے صحافت کو رسوا اور بدنام کیا۔

یہ عذر بھی مسموع نہیں کہ یہ شرارت اتفاقی اور غیر شعوری طور پر واقع ہوگئی، اس لیے کہ یہ سب ایک سوچی سمجھی اسکیم کے تحت ہو رہا ہے، جیسا کہ اداریہ کا مطالبہ مظہر ہے کہ توہین رسالت اور تنقیص نبوت کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کے لیے آئین وقوانین بنانے کے صریح وغیر مبہم مطالبہ پر پریس کی پوری قوت اور قلم کا سارا زور صرف کیا جارہے، شورش صاحب کی بلا دلیل جانبدارانہ روش نے ہمیں جنبش قلم کا موقع دے دیا۔

کھوکھلے اور کرم خوردہ پودوں کی آبیاری کبھی اس کو شاداب نہیں کرسکتی، ریت کی دیوار پر محل کی تعمیر نہیں ہوسکتی، کاغذ کی ناؤ ساحل نجات سے ہمکنار نہیں کرسکتی۔

شورش صاحب! آپ نے جن کو صلحائے امت کے حسین ٹائیٹل سے یاد فرمایا ہے، یہ کرم خوردہ اور کھوکھلے پودے ہیں، دریائے عقیدت سے ہزاروں برس آبیاری کرتے رہیے، مگر ان کو جہنم کے بھڑکتے ہوئے شعلوں سے نہیں بچایا جاسکتا، یہ ریت کی دیواریں ہیں، جبہ ودستار کا کہگل اس کو بنیان مرصوص نہیں بنا سکتا، یہ کاغذ کی ناؤ ہیں۔

ع ہم تو ڈوبے ہیں مگر یار کو لے ڈوبیں گے

کاغذ کی ناؤ نہ خود محفوظ نہ اس کو سہارا بنانے والے محفوظ، دونوں تلاطم خیز طوفان کی نذر ہوجائیں گے۔

ان رسوائے زمانہ کے نام نہاد صلحائے امت کے گندے گھناؤنے کیریکٹر اور انکے افکار فاسدہ کو عین اسلام ثابت کرنے کے لیے برسوں سے ان کے اندھے پجاری ان کے چیلے چپاٹے سر سے کفن باندھ کر میدان میں اترے، من گھڑت قصوں، اختراعی افسانوں سے ان کے نام نہاد تقدس کا پرچار کرتے رہے، حالانکہ ان نقلی اور جعلی صلحائے امت کی بے حیائیوں اور سیہ کاریوں سے دامن اخلاق کے تار و پود بکھر کر رہ گئے، عزت و شرافت کا جنازہ نکل گیا، پھر بھی ان کو عین اخلاق عین حیا ثابت کرنے کے لیے اسٹیجوں پر

تھر کتے رہے، ان کی تہذیب کے چند پہلو پیش خدمت ہیں تا کہ ایمیٹیشن صلحائے امت کے حیا سوز تقدس پر مہر تصدیق ثبت ہو جائے۔

ارواح ثلثہ صفحہ ۲۸۹ میں ہے ،جس کے قابل اعتبار اور ثقہ ہونے پر تھانوی صاحب کا اس پر طمع ساز حاشیہ ہے۔

''ایک دفعہ گنگوہ کی خانقاہ میں مجمع تھا، حضرت گنگوہی اور حضرت نانوتوی کے مرید و شاگرد سب جمع تھے اور یہ دونوں حضرات بھی وہیں مجمع میں تشریف فرما تھے، کہ حضرت گنگوہی نے حضرت نانوتوی سے محبت آمیز لہجہ میں فرمایا کہ میاں ذرا لیٹ جاؤ، حضرت نانوتوی کچھ شرما سے گئے، مگر حضرت نے پھر فرمایا تو بہت ادب کے ساتھ چت لیٹ گئے اور مولانا کی طرف کروٹ لے کر اپنا ہاتھ ان کے سینہ پر رکھ دیا، جیسے کوئی عاشق صادق اپنے قلب کو تسکین دیا کرتا ہے، مولانا ہر چند فرماتے ہیں کہ میاں کیا کر رہے ہو، لوگ کیا کہیں گے، حضرت نے فرمایا لوگ کہیں گے کہنے دو''۔

یہ ہے افسانۂ عشق و محبت ، یہ ہے داستان جذبۂ الفت جس سے لیلیٰ مجنوں، شیریں فرہاد کی یاد تازہ ہوتی ہے، یہ نقشۂ اخلاق ہے، ان کا جن کو قاسم العلوم والخیرات کے دلفریب لقب سے ان کی ٹولی ان کو یاد کرتی ہے، یہ ان سے زہد واتقا کی جیتی جاگتی تصویر ہے، جو بانی دارالعلوم دیوبند ہے، یہ ہے شان تقدس ان کی جن کو قطب عالم جیسے روح پرور الفاظ سے یاد کرتی ہے، یہ کسی کالی کوٹھری یا خلوت کی کہانی نہیں، کسی بازار، دکان کا قصۂ پارینہ نہیں، بلکہ اس بزم تقدس کا حاصل عشق و محبت ہے جہاں ہاؤ ہو کی صدا سے فضائے آسمان گونج رہی ہو، جہاں خرمن عصیاں وطغیاں سے شعلے بلند ہو رہے ہوں، جس مقام کا فرشتے طواف کرتے ہوں، یعنی کھلی خانقاہ مریدوں کے مجمع میں ثمرۂ محبت کا مزا لوٹا جا رہا ہے۔

مولانا قاسم شرما سے گئے، کن جذبات واحساسات نے مولانا کو شرم وندامت کا پتلہ بنا دیا، پھر مولانا نے ہر چند کہا کہ ''میاں کیا کر رہے ہو'' قولاً اس بات کی دلیل ہے کہ

لفظی تہمت کی وجہ سے اجتناب کارفرما ہوا۔

آپ کے مولانا جیسے تقدس مآب اور پاک طینت کے قلب وجگر میں اس سے ظن فاسد کا جذبہ ابھر سکتا ہے تو وہاں عوام کا مجمع تھا، ان کے دل ودماغ میں کتنا مکروہ اور گھناؤنا تصور وتخیل کارفرما ہوا ہوگا، حدیث میں ہے۔

اتقوا مواضع التھم مواضع تہمت سے بچو، اسی کا نام اتباع سنت ہے اور احیائے ملت ہے۔ ؎

خرد کا نام جنوں رکھ لیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

ارواح ثلٰثہ صفحہ ۲۴ کا ایک منظر ''ایک دفعہ چھتے کی مسجد میں مولانا فیض الحسن صاحب استنجا کے لیے لوٹا تلاش کررہے تھے اور اتفاق سے لوٹوں کی ٹونٹیاں ٹوٹی ہوئی تھیں، فرمانے لگے تو یہ سارے لوٹے مختون ہیں (قاسم نانوتوی) نے ہنس کر فرمایا کہ پھر آپ کو بڑا استنجا نہیں کرنا ہے گویا مختون سے کیا ڈر ہے''۔

ہماری تہذیب رہوار قلم کو رخصت نہیں دیتی کہ اس کے ایک خاص گوشے کی تشریح کرسکے، ناظرین خود ذرا نظر عمیق سے کام لیں اور اندھی تقلید کرنے والوں کی عقل پر ماتم کریں کہ اسلاف ملت بیضا نے کبھی مذاق ومزاح کا اتنا گھناؤنا انداز پیش کیا ہے، فاعتبروا یا اولی الابصار۔

جس نے محض اپنی خواہشات اور جذبات حیوانی کی تسکین کے لیے ان حرکات قبیحہ کا ارتکاب کیا، اس کے اندھے پجاریوں نے اس کے نام نہاد تقدس کا بھرم قائم رکھنے کے لیے انھیں واقعات مذمومہ کو اس کی للّٰہیت اور بے نفسی کی دلیل وبرہان قرار دیا ہے، صحیفۂ تہذیب وتمدن کتاب عشق ومحبت کا ایک حسین باب ملاحظہ فرمائیں۔

''آپ (مولوی رشید احمد گنگوہی) ایک مرتبہ خواب بیان فرمانے لگے کہ مولوی محمد قاسم کو میں نے دیکھا کہ دلہن بنے ہوئے ہیں اور میرا نکاح ان کے ساتھ ہوا پھر خود ہی

تعبیر فرمائی کہ آخر ان کے بچوں کی کفالت کرتا ہی ہوں"۔اسی تذکرہ صفحہ ۲۸۹ میں دوسرا خواب۔

"مولوی رشید احمد گنگوہی نے ایک بار ارشاد فرمایا کہ میں نے ایک بار خواب دیکھا تھا کہ مولوی قاسم دلہن کی صورت میں ہیں اور میرا ان سے نکاح ہوا ہے، سو جس طرح زن وشوہر میں ایک دوسرے کو فائدہ پہنچتا ہے، اسی طرح مجھے ان سے اور انھیں مجھ سے فائدہ پہنچا ہے، حکیم محمد صادق کاندھلوی نے کہا **الرجال قوامون علی النساء** یعنی مرد حاکم ہیں عورتوں پر، آپ نے یعنی گنگوہی صاحب نے فرمایا ہاں، آخر ان کے بچوں کی تربیت کرتا ہی ہوں"۔

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالبؔ
کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بجھے

یہ سوقیانہ اور عامیانہ منظر خواب بے نیاز تبصرہ ہے، زن وشوہر کی حیثیت سے میاں بیوی کو آپس میں کیا فائدہ ہوتا ہے، یہ محتاج بیان نہیں اور نہ غیرت گوارا کر سکتی ہے، یہ انھیں صلحائے امت کا حصہ ہے، یہ ان کے افکار وجذبات ہیں، جن کو قطب عالم، نعمان عصر، بخاری دوراں مجدد وقت کے خطابات سے یاد کیا گیا ہے۔

ہم اس واقعہ کی روشنی میں اصحاب انصاف ودیانت سے طالب فیصلہ ہیں کہ ان رجحانات وتخیلات فاسدہ کے ہوتے ہوئے بھی ان کو صلحائے امت کے مقدس گروہ میں شامل کیا جائے گا؟ کیا کوئی کوک شاستر دو مردوں کا یہ کردار پیش کر سکتا ہے؟۔

افقہ الفقہا علامہ سید ابن عابدین شامی رضی اللہ عنہ کی کتاب مستطاب "ردالمحتار" ملقب بہ شامی تمام امصار ودیار کے علمائے احناف کے نزدیک معتمد ومتداول فتاویٰ ہے، فتاویٰ رشیدیہ، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند اور دیگر تصنیفات اکابر دیوبند دامَ اِلکشنہُم بھی اس سے بے نیاز نہ ہو سکے، اس کے حوالوں سے جابجا مسائل فقہیہ کو مبرہن کیا گیا ہے، یہی فتاویٰ نگاہ گنگوہی علیہ ماعلیہ میں کس قدر مستحضر تھا، واقعہ ذیل سے اس کا اندازہ کیجیے؛

ارواح ثلٰثہ صفحہ ۲۹۲ ''حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے مولوی محمد یحیٰ صاحب کاندھلوی سے فرمایا کہ فلاں مسئلہ شامی میں دیکھو، مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت وہ مسئلہ شامی میں تو ہے نہیں، فرمایا یہ کیسے ہوسکتا ہے، لاؤ شامی اٹھالاؤ، شامی لائی گئی، حضرت اس وقت آنکھوں سے معذور ہو چکے تھے، شامی کے دوثلث اوراق دائیں جانب کر کے اور ایک ثلث بائیں جانب کر کے انداز سے کتاب ایک دم کھولی اور فرمایا کہ بائیں طرف کے صفحہ پر نیچے کی جانب دیکھو، دیکھا تو وہ مسئلہ اسی حصہ میں موجود تھا سب کو حیرت ہوئی، حضرت نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمالیا ہے کہ میری زبان سے غلط نہیں نکلوائے گا''۔

فتاویٰ رشیدیہ حصہ اول صفحہ ۷ کی چند سطریں بھی ملاحظہ فرمالیں ''محمد بن عبدالوہاب کے مقتدیوں کو وہابی کہتے ہیں اور ان کے عقائد عمدہ ہیں'' جلد سوم صفحہ ۷۹ ''محمد بن عبدالوہاب کو لوگ وہابی کہتے ہیں اور وہ اچھا آدمی تھا، سنا ہے مذہب حنبلی رکھتا تھا اور عامل بالحدیث تھا، بدعت وشرک سے روکتا تھا، مگر تشدد اس کے مزاج میں تھی''۔

اب فتاویٰ شامی کی ایک حقیقت افروز عبارت ملاحظہ فرمایے یہ وہی شامی ہے جس کی سطر سطر گنگوہی صاحب کے پیش نظر تھی مگر یہ عبارت انکی نابینائی کی نذر ہوگئی۔

''کما وقع فی زماننا فی اتباع عبدالوھاب الذین خرجوا من نجد و تغلبوا علی الحرمین و کانوا ینتحلون مذھب الحنابلہ لکنھم اعتقدوا انھم ھم المسلمون وان من خالف اعتقادھم مشرکون واستباحوا بذٰلک قتل اھل السنۃ وقتل علمائھم حتی کسر اللّٰہ شوکتھم وخرب بلادھم وظفربھم عساکر المسلمین علیٰ ثلث وثلثین ومأتین والف''

یعنی جیسا ہمارے زمانے میں عبدالوہاب کے متبعین میں واقع ہوا جو نجد سے نکل کر حرمین شریفین پر قابض ہوئے اور اپنے آپ کو حنبلی ظاہر کرتے تھے، لیکن در اصل ان کا اعتقاد یہ تھا کہ مسلمان صرف وہی ہیں، باقی سب مشرک ہیں، اسی وجہ سے انھوں نے اہل سنت

کے علما کا قتل مباح سمجھا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی شوکت توڑ دی اور ان کے شہر ویران کیے اور اسلامی لشکروں کو ان پر فتح دی ۱۲۳۳ھ میں۔

گنگوہی صاحب نے سنی سنائی باتوں پر اعتماد کر کے محمد بن عبدالوہاب کو ثقہ ہی نہیں، بلکہ راس الموحدین یقین کرلیا اور فتاویٰ شامی کی یہ عبارت ان کی کوتاہ نظری کی کیوں نذر ہوگئی، علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جس کو خارجی، قاتل، بلکہ مبیح قتل علما فرمائیں گنگوہی صاحب اس کو دیندار عامل بالحدیث فرمائیں۔

علامہ شامی جن کا مبلغ تفقہ سارے علمائے احناف کے نزدیک مسلم ہے، اگر ان کے اندراج مسائل میں حکومت کا اثر تسلیم کیا جائے یا جاہ و منصب کے حصول کا ذریعہ تصور کیا جائے یا کسی دنیاوی حرص و آز، تن پروری کی خاطر جادہ حق سے منحرف ہو کر غلط اور خلاف تحقیق مسائل کے اندراج کا الزام قائم کیا جائے تو شامی کی حیثیت نگاہ فقہا میں باقی رہ جائے گی، کیا کوئی مفتی شامی کا حوالہ پیش کر کے اہل علم کو مطمئن کر سکتا ہے؟ مگر چونکہ علامہ نے راہ حق اور دشمن ملت کی نشاندہی کرتے ہوئے جبہ و دستار میں ملبوس ابلیس کا تعارف کراتے ہوئے دین وایمان کی حفاظت وصیانت فرماتے ہوئے اظہار حقیقت کر دیا تو وہی شامی نشانۂ طعن بن کر تن پرور، حکومت کے پٹھو، زرخرید غلام بن گئے، کیا گستاخ بےادب کی عریانی تہذیب ملاحظہ فرمائیے پڑھیے اور ایک مدعی اسلام کے رہوار قلم کی بے لگامی پر سر دھنیے، صحیفہ شرارت آئینۂ صداقت صفحہ ۴۴ پر اپنی شقاوت قلبی و عصبیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے علمائے دیوبند کا حق وفاداری ادا کرتے ہوئے فیروز الدین روحی لکھتے ہیں۔

''شامی کی اس عبارت کو رضا خانی علما بڑے فخر سے اپنے رسالوں میں نقل کرتے ہیں، مگر ان کو کیا معلوم کہ ابن عابدین شامی (طاب اللہ ثراہ و جعل الجنۃ مثواہ) نے حکومت کے اثر سے ان غریبوں کو بدنام کیا اور ان (نجدیوں) کے خلاف ایک متحدہ محاذ قائم کر کے اپنی دنیا سنبھالی، برا ہو اس دنیا پرستی اور سنہری سکوں کا جس کے عوض شامی

(رحمۃ اللہ علیہ) نے نجدیوں کو دل کھول کر بدنام کیا ہے"۔

بالفرض علامہ شامی نے تحصیل زر کی خاطر ملت فروشی کی تو دار العلوم دیو بند کے متولی مایہ ناز و مسلم شیخ الحدیث انور شاہ کشمیری کے بارے میں کیا ارشاد ہے، جن شرمناک الزامات اور مکروہ القابات سے علامہ شامی کے دامن زہد و تقویٰ پر زر پرستی کا بدنما داغ لگانے کی ناکام جدو جہد کی گئی، کیا یہی الزامات طائفہ کے شیخ الحدیث پر عائد نہیں ہوتے، کیا خیال ہے، جناب کی چشم فسوں ساز کا، انور شاہ کشمیری مقدمہ فیض الباری میں رقم طراز ہیں۔

"اما محمد ابن عبدالوھاب النجدی فان کان رجلا بلبید اقلیل العلم فکان یشارع الی الحکم بالکفر" (لیکن محمد بن عبدالوہاب نجدی بھدے دماغ کا کم علم آدمی تھا)۔

اس سے چوکھا رنگ ضیافت نظر کے لیے حاضر ہے، مولوی حسین احمد صاحب ٹانڈوی نے اپنی کتاب "الشہاب الثاقب" میں محمد بن عبدالوہاب کے کردار پیش کرنے میں کتنے ہی صفحات بھر دیے، یہ کتاب نہیں سب وشتم اور لعن طعن کا ایک متعفن ٹوکرہ یا بازاری گالیوں کا پلندہ ہے، اس میں صفحہ ۵ پر ہے۔

"صاحبو! محمد بن عبدالوہاب نجدی ابتدائے تیرہویں صدی میں نجد عرب سے ظاہر ہوا اور چونکہ خیالات باطلہ اور عقائد فاسدہ رکھتا تھا، اس لیے اس نے اہل سنت و جماعت سے قتل و قتال کیا اور ان کو بالجبر اپنے خیالات کی تکلیف دیتا رہا، ان کے اموال کو غنیمت کا مال اور حلال سمجھا گیا، ان (اہلسنت) کے قتل کو باعث ثواب و رحمت کا شمار کرتا رہا، اہل حرمین کو خصوصاً اور اہل حجاز کو عموماً اس نے تکلیف شاقہ پہنچائیں، سلف صالحین اور اتباع کی شان میں نہایت گستاخی و بے ادبی کے الفاظ استعمال کیے، بہت سے لوگوں کو بوجہ اس کے تکالیف شدیدہ کے مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ چھوڑنا پڑا اور ہزاروں آدمی اس کی فوج کے ہاتھوں شہید ہو گئے، الحاصل وہ ایک ظالم و باغی، خونخوار فاسق شخص تھا"۔

<u>مزید تائید:۔</u> مولوی خلیل احمد انبیٹھی نے ''المہند'' میں لکھا، یہ کتاب طائفہ، دیوبند کی وہ اجتماعی کتاب ہے، جس پر اساطین دیوبند کے دستخط ہیں، گویا پوری جماعت بقلم خود کا متفقہ ججمنٹ ہے۔

''ہمارے نزدیک ان کا وہی حکم ہے، جو صاحب ردالمختار نے فرمایا ہے'' (یعنی عبدالوہاب فاسق باغی خونخوار شخص تھا)۔

مولوی حسین احمد ٹانڈوی کا حسین فریب ملاحظہ کریں، مکتوبات شیخ جلد دوم صفحہ ۲۹۷۔ ''جو عبارت اس (شیخ نجدی) کی تحسین میں لکھی گئی ہے وہ محض سنی سنائی باتوں پر مبنی ہے، حضرت گنگوہی قدس سرہ اس کتاب شامی پر بہت زیادہ اعتماد فرماتے تھے، عموماً ان کے فتاویٰ اسی کتاب سے ماخوذ ہیں''۔

سبحان اللہ! کس قدر ابلہ غریب عبارت ہے، عبدالوہاب کی تحسین سنی سنائی باتوں پر ہے اور انھیں پر گنگوہی صاحب نے اعتماد فرمایا اور خود گنگوہی صاحب کو بقول ٹانڈوی صاحب جس فتاویٰ پر اتنا اعتماد کہ ان کے فتاویٰ عموماً اسی شامی سے مستفاد اور گنگوہی صاحب کو شامی کی سطر سطر حفظ اور شیخ نجدی کے بارے میں علامہ شامی کی تحقیقات سے اس قدر صرف نظر یا بیخبری، شورش صاحب نے اس تضاد وتخالف، اور خانہ جنگی کی طرف بھی روئے التفات کیا یا نہیں؟ نیز ''الشہاب الثاقب'' میں جو سوقیانہ انداز میں موٹی موٹی گالیوں کا کھلیان لگا ہوا ہے، اس سے بھی باخبر ہو کر گلشن اخلاق میں بھڑکتے ہوئے شعلوں کو ملاحظہ فرمایا یا نہیں؟۔

نظر آئے تو کیسے جب دیدہ ہائے التفات کا ایک پھاٹک بند ہو، تصویر کا ایک ہی رخ پیش نظر ہو اس پر نقد و تبصرہ تو نگاہ انصاف ہی کر سکتی ہے اور جب کسی جگہ انصاف کا جنازہ ہی نکل چکا ہو، جب سطح دماغ پر غلاظت عصبیت کی کثیف چادر بچھ چکی ہو، تو بھادوں کی سڑی لاش بھی شامۃ العنبر ہی محسوس ہوگی، بھنگن کا بھرا ٹوکرا کسی عطر فروش کا پٹارہ ہی نظر آئے گا۔ شورش صاحب اہلسنت کے بارے میں خامہ فرسائی

کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

''عامۃ المسلمین کے دماغ پر اس قسم کے نقش پیدا کر رہی ہیں، جس سے اصل دین نہ صرف غائب ہوگیا ہے، بلکہ مسلمانوں میں وہ تمام گمراہیاں جن کی تردید وتغلیظ قرآن پاک کے اوراق میں جابجا موجود ہے اور جو لوگ ان گمراہیوں اور نافرمانیوں پر اصرار کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں عذاب النار کی خبر دی ہے''۔

یعنی مسلمانوں میں تمام وہ برائیاں موجود ہیں، جن کی تغلیظ قرآن مجید میں ہے، اس عموم کا مفاد یہ ہوا کہ قطع رحم، وعدہ خلافی، کذب، ظلم، زنا، چوری، قتل، ڈکیتی، کفر وشرک تمام افعال قبیحہ وعقائد باطلہ جن کی تردید وتغلیظ قرآن مجید میں موجود ہے، ان سب کا ارتکاب واعتقاد عامۃ المسلمین کر رہے ہیں، اگرچہ ان سے مسلمان ہی رہیں، بلکہ عذاب نار کے بھی مستحق نہ ہوں گے، عذاب نار کے مستحق اس وقت ہوں، جب ان کے ارتکاب واعتقاد پر اصرار کریں، سبحان اللہ! تمام جرائم وجنایات کریں، کفر وشرک بھی کبھی کبھی کرلیا کریں، مسلماں ہی رہیں گے۔

ع رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی

بازار ملت کتنا سستا ہے، دائرہ اسلام کتنا وسیع ہے، فرمایئے شورش صاحب کیسی صحافت کی ٹانگ گھسیٹی ہے، اسی اداریہ میں شورش صاحب لکھتے ہیں ''یہ لوگ مسلمانوں کو کافر بناتے ہیں شرک وکفر کرکے بھی مسلمان رہے اور کوئی کافر کہے تو دکھ کی بات ہی ہے'' پھر آپ سے بادب گزارش ہے کہ کفر ساز فیکٹری اور ساری اسلامیہ کو کفر وشرک کی بھٹی میں جھونکنے والی کمپنی کی بھی آپ نے سیر فرمائی ہے، جس نے ایک جنبش میں تمام دنیا کے مسلمانوں کو اساف ونائلہ، لات وہبل، ابوجہل کی صف میں کھڑا کردیا۔

تقویۃ الایمان صفحہ ۲۹ مصنفہ امام الطائفہ مولوی اسمٰعیل میں ہے ''پھر اللہ آپ ہی ایک ایک باؤ بھیجے گا کہ سب اچھے بندے کہ جن کے دل میں تھوڑا سا بھی ایمان ہوگا مرجاویں گے اور وہی لوگ رہ جاویں گے کہ جن کے دل میں کچھ بھلائی نہیں یعنی اللہ کی

تعظیم نہ رسول کی راہ پر چلنے کا شوق بلکہ باپ دادوں کی رسموں کی سند پکڑنے لگیں گے، سواسی طرح سے شرک میں پڑ جاویں گے، کیونکہ اکثر پرانے باپ دادے جاہل مشرک گزرے ہیں، جو کوئی ان کی رسم وراہ کی سند پکڑے، آپ ہی مشرک ہوجاوے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آخر زمانے میں قدیم شرک بھی رائج ہوگا سو پیغمبر خدا کے فرمانے کے موافق ہوا''۔

اس وقت تقویۃ الایمان کے جدید وقدیم دونوں نسخے ہمارے پیش نظر ہیں، اسی عبارت میں کبھی ترمیم کی ضرورت نہ سمجھی گئی، نہ ترمیم کی گئی اس کا مطلب یہ کہ اصل عبارت اسی طرح ہے، اس کا حاصل یہ ہوا کہ سرکار دوعالم علیہ السلام کے ارشاد کے موافق ایک ہوا چلے گی جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہوگا وہ سفر آخرت اختیار کرلے گا، جو موجود ہوں گے یا آئندہ پیدا ہوں گے، سب کافر ومشرک۔

امام الطائفہ فرماتے ہیں ''سو پیغمبر خدا کے فرمانے کے موافق ہوا'' یعنی وہ ہوا چل گئی، اب کسی کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان نہیں، خود بھی مشرک ان کے عزیز واقارب، استاذ، پیر، مریدین، متعلقین جو اس وقت باحیات تھے اور قیامت تک آنے والی نسل ملت اسلامیہ سب مشرک، **العیاذ باللّٰہ العظیم**۔

اذا کان الغراب دلیل قوم

سیھدیھم طریق الھالکینا

یعنی جب قوم کا رہنما کوا ہو تو ظاہر ہے کہ طریق ہلاکت کی طرف لے جائے گا۔

شورش صاحب! شرک وکفر کا یہ توپ خانہ نظر نواز ہوا یا نہیں؟ آپ نے علمائے اہلسنت پر ایک یہ الزام قائم فرمایا کہ یہ لوگ مولوی احمد علی اصحاب کو بھی کافر کہتے ہیں، کس ذمہ دار عالم اہل سنت نے ان کی تکفیر کی، حوالہ پیش کیجیے ورنہ ہم مشربوں کو دعوت دیجیے، سب سر جوڑ کر بیٹھیں اور آٹھ سو چھ مرتبہ **لعنۃ اللّٰہ علی الکاذبین** کا وظیفہ ورد زبان کریں، اس لیے کہ اس کے نام کے عدد اتنے ہی ہیں، اور وظیفوں کا طریقہ

اسی طرح ہے۔

ان نام نہاد صلحائے امت کی ناپاک ونجس چند عبارتیں مزید ملاحظہ فرمائیں جن میں شان رسالت علیہ الثنا والتحیۃ میں توہین وتنقیص ماہ نیم ماہ، مہر نیم روز سے زیادہ واضح ہے، مگر ہٹ دھرم ٹولی اس کی تاویل میں اپنی جماعتی طاقت، پریس اور قلم کی ساری قوت صرف کرنے ہی کو نشان دیانت سمجھ رہی ہے۔

تقویۃ الایمان صفحہ ۱۶ ''ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا، اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہے''۔

امام الطائفہ نے کمال عداوت نبوت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے دل کی بھڑاس نکالی ہے، شورش صاحب! سنجیدگی اور متانت کو رخصت نہ کیجیے، ٹھنڈے دل سے گریبان میں منہ ڈال کر سوچیے کہ بڑوں میں کون کون داخل ہے، مکین گنبد خضرا سے جس کو معمولی سا لگاؤ بھی ہوگا، یہ ایمان سوز عبارت سننا گوارا نہ کرے گا، یہ قول نجس تر زبوں کس کے دامن عظمت کو داغدار کرنے کے لیے کہا گیا ہے، یہ راس الموحدین کا ایمان آفریں کام ہے۔

سنیے! بڑوں میں سب سے بڑے سرکار عزت مدار بیکس نواز، غمخوار امت، زینت بزم کونین، صاحب لولاک لما خلقت العالم، باعث ایجاد عالم، خدا کے پیارے محبوب علیہ السلام ہیں، جن کے قصر عظمت کے سامنے عرش مجید کی بلند پیشانی بھی سجدہ ریز ہے، پھر انبیائے کرام پھر صحابۂ سید الانام پھر شہدائے کرام وغیرہم جن کی عزت کا عالم اپنے محبّ کے دربار میں چمار سے بھی کم ہو تو پھر دوسری جگہ اس کی عزت وآبرو کا تصور لغو و بے معنی ہے، اسی میں صفحہ ۷۱ پر ہے، فخر موجودات سید الکائنات کے بارے میں فرماتے ہیں۔

''جو بشر کی سی تعریف ہو سو ہی کرو، اس میں بھی اختصار کرو'' حقیقت محمد رسول اللہ بشریت ہرگز نہیں، بلکہ بشریت تو ایک حجاب ونقاب ہے، نور محمدی کے لیے ورنہ وہ اپنی حقیقت اصلیہ کے ساتھ جلوہ فگن ہوں تو انسان تو انسان فرشتہ بھی تاب نظارہ نہ لا سکے۔

سرکار عظمت مآب خود ارشاد فرماتے ہیں "یـا ابـا بـکـر لـم یعـرف حقیقتی غیر ربی" (اے ابوبکر میری حقیقت سوائے میرے رب کے کوئی نہیں جانتا) امام الطائفہ ایک بشر جس منزل پر ہے، اتنی بھی آقا کی تعریف کی اجازت نہیں دیتے، مگر اس طائفہ کے جو اپنے ہیں ان کا منارۂ عظمت کتنا بلند ہے، ملاحظہ فرمایئے، ارواح ثلثہ صفحہ ۲۴۰ "مولانا رفیع الدین صاحب فرماتے تھے کہ میں پچیس برس حضرت مولانا نانوتوی (یعنی مولوی قاسم نانوتوی) کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں اور کبھی بلا وضو نہیں گیا، میں نے انسانیت سے بالا درجہ ان کا دیکھا"۔

اس کتاب پر جابجا تاویلات رکیکہ کے لیے تھانوی صاحب کا حاشیہ ہے مگر یہاں کوئی حاشیہ نہیں، معلوم ہوا کہ تھانوی صاحب کا بھی یہی فتویٰ ہے، اس میں اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں، جب اپنے بڑوں کا سوال آیا تو انسانیت سے بالاتر یقین کیا اور جب افضل ترین مخلوقات الٰہیہ اور دوسرے اولوالعزم حضرات کی بات آئی تو فوراً نظر جھک گئی، جب کہ آفتاب و ماہتاب اکتساب نور کر رہے ہیں، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تلووں سے جبکہ حامل وحی جبرئیل امین جیسا باوقار فرشتہ آستان محمدی کا خدمت گار ہے، اب تو دانش وفکر ہی فیصلہ کرے کہ ارواح ثلثہ کی نگاہ اعور میں نانوتوی صاحب کیا ہوئے۔

کمال عقیدت کا ایک اور منظر ملاحظہ فرمایئے، شیخ الاسلام نمبر ۵۹۔

"تم نے کبھی خدا کو بھی اپنے گلی کوچوں میں چلتے پھرتے دیکھا ہے، کبھی خدا کو بھی اس کے عرش عظمت و جلال کے نیچے فانی انسانوں سے فروتنی کرتے دیکھا ہے، تم کبھی تصور بھی کر سکے کہ رب العالمین اپنی کبریائیوں پر پردہ ڈال کر تمہارے گھروں میں بھی آ کر رہے گا"۔

علمائے اہلسنت پر اپنی عصبیت میں یہاں تک کہا گیا کہ یہ لوگ نبی کو خدا کا درجہ دیتے ہیں اور اسی غلط تخیل پر تقویۃ الایمان کی تصنیف کی بنیاد ہے، حالانکہ ہم نے اپنے

آقا کے لیے، کبھی ایسا ایمان شکن تصور بھی نہ کیا، اگر کہا تو مظہر ذات وصفات الٰہی کہا، مگر یہاں صراحۃً ٹانڈوی صاحب کو خدا تسلیم کرلیا گیا اور پھر شان الوہیت یہ کہ خدا چلتا پھرتا ہے، زیر عرش عاجزی وفروتنی کرتا ہے، تمہارے گھروں میں آکر رہتا ہے اور وہ کون ہے، ٹانڈوی صاحب کے روپ میں۔

شورش صاحب! کبھی اس شرک جلی کی طرف بھی آپ کا زاویۂ نگاہ پہنچا، یہ کیسی انکہی ہے؟ کیا یہ عبارت شرک کے عمیق وتاریک کھڈ میں نہیں ڈھکیل رہی ہے؟ کیا یہ شرکی راگ نہیں الاپا گیا؟ اسی پر توحید کی علمبرداری کا دعویٰ؟۔

گنگوہی صاحب اور مولوی خلیل احمد صاحب کی ناپاک جرأت براہین قاطعہ صفحہ ۴۷ پر ملاحظہ فرمائیں۔

''شیطان وملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی، فخر عالم کی وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رد کرکے ایک شرک ثابت کرتا ہے'' اور اس سے قبل لکھا ''شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے''۔

یہ عبارت سراپا نجاست کیا علم نبوت وعرفان رسالت کا خطبہ پڑھ رہی ہے، کیا یہ علم مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثنا کو گھٹانے کی ناپاک وشرمناک جدوجہد نہیں ہے؟ وہ مخبر صادق جس کے پیش نظر کائنات وموجودات کا ایک ایک ذرہ ہے، جس کی دیدۂ حق بین ذات ذوالجلال کا مشاہدہ کرچکی ہے، اس کی وسعت علم کے لیے قرآن مجید میں ایک آیت نہیں بلکہ جو شخص آپ کی وسعت علم پر عقیدہ رکھے اس کو شرک کے گھاٹ اتار دیا گیا اور اس پر شرک کا نمایاں لیبل لگادیا اور شیطان وملک الموت علیہ السلام کا معاملہ آتا ہے، تو یہی شرک عین بن جاتا ہے، ان کی وسعت علم کے لیے نصوص قرآن سامنے آجاتے ہیں۔

شورش صاحب! آپ نے اس ایمان سوز عبارت پر بھی کبھی اچٹتی ہوئی نگاہ دوڑائی، انھیں کو صلحائے امت کا لقب دیا جائے گا، جن کا تقدس بھوت بن کر آپ کے ذہن ودماغ پر مسلط ہے، جو اس کے خلاف سوچنے کا موقع نہیں دیتا؟ فتاویٰ رشیدیہ

میں آپ کے رجسٹرڈ قطب العالم گنگوہی صاحب نے ساری امت مسلمہ کو حرام کار مستوجب غضب جبار بنا کر رکھ دیا ہے، فتویٰ صادر فرماتے ہیں ''منی آرڈر کرنا سود میں داخل ہے''۔

عوام وخواص میں شاید کوئی ملے، جس نے منی آرڈر نہ کیا ہو یا وصول نہ کیا ہو بالخصوص اسلامی ادارے جہاں سے حرام وحلال کے احکام کی وضاحت کی جاتی ہے جو تبلیغ وارشاد کے مرکز تسلیم کیے جاتے ہیں، وہاں منی آرڈر کی آمدورفت سب سے زیادہ ہے، مدرسوں میں جو کتابیں خریدی گئیں سود کی رقم سے خریدی گئیں۔

☆☆☆

(۵) ''داڑھی'' نگاہ شرع میں

یورپ کے پجاریوں نے جہاں بہت سے شعائر اسلام کو یورپی تہذیب کے آستانہ پر بھینٹ چڑھا کر مزاج ملت کو برہم کیا، وہاں داڑھی جیسے نشان ملت کو مٹانے کے لیے ایک ہمہ گیر لعنت کا سامان پیدا کر دیا ہے، اس کے ساتھ آتش عناد اتنی بڑھی کہ رخسار کے لہلہاتے ہوئے چمن کو پھونک کر رکھ دیا، رونق چمن کو برباد کرنے والے بے ترتیب خودرو پودوں کو باغبان اس وقت تراشتا ہے، جب ان کا وجود نمایاں ہو جائے اور زینت چمن داغدار ہو رہی ہو، مگر داڑھی کے ساتھ دست تعدی کا یہ عالم ہے کہ خواب ناز سے بیدار ہونے کے بعد اندھے یورپی پجاریوں کا سب سے پہلا کام شیو کرنا ہوتا ہے، بجائے یائے مجہول کے اگر اسی لفظ شیو کو یائے معروف پڑھیں تو یہ بڑھاپے کا مفہوم واضح کرے گا اور اگر بکسر شین پڑھیں تو اس کا مفہوم ہوگا بوڑھا، ذہن وفکر میں یہ بات آتی ہے کہ انگریزی کا یہ لفظ ان کے لیے بہت مناسب ہے، اس پر عمل جراحی سے یہ ایسے بوڑھے بننا چاہتے ہیں کہ کہنہ سالی اور گردش روزگار سے جس طرح نہ منہ میں دانت نہ پیٹ میں آنت۔

جھڑ ونش پھڑ ونس اسی طرح داڑھی بھی پیرانہ سالی کی نذر ہوگئی اور خودان کا حسین تصور اور عجیب تخیل یہ ہے کہ زمانہ خواہ کسی منزل عمر میں ڈال دے، ہمیشہ بارہ سال کے طفل صغیر ہی نمایاں رہیں، جس صورت میں اس کا نشان بار عارض ہے، تو اس میں مختلف تراش وخراش کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، بعض حضرات کچھ نشان گوارا کرتے ہیں وہ بھی نفسانی خواہشات کی آمیزش سے خالی نہیں، کبھی تو یہ مقصد ہے، کہ نماز کی امامت ہاتھ سے نہ جائے، بعض کا یہ مطلب ہے کہ تجدد وقدامت دونوں کا دامن ہاتھ میں رہے اور دونوں کی بزم میں جگہ مل سکے۔

ع رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی

اس دھوکے کی ٹٹی کو کبھی فرنچ بناتے ہیں، بعض ہر طرف سے جھاڑو دے کر ٹھوڑی کی ہڈی پر جمع کر دیتے ہیں جو دور سے کالک یا چونے کا داغ معلوم ہوتا ہے، موسم کے اعتبار سے بھی داڑھی میں انقلاب آتا ہے، شوال سے مانجھ مانجھ کر بوٹ کی پالش کی طرح چمکدار بناتے ہیں اور جب چند ٹکوں میں آیتوں کو فروخت کرنے کا موقع آیا تو شعبان میں رخصت دے دی، تاکہ تراویح پڑھانے والوں کے بازار میں اس کو فیل نہ کیا جائے، مونچھوں میں کچھ کم صناعی نہیں کی جاتی، بعض ہندو تمدن سے متاثر ہوکر اس کی ایسی پرورش کرتے ہیں کہ اگر بغیر چھنا شربت پیا جائے تو مونچھوں کو بڑے قاعدے سے کام میں لا سکتے ہیں، بعض اس طرح تراشتے ہیں کہ آلہ دھار دار بن جائے، کبھی ہلال کا فوٹو لیا جاتا ہے، بعض اس کے دونوں کناروں کو بڑھا کر اس قدر بل دیتے ہیں کہ نیش عقرب کا وہم ہوتا ہے، بعض دونوں کناروں کو صاف کرتے آئے اور ناک کے نیچے مرغی کا پر چھوڑ دیا۔

اپنی روایتی شان وآن اور مخصوص وضع سے ایسی بغاوت کہ آج غیروں کا تمدن اپنا طرۂ امتیاز بنتا جا رہا ہے۔

ع محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

صنف نازک کی طرز روش اور ناز و انداز والوں کے لیے جوش نے کیسا خاکہ پیش کیا ہے۔

پاؤں رکھتے ہو دم گلگشت کس کس ناز سے
اے میں قرباں دن میں نکلو گے اسی انداز سے

مسلمان نگاہ انصاف سے اور ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچے کہ دنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے، آج یوں اس قدر اندھی تقلید کا متوالا ہے، داڑھی جو کہ جمیع انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام بالخصوص سید المرسلین رحمۃ اللعالمین کی سنت مبارکہ ہے، اس کے ساتھ کیا مذموم سلوک روا رکھا جا رہا ہے۔

قرآن سے داڑھی کا ثبوت:۔ قرآن عظیم میں ہے **ما اتکم الرسول فخذوہ وما نھکم عنہ فانتھوا** یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو تمھیں عطا فرمائیں لے لو اور جس سے منع فرمادیں باز رہو، مالک عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت دائمہ مستمرہ تھی داڑھی رکھنا صحیح مسلم شریف میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے **کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم کثیر شعر اللحیۃ** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی گھنی تھی، اسی طرح ابن عساکر نے اور ترمذی نے شمائل میں اور طبرانی نے کبیر میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں متعدد روایتوں اور کثیر ثقات راویوں کے ذریعہ روایت کیا، احیاناً بھی داڑھی مونڈانے یا کتروانے کی کوئی روایت کتب احادیث و سیر میں موجود نہیں، اگر یہ محض سنیت کا درجہ رکھتی تو بیان جواز کے لیے کبھی حلق یا کم از کم قصر فرمایا ہوتا۔

محقق علی الاطلاق امام ابن الہمام نے فتح القدیر باب الاذان میں فرمایا **عدم التحرک مرۃ دلیل الوجوب** یعنی کسی چیز پر بطور استمرار سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل دلیل وجوب ہے، رہبر عالم علیہ الصلاۃ والسلام نے داڑھی رکھنے پر خود استمرار و دوام فرمایا، اور امت کو اس کا امر فرمایا، تو قرآنی فرمان کو نگاہ میں رکھنے سے واضح ہوا کہ امت

کے لیے اس پر عمل واجب اور ضروری ہے، نیز قرآن مجید میں ہے ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی اگر تم قدرت سے رشتۂ محبت جوڑنے کا دعویٰ کرتے ہو، تو میرے نقش قدم کا اتباع کرو، ظاہر بات ہے کہ داڑھی منڈا کر یا کتروا کر اتباع رسول کا تصور بھی کرنا سرحد شرم وحیا سے کوسوں دور ہے، داڑھی رکھنا صرف سنت سید المرسلین علیہ الصلوٰت رب العٰلمین نہیں، بلکہ جمیع انبیائے سابقین کا یہی طریقہ ثابتہ تھا، حدیث مسند متصل ابوداؤد وصحیح مسلم، سنن نسائی، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، مسند احمد وغیرہا میں ام المومنین طیبہ طاہرہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی کہ سرکار دوعالم رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دس چیزیں اصل فطرت وشرائع قدیمہ مستمرہ انبیائے کرام علیہم السلام سے ہیں، بعض ان میں لبوں کو ترشوانا اور داڑھی کو بڑھانا ہے۔

امام ترمذی نے اس روایت کی توثیق وتحسین کا حق اس طرح ادا فرمایا ھذا حدیث حسن قرآن مجید میں ہے اُولٰئِکَ الَّذِیْنَ ھَدَی اللّٰہُ فَبِھُدٰھُمُ اقْتَدِہْ یہ انبیا وہ ہیں، جنھیں اللہ عزوجل نے راہ دکھائی تو انھیں کی راہ کی پیروی کرو، ام المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث مذکور الصدر سے ثابت ہوا کہ داڑھی رکھنا جملہ انبیا علیہ السلام کا اتباع اور ان کی اقتدا ضروری، نتیجہ ظاہر ہے کہ داڑھی رکھنا واجب۔

حلق لحیہ مثلہ وتغیر خلق ہے:۔ تغیر خلق شیوۂ ابلیس اور حرام ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے وقال لا تخذن من عبادک نصیبا مفروضا ولا ضلنهم ولا منينهم ولا مرنهم فليبتكن آذان الانعام ولا مرنهم فليغيرن خلق اللّٰہ یعنی اور شیطان بولا قسم ہے میں ضرور تیرے بندوں سے کچھ ٹھہرا ہوا حصہ لوں گا، قسم ہے میں ضرور بہکادوں گا اور ضرور انھیں آرزوئیں دلاؤں گا اور ضرور انھیں کہوں گا کہ وہ چوپایوں کے کان چیریں گے اور ضرور انھیں کہوں گا کہ وہ اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزیں بدل دیں گے، تغیر خلق کرنے والے پر رب تعالیٰ کی لعنت ہے، احمد وبخاری ومسلم وابوداؤد وترمذی و نسائی وابن ماجہ ان سب ائمہ نے اپنی کتب حدیث میں فقیہ اعظم حضرت عبداللہ بن مسعود

رضی اللہ عنہ سے روایت کی لعن اللّٰہ الواشمات والمتوشمات والمتنمصات والمتفلجات للحسن المغیرات لخلق اللّٰہ یعنی اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے، ان عورتوں پر جو دوسروں کا بدن گودتی ہیں یا خود گودواتی ہیں اور جو بال نوچتی ہیں اور خوبصورتی کے لیے دانتوں میں کھڑکیاں بناتی ہیں اور جو اللہ کی بنائی ہوئی چیزوں کو بگاڑتی ہیں، یعنی تغییر خلق کرتی ہیں، امام عارف باللہ سیدی محمد بن علی بن عباس مکی قدس سرہ المکی ''طریق المزید الموصول الی مقام التوحید'' پھر امام حجۃ الاسلام محمد غزالی قدس سرہ العلی ''احیاء العلوم شریف'' میں فرماتے ہیں (وھذا لفظ المکی) قال فی ذکر سنن الجسد ذکر ما فی اللحیۃ من المعاصی والبدع المحدثہ قد ذکر فی بعض الاخبار ان اللّٰہ تعالیٰ ملئکۃ یقسمون والذی زین بنی آدم باللحی وفی وصف رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم انہ کان کث اللحیۃ وکذٰلک ابو بکر و کان عثمان طویل اللحیۃ دقیقھا وکان علی عریض اللحیۃ قد ملأت مابین منکبیہ ووصف بعض بنی تمیم من رھط الاحنف بن قیس (وعبارۃ الاحیاء قال اصحب الاحنف بن قیس) وددنا انا اشترینا للاحنف لحیۃ بعشرین الفا فلم یذکر حتفہ فی رجلہ ولا عورۃ فی عینہ وذکر کراھیۃ عزم لحیۃ وکان عاقلا حلیما وقد روینا ثامن غریب وتاویل قولہ تعالیٰ یزید فی الخلق ما یشاء مقال اللحی وذکر عن شریح القاضی قال (ولفظ الاحیاء قال شریح) وددت لوان لی لحیۃ بعشرۃ الالف ففی اللحیۃ من بقایا الھوی دقائق آفات النفوس ومن البدع المحدثۃ ثنتا عشرۃ من ذلک انقصان منھا وذلک مثلۃ وذکر عن جماعۃ ان ھذا من اشراط الساعۃ اھ ملخصاً

یعنی یہ ذکر ہے ان معاصی اور نو پیدا بدعتوں کا جو لوگوں نے داڑھی میں نکالی ہیں، حدیث میں ہے کہ کچھ ملائکہ الٰہی ہیں وہ یوں قسم کھاتے ہیں کہ اس ذات مقدس کی

قسم جس نے فرزندان آدم کو داڑھی سے مزین کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ شریف میں ہے، ریش مبارک گھنی تھی، اسی طرح سیدنا ابوبکر وعمر وعثمان غنی کی داڑھی لمبی اور باریک تھی اور مولیٰ علی عریض اللحیہ تھے اور آپ کی داڑھی آپ کے تمام سینہ کو محیط تھی، احنف بن قیس کے بعض اصحاب نے کہا کہ ہماری دلی خواہش ہے کہ اگر بیس ہزار میں داڑھی ملتی تو ہم اپنے استاذ احنف (جو اکابر ثقات وتابعین اور علما وحکمائے کاملین میں سے تھے، زمانہ رسالت علیہ الثنا والتحیۃ میں آپ کی ولادت شریف ہے ۶۷ھ یا ۷۲ھ وصال ہوا) کے لیے خریدتے، آپ کے پیر میں لنگ تھا اور ایک آنکھ ضائع ہوگئی تھی، شاگردوں نے اس کا کوئی افسوس نہ کیا، مگر داڑھی نہ ہونے کی کراہیت کو ذکر کیا اور ہم کو نادر روایتوں سے اس آیت کریمہ **یزید فی الخلق ما یشاء** کی تفسیر پہنچی کہ اس میں داڑھی مراد ہے، امام قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ (جو اجلہ ائمہ واکابر تابعین سے ہیں زمانہ رسالت میں آپ کی ولادت ہوئی، بلکہ بعضوں نے کہا، آپ صحابی ہیں، امیر المومنین حضرت مولا مشکل کشا علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مسند قضا پر فائز تھے، امیر المومنین مسائل شرعیہ میں ان سے مشورہ فرماتے، ۸۰ھ سے کچھ قبل یا بعد آپ کا وصال ہوا، ان کو خلقتہً داڑھی نہ تھی) فرماتے تھے کہ میری آرزو ہے کہ کاش دس ہزار میں داڑھی مل جاتی تو میں خرید لیتا، تو داڑھی میں شیطانی خواہشوں کے بقایا اور نفسانی آفتوں کے وقائق ہیں اور نو پیدا بدعتوں سے بارہ باتیں لوگوں نے ایجاد کی ہیں۔

ازاں جملہ داڑھی کم کرنی اور یہ مثلہ یعنی صورت بگاڑنی ہے اور ایک جماعت سے مروی کہ داڑھی کم کرنی آثار قیامت سے ہے، ہدایہ میں ہے **حلق الشعر فی حقها مثلة كحلق اللحية فی حق الرجال** یعنی بال منڈانا عورت کے حق میں مثلہ ہے جیسا کہ داڑھی منڈانا مردوں کے حق میں مثلہ ہے، امام مالک العلما ابوبکر مسعود کاسانی بدائع میں پھر علامہ علی قاری مسلک متقسط میں فرماتے ہیں **حلق اللحية**

من باب المثلة یعنی داڑھی منڈانا مثلہ میں داخل ہے، تبیین الحقائق میں ہے حلق راسها مثلة كحلق اللحية في الرجل یعنی عورت کا سر منڈانا مثلہ ہے جیسا کہ مرد کا داڑھی منڈانا............... بحر الرائق وطحطاوی علی الدرر میں ہے لا تحلق لكونه مثلة كحلق اللحية۔ ان تمام کتب متداولہ کے نصوص صریحہ وعبارت واضحہ پیش کرنے سے ہمارا مقصود یہ ہے کہ داڑھی منڈانا مثلہ ہے، ان نصوص کے ہوتے ہوئے کس کو جرأت ہوگی کہ حلق لحیہ کے مثلہ ہونے میں ریب وشک کرے، ہاں جن کا قلب و دماغ ان علمائے اعلام کے دین و دیانت پر مطمئن نہ ہو ان کے علم وتفقہ پر جن کا اعتماد رخصت ہو چکا ہو، ایسے لوگوں کے لیے تو بکواس میں بڑی وسعت ہے۔

ع بے حیا باش ہر چہ خواہی کن

مثلہ حرام ہے:۔ امام شافعی، امام احمد، دارمی، مسلم ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، طحاوی، ابن حبان، بیہقی ائمہ حدیث نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی لا تمثلوا ولا تقتلوا وليدا یعنی مثلہ نہ کرو اور نہ کسی بچہ کو قتل کرو، امام احمد نے مسند میں، ابن ماجہ نے سنن میں، قاضی عبدالبار بن احمد نے اپنی امالی میں، حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک لشکر میں بھیجا اور فرمایا سيروا بسم الله وفي سبيل الله قاتلوا من كفر بالله ولا تمثلوا ولا تغدروا ولا تقتلوا وليدا یعنی چلو اللہ عزوجل کا نام لے کر اور فی سبیل اللہ کافروں سے مقابلہ کرو اور مثلہ نہ کرو اور نہ بدعہدی کرو اور نہ کسی بچہ کو قتل کرو۔ ان احادیث کثیرہ میں مثلہ کی ممانعت صیغہ نہی کے ساتھ ہے جو عدم جواز کا موجب ہے، جب تک اس کے خلاف پر کوئی قرینۂ صارفہ نہ ہو، اس سے پہلے ہم نے ثابت کیا کہ حلق لحیہ مثلہ ہے اور مثلہ حرام ہے، نتیجہ واضح ہے کہ حلق لحیہ حرام ہے۔

حلق لحیہ میں تشبہ بالنساء ہے:۔ حلق لحیہ کی صورت میں بشرہ کے اعتبار سے مرد و زن میں امتیاز باقی نہ رہے گا، بلکہ میں تو یہاں تک عرض کروں گا کہ اگر مرد کے جسم پر

مردانہ لباس نہ ہو تو داڑھی منڈا کر جماعت صنف نازک میں بڑی آسانی سے کھپ جائے گا، مرد سر کے بال بڑھا سکتا ہے، عورت کی وضع بنا سکتا ہے، مگر عورت داڑھی نکالنے کی سکت نہیں رکھتی، معلوم ہوا کہ داڑھی مرد و زن میں ایک بہت نمایاں نشان امتیاز ہے، لہٰذا حلق لحیہ میں تشبہ بالنساء بطور کمال ہے اور تشبہ بالنساء حرام ہے۔

درمختار میں ہے فیہ (ای فی المجتبیٰ) قطعت شعر راسها اثمت ولعنت زاد فی البزازیته ولو باذن الزوج لانه لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق ولذا یحرم علی الرجل قطع لحیة والمعنی الموثرة التشبه بالرجال، ردالمحتار میں ہے العلة الموثرة فی اثمها الشبه بالرجال فانه لا یجوز کالشبه بالنساء یعنی مجتبیٰ شرح قدوری میں ہے، عورت اپنے سر کے بال کاٹے تو گنہگار و ملعون ہو جائے، بزازیہ میں اضافہ فرمایا کہ اگر چہ شوہر کی اجازت سے اس لیے کہ معصیت خالق میں کسی مخلوق کی اطاعت و فرماں برداری جائز نہیں، اس لیے مرد کو داڑھی حد شرع سے کم کرنا جائز نہیں اور علامہ شامی رحمۃ اللہ العلی نے فرمایا کہ وجہ معصیت تشبہ بالرجال ہے کہ یہ مردوں کی وضع بنانی ہے، یعنی عورت موئے سر اس وجہ سے نہیں کاٹ سکتی کہ یہ مردانی وضع ہے، جس طرح مرد کو حلق لحیہ کی حرمت میں یہ علت ہے کہ عورتوں سے مشابہت ہے اور وہ دونوں ناجائز، اگر بنظر دقیق دیکھیں تو اس آئینہ تشبہ میں وہی تصویر مثلہ نظر آئے گی، یہ علت حرمت کوئی مستقل نہیں بلکہ تعبیرات کا فرق ہے۔

<u>حلق لحیہ میں تشبہ بالمشرکین ہے</u>:۔ اب تک ہم نے حرمت حلق لحیہ کو بواسطہ مثلہ و تشبہ تسلیت کیا ہے، اب بلا واسطہ اس کی قباحت و شناعت میں احادیث سید المرسلین حاضر ہیں، امام مالک و احمد و بخاری و مسلم و ابوداؤد و ترمذی و نسائی و ابن ماجہ و طحاوی یہ تمام ائمہ حدیث عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں خالفوا المشرکین احفوا الشوارب واوفر اللحیة یعنی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، مشرکین کی مخالفت کرو مونچھیں خوب پست کرو اور داڑھیاں کثیر وافر رکھو، بخاری شریف

میں ہے انھکوا الشوارب واعفوا اللحی مونچھیں مٹاؤ اور داڑھیاں بڑھاؤ،
مسلم، ترمذی، ابن ماجہ، طحاوی کی روایت میں ہے احفوا الشوارب واعفوا
اللحی مونچھیں خوب پست کرو اور داڑھیوں کو چھوڑ و، علامہ امام ابوجعفر طحاوی شرح
معانی الآثار میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور پرنور صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا احفوا الشوارب واعفوا اللحی ولا تشبھوا بالیھود یعنی
مونچھیں خوب پست کرو اور داڑھیوں کو معافی دو اور یہودیوں کی وضع نہ اختیار کرو، اس
کے علاوہ احادیث کثیرہ ہیں، جن میں حکم اعفائے لحیہ صیغہ امر کے ساتھ وارد ہوا، جس کا
مقتضی وجوب ہے، بلکہ جس کی حقیقت وجوب ہے، جب تک خلاف پر کوئی دلیل
صارف نہ ہوا، اصول فقہ کی مشہور درسی کتاب اصول الشاشی میں ہے والصحیح من
المذھب ان موجبه الوجوب الا اذا قام الدلیل علی خلافه یعنی حنفیہ کے
نزدیک صحیح یہ ہے کہ اس کا مقتضی وجوب ہے، مگر جب کوئی دلیل اس کے خلاف پر قائم
ہو، اسی معیار کی دوسری کتاب نورالانوار میں ہے وعندنا الوجوب حقیقة الامر
فیحمل علیه مطلقه مالم تقم قرینة خلافه واذا قامت قرینة یحمل علیه
یہ ظاہر ہے کہ اگر کوئی لفظ کسی دلیل خارجی اور قرینہ کا سہارا لے کر کسی مفہوم پر دال ہوتو
اس لفظ کا یہ مفہوم مفہوم مجازی ہوگا کما مصرح فی کتب اصول الفقه۔ داڑھی
بڑھانے کے بارے میں ارشاد نبوت وفرمان رسالت علیہ الثنا والتحیہ صیغہ امر کے ساتھ
ہے اور امر کا مقتضی یا حقیقت وجوب ہے، تو ثابت کہ داڑھی بڑھانا واجب، ہاں اگر کوئی
قرینۂ صارفہ ہو کوئی دلیل خارجی ہو، تو محض سنیت یا استحباب کا مشعر بن سکتا ہے۔

ابھی مضمون تشنۂ تحقیق ہے، اس کی حد کا نمایاں کرنا بھی ضروری ہے، امام محقق علی
الاطلاق کمال الدین محمد بن الہمام ''فتح القدیر'' میں اور علامہ زین بن نجیم مصری ''بحر
الرائق'' میں اور علامہ ابوالاخلاص حسن بن عمار شرنبلالی ''غنیہ ذوی الاحکام'' میں اور علامہ
مدقق خاتم المحققین محمد بن علی دمشقی ''درمختار'' میں اور علامہ سید احمد مصری ''حاشیہ مراقی

الفلاح'' میں، یہ سب ائمہ دین جو علم وعرفان کے آفتاب و ماہتاب ہیں، کتاب الصوم میں فرماتے ہیں (المعنی للکل واللفظ لحاشیة الدرر والغرر) الاخذ من اللحية وهی دون القبضة كما يفعله المغاربة و مخنثة الرجال فلم يجه احد واخذ كلها فعل مجوس الاعاجم والهنود و بعض اجناس الافرنج یعنی داڑھی ایک مشت سے کم کرانا اس کو کسی نے جائز قرار نہ دیا، جیسا کہ یورپ والے اور مخنث رکھتے ہیں، اور کل کاٹنا یعنی منڈانا مجوسیوں اور یہودیوں اور ہندوؤں اور بعض یورپ والوں کا کام ہے، راس الفقہا عجم کے علامہ محمد بن عابدین شامی ''ردالمحتار'' میں فرماتے ہیں والسنة فيها وهو ان يقبض الرجال لحية فما زاد منها على قبضة قطعه كما ذكر محمد فی كتاب الاثار عن الامام قال وبه ناخذ محيط اهـ یعنی داڑھی اسوۂ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ایک مشت رکھنا ہے، جیسا کہ محرر مذہب امام محمد رضی المولیٰ الاحد عنہ نے ''کتاب الاثار'' میں امام الائمہ سراج الائمہ کاشف الغمہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کثیرۃ سے روایت فرمائی اور فرمایا کہ ہمارے نزدیک یہی مختار ہے، عبارت مذکورہ پر امام اہلسنت سیدنا احمد رضا رضی اللہ عنہ جدالمحتار علی حاشیۃ الشامی میں فرماتے ہیں، لفظ محمد اخبرنا ابو حنيفة عن الهيثم عن ابن عمر رضی الله عنه انه كان يقبض على لحية ثم يقص ماتحت القبضة قال محمد وبه ناخذ وهو قول ابی حنيفة، الحمدللہ مسئلہ لحیہ اور ضمناً مونچھوں کا حکم ارشاد ربانی وفرمان مصطفوی واقوال ائمہ مجتہدین و فقہائے عظام کی روشنی میں کتنا واضح ہوگیا، اسلاف کرام کی عملی زندگی کا یہ عالم تھا کہ مناہی ومعاصی کا ارتکاب اگر سہواً یا بالاضطرار ہوگیا تو بھی خوف وخشیت، شرم وندامت کی تصویر بن جایا کرتے اور دور حاضرہ کے اکثر مسلمان اسلامی زندگی سے اس قدر نفور، اسوۂ رسول سے اس قدر دور کہ لباس غیروں کا، رفتار وگفتار غیروں کی، طرز زندگی دشمنوں کی، وضع قطع غیر مسلموں کی، غرض غیروں کی تقلید واطاعت کا سراپا بن گئے،

صورت سے تو اسلامی انداز کی کوئی جھلک نظر نہیں آتی، اسلامی تعلیمات سے بیگانگی نے ان کے دل و دماغ پر غیر اسلامی احساسات وتخیلات کی چھاپ لگادی۔

نوزائیدہ بچپن ابھی آغوش مادر سے بے نیاز نہیں شیر خوارگی، ضعف ونزاکت کی دلیل ہے، سوائے رونے اور ہنسنے کے اس کی زبان لذت گفتگو سے ناآشنا، اوراک و احساس کا یہ عالم کہ آتش وگل کا امتیاز نہیں، مگر بالوں کی تراش یورپین ہو، لباس انگریزی ہی ہو، بجائے پانی کے واٹر اور گاٹر کی تعلیمی مشق لازمی، شاہکار تفریح کا سنیما سیمیں پردہ نہ دیکھا تو بچے کی ساری تقریبات چھٹی ہو یا سالگرہ سب ناقص و نامکمل کہ یہ تتمۂ تقریبات ہے، آغوش مادر انسان کی سب سے بڑی تربیت گاہ ہے، وہاں بچے کو جس سانچے میں ڈھال دیا جائے، ظن غالب ہے کہ اسی انداز کا ہوگا، ان مخرب اخلاق اور انسانیت سوز اسباق کو ماں باپ اپنے بیٹے کے ساتھ کمال شفقت سے تعبیر کرتے ہیں، مگر ایسے گندے اور غلیظ اور گندے ماحول میں زندگی بسر کرنے والوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ جس کو وہ پھول سمجھتا ہے بھڑکتی ہوئی آگ ہے، جس کو برگ گل سمجھتا ہے، تیز تلوار کی دھار ہے، جس سے وہ خود ذبح ہوگا، جس کو ہرا بھرا چمن سمجھتا ہے، وہ خاردار وادی ہے، جس کو خوبصورت ہیرا سمجھتا ہے، اس میں موت کی مہک ہے، یہ بیٹے کے ساتھ انداز محبت نہیں، کمال عداوت ہے، حیات مستحکم موت کے بعد ہے، دنیا چندروزہ ہے، بہرصورت گزر جائے گی، بچے کو جہنم کا ایندھن بنا کر تم نے کمال محبت کا سارٹیفکٹ حاصل کرلیا، کیسا جنون ہے، کیسا پاگل پن ہے، قرآن مجید میں ہے قوا انفسکم واھلیکم نارا جہنم سے خود بھی بچو اور اپنے اہل وعیال کو بھی بچاؤ، ایک مسلمان کی طرز معاشرت یہ ہے۔ ؎

چھٹ جائے اگر دولت دارین تو کیا غم
چھوٹے نہ مگر ہاتھ سے دامان محمد ﷺ

(نوری کرن بریلی اکتوبر ۱۹۶۳ء)

(۶) ایک آوارہ قلم

''ماہنامہ بلال'' کی اشاعت جولائی میں عاطف صاحب ملیح آبادی نے ایک مضمون بعنوان ''مسلمان، قبریں اور رسولِ خدا'' سپرد قلم کیا ہے، جس میں فاسد مواد سے اذہان کو مسموم کرنے کا کافی سامان ہے، عرش تحقیق سے کوسوں دور اصلاحی اقدام کے بجائے حقائق وانصاف سے انحراف وانعطاف کرکے روز روشن میں دین ودیانت کا خون کیا گیا ہے۔

ناظرین سے مخفی نہیں کہ جلن کے آگے دھرم کا ناس کرتے ہوئے کتنے دیدۂ بینا رکھتے ہوئے اندھے ہوجاتے ہیں، مادۂ عقل وہوش رکھتے ہوئے کتنے پاگل ہوجاتے ہیں، صف اول میں وہ سپوت ہیں، جنھوں نے مادر وہابیت کی ناپاک آغوش میں شیر جہالت وضلالت پی کر نشو ونما پائی، جن کے ذہن ودماغ کے سارے مسامات بند ہوگئے، فہم وفکر کی تمام طاقتیں سلب ہوچکی ہیں، گوبر کو حلوا کہہ دیا، اب لاکھوں حق بین نگاہیں تغلیط کریں، کروڑوں دلائل قاہرہ براہین ظاہرہ قائم ہوں مگر وہ حلوا ہی رہے گا اور ناک تک چڑھانے کی ہوس تام بھی۔

عاطف صاحب کا مضمون عریانی تہذیب کا شاہکار ہے، انبیا واولیا کے دامن عظمت کو تار تار کرنے کی ناپاک اور شرمناک کوشش میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا، تلبیس وابلہ فریبی کا یہ عالم کہ مضمون میں کسی ماخذ کا دھندلا سا نشان بھی نہیں، البتہ زینت کون ومکاں مالک انس وجاں رہرو لامکاں، نبی آخر الزماں علیہ صلوٰت الرحمٰن کی ذات مقدسہ پر افترا کرکے عداوت رسول کا جہاں گھناؤنا مظاہرہ کیا، وہاں اپنے نامۂ اعمال کو بھی سیاہ کیا۔

ناظرین! قلم کی آوارگی تو ملاحظہ فرمائیں، نہ انبیا کی بارگاہ حشمت میں لرزا، نہ اصحاب واولیا کی جناب رفعت میں پاس ادب کیا، ہر مزار صاحب مزار کے پیچھے ہاتھ دھو کے پڑا۔

وہ تو رستم تھا جو زندوں سے لڑا کرتا تھا
کون سا کام بھلا ایسا بڑا کرتا تھا
ہم تو رستم کے بھی ابا ہیں کہ مردوں سے لڑے
کوئی بتلا دے وہ مردوں سے لڑا کرتا تھا

مشاہد نفوس قدسیہ ومزارات محبوبان الٰہیہ کو تودۂ خاک بتانے والو اور دن دہاڑے ان کے ساتھ استہزا کرنے والو، اپنے گھر کی بھی خبر ہے، جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے، ارواح ثلثہ صفحہ ۱۶۹ پر ہے (اس کتاب پر مولوی اشرف علی صاحب کا حاشیہ بھی ہے، جس سے سمجھا جاسکتا ہے کہ دیوبندیوں کے یہاں یہ کتاب معتبر ہے)

''جھنجھانہ میں ایک صاحب کشف آئے اور حضرت میانجیو کے مزار پر حاضر ہوئے بعد میں انھوں نے کہا کہ افسوس کس ظالم نے ان کو امام سید محمود کے پاس دفن کردیا، یہ یہاں ادب کی وجہ سے اپنے انوار روکے ہوئے ہیں، اگر کسی ویرانے میں ہوتے تو میں ان کی ہڈیاں نکال کر دوسری جگہ دفن کرتا، پھر ان کے انوار و برکات کا مشاہدہ ہوتا'' (بلفظہ) نیز صفحہ ۲۰۳ پر ہے ''ایک صاحب کشف حضرت حافظ (محمد ضامن) صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر فاتحہ پڑھنے لگے، بعد فاتحہ کہنے لگے کہ یہ کون بزرگ ہیں؟ بڑے دل لگی باز ہیں، جب میں فاتحہ پڑھنے لگا تو مجھ سے فرمانے لگے کہ جاؤ فاتحہ کسی مردہ پر پڑھیو، یہاں زندوں پر فاتحہ پڑھنے آئے ہو، یہ کیا بات ہے، جب لوگوں نے بتلایا کہ یہ شہید ہیں'' (بلفظہ سوائے مابین ہلالین) نیز صفحہ ۳۲۲ پر مولوی معین الدین اپنے والد مولوی محمد یعقوب نانوتوی صدر دیوبند کی کرامت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''ایک مرتبہ ہمارے نانوتہ میں جاڑہ بخاری کی بہت کثرت ہوئی سو جو شخص

مولانا کی قبر سے مٹی لے جا کر باندھ لیتا اسے ہی آرام ہو جاتا، بس اس کثرت سے مٹی لے گئے کہ جب بھی قبر پر مٹی ڈلواؤں تبھی ختم، کئی مرتبہ ڈال چکا پریشان ہو کر ایک دفعہ میں نے مولانا کی قبر پر جا کر کہا (یہ صاحبزادہ بہت تیز مزاج تھے) کہ آپ کی تو کرامت ہوئی اور ہمارے مصیبت ہوگئی، یاد رکھو کہ اگر اب کے کوئی اچھا ہوا تو ہم مٹی نہ ڈالیں گے، ایسے ہی پڑے رہیو، لوگ جوتہ پہنے تمہارے اوپر ایسے ہی چلیں گے، بس اسی دن سے پھر کسی کو آرام نہ ہوا، جیسے شہرت آرام کی ہوئی ویسے ہی یہ شہرت ہوگئی کہ اب آرام نہیں ہوتا، پھر لوگوں نے مٹی لیجانا بند کر دیا'' مرنے کے بعد میاں جیو کے تصرف واختیار کا یہ حال کہ سید محمود کی وجہ سے اپنے انوار کو سمٹ لیا، پھر یہ بھی یقین کہ اگر ان کی بوسیدہ ہڈیاں کسی ویرانے میں دفن ہو جائیں تو سمٹے ہوئے انوار بکھر پڑیں گے، دنیاوی زندگی میں دل لگی بازی، مکروہ بازاری، کیرکٹر کا مظہر اور مخرب اخلاق ہے، مرنے کے بعد منوں مٹی کے نیچے بھی دل لگی بازی ہو رہی ہے، تیسری عبارت میں ایک وفادار بیٹا مرنے کے بعد باپ کو ڈانٹ بتا رہا ہے اور باپ کے خوف وہراس کا یہ عالم کہ ساری کرامت ہوا ہوگئی، مولوی یعقوب صاحب کی قبر کی ذرا سی مٹی میں یہ تاثیر و خاصیت کہ جس نے باندھ لی جاڑے بخار سے نجات پا گیا، جاڑے بخار کو پناہ مشکل ہوگئی، پھر وعید و تہدید کا یہ اثر کہ اب وہی مٹی بے اثر، مولوی یعقوب کی قبر پر اگر جوتا پہن کر لوگ چلتے پھرتے تو کیا حرج تھا، مٹی کا ڈھیر ہی تو ہے، عقیدہ تو ہے کہ مردوں کو کچھ سنا ہی نہیں سکتے اور اس کے ثبوت کے لیے قرآن عظیم پر افترا، مکالمہ بھی ہو رہا ہے، یہاں محض زندگی کی لہریں نہیں قوت و طاقت کا اظہار بھی ہے، یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ اپنوں کی بات ہے۔

عاطف صاحب کا افترا:۔ عاطف صاحب رقمطراز ہیں'' حالانکہ قبر پرستی ایک لعنت ہے، جس کے لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نزع میں بار بار فرمایا تھا کہ دیکھو میرے بعد میری قبر کو مسجد نہ بنالینا جو قومیں قبروں کو پوجنے لگتی ہیں وہ تباہ و برباد ہو جاتی

ہیں'' دماغ کے کسی گوشے، کسی کونے میں شرم وحیا کا خفیف سا بھی جذبہ ہے تو اصل حدیث بہ زبان عربی معہ حوالہ پیش فرمایئے اور ذرا سنبھل کر ہاتھ پاؤں سمیٹ کر اردو میں صحیح ترجمہ فرمایئے، ایجاد بندہ نہ ہو ورنہ مذاق نہیں، یہ افترا پردازی ہے، رہبر عالم فخر آدم و بنی آدم افضل الاولین والآخرین سرور کائنات جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ پر خاک بدہن گستاخ جس نے قبر انور کو تودۂ خاک کہا، اگر قبروں کی حاضری شرک ہے تو اس شرک کی تعلیم خود معلم توحید نے دی ''خلاصۃ الوفا'' میں ہے من زار قبری وجبت له شفاعتی یعنی جس نے میری قبر انور کی زیارت کر لی میری شفاعت اس کے لیے ضروری ہوگئی۔

اس میں واضح طور پر ترغیب زیارت موجود ہے، جو عاطف صاحب کے نزدیک شرک ہے، حیات نفوس قدسیہ ان سے پوچھیے جن کے قلب کا ایک ایک گوشہ جن کے ذہن کا ایک ایک کونہ ان کی عقیدت ومحبت سے مالا مال ہے، علامہ زین حجر رحمۃ اللہ علیہ فتاویٰ حدیثیہ صفحہ ۲۱۳ میں فرماتے ہیں ثم رأيت ابن العربی شرح بما ذكرناه من انه لا يمتنع رويه ذات النبی صلی اللّٰه عليه وسلم روحه و جسده لانه وسائر الانبياء احياء ردت اليهم ارواحهم بعد ما قبضوا و اذن لهم فی الخروج من قبورهم والتصرف فی الملكوت العلوی والسفلی ولا مانع من ان يراه كثيرون فی وقت واحد یعنی میں نے حضرت شیخ اکبر ابن عربی رضی اللہ کو دیکھا کہ آپ نے اس کی تصریح فرمائی جو ہم نے ذکر کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدس کی زیارت آپ کی روح مبارک و جسد شریف کے ساتھ ناممکن نہیں ہے، اس لیے کہ آپ اور تمام انبیا علی نبینا وعلیہم الصلاۃ والسلام زندہ ہیں، بعد قبض ان کی روحیں ان کی طرف واپس فرمادی گئیں اور ان کو اپنی قبروں سے نکلنے اور ملکوت علوی وسفلی میں تصرف کا اذن دیا گیا اور اس سے کوئی مانع نہیں ہے کہ ان کو بہت سے لوگ ایک وقت میں دیکھیں۔ تودۂ خاک کہنے والو یہ ہے

چلتی پھرتی زندگی تصرف کرنے والی حیات توانا۔

کھلا ہوا فریب:۔ عاطف صاحب فرماتے ہیں ''انسان کی درخشاں پیشانی جو اس لیے بنائی گئی ہے کہ اشیائے عالم اس کے سامنے سر بسجدہ ہوں، وہ خود آستانوں پر جھکنے لگے اور **ایاک نعبد و ایاک نستعین** (ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں) کے اقرار پنج وقتہ کے بعد ہم قبروں کے پاس حاجت روائی کے لیے حاضری دیں حالانکہ ان مٹی کے تودوں میں نہ تو زندگی ہے اور نہ نفع و نقصان کی طاقت'' اس گمراہ کن عبارت میں فریب کارانہ استدلال سے عوام کو جادۂ حق سے گمراہ کیا جاسکتا ہے، مگر دین میں سوجھ بوجھ رکھنے والا بتوفیق الٰہی اس دام تزویر میں نہیں الجھ سکتا، عاطف صاحب کی خیانت نواز بارگاہ میں عرض ہے کہ کسی آیت کسی حدیث و اثر یا اقوال ائمہ سے کوئی قول پیش کرسکتے ہیں، کہ مطلقاً انحنا عبادت ہے، یہ آپ کی علمی بصیرت ہے کہ انحنا اور عبادت کا مفہوم واحد سمجھ لیا، جناب عالی ان دونوں میں نسبت تساوی نہیں من وجہ ہے، ملاحظہ ہوں، دو مادۂ افتراق ایک مادۂ اجتماع، ہر انحنا عبادت نہیں (جیسے کسی استاد کے احترام میں) اور ہر عبادت انحنا نہیں (جیسے قیام صلوٰۃ) انحنا اور عبادت دونوں (جیسے رکوع صلوٰۃ) انحنا اور عبادت میں تساوی ہوتی تو ہرگز حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرایا جاتا کہ سجدہ انحنا کی اعلیٰ ترین تصویر ہے، بخیال آپ کے ہر انحنا عبادت ہے، اور غیر اللہ کی عبادت شرک، اور وہ شرک سے کبھی راضی نہیں، شرائع سابقہ میں سے کسی میں اس کا جواز نہیں مل سکتا، پھر سجدہ بھی غیر خدا کو مطلقاً شرک نہیں، ناجائز و حرام ضرور ہے، سجدۂ تعبدی ضرور سرحد شرک میں داخل ہے، انحنا پر کیا موقوف عبادت کسی ہیئت کے ساتھ ہو غیر اللہ کے لیے شرک ہے، اور اگر فرمایئے کہ انحنا اور سجدہ ارکان نماز میں داخل ہیں، ڈیڑھ سو فیصدی درست، اس منطقی اور نادر استدلال سے قیام بھی ماں باپ استاذ کے احترام میں شرک، خود رہبر توحید پیغمبر اعظم علیہ السلام نے اپنی پیاری بیٹی فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا

کی محبت میں قیام فرمایا، قیام بھی ارکان صلاۃ سے ہے۔ ؎

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں
خود آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

ہم نے آج تک کسی سعادت مند شاگرد کو نہ دیکھا کہ استاذ کی آمد پر زمین میں جم کر رہ گیا ہو، لہٰذا سب سے پہلے شمشیر شرک تمام علما پر چمکنا چاہیے۔

غیر اللہ سے استغاثہ کو بھی مطلقاً عبادت میں داخل کر کے جہاں عقل و دانش اور دین و دیانت کا جنازہ نکالا ہے، وہاں بیک جنبش قلم ابتدائے آفرینش سے تا قیام محشر تمام جن وانس کو شرک کی بھٹی میں جھونک دیا، یاللعجب! جب استغاثہ بالغیر شرک ہے تو آتش حسد صرف مردوں کے ساتھ کیوں بھڑکتی ہے، یہی فتویٰ زندوں سے استغاثہ میں بھی جاری ہونا چاہیے، مردوں کی تخصیص کہاں سے آئی، بچپن کی طفلانہ ہوس ماں باپ دوسرے تیسرے سے ہر نفع ونقصان والی چیز کو لفظ دے کے ساتھ طلب کرتی ہے، اور یہ استغاثہ بالغیر ہے، بیوی سے کھانا مانگنا، ضروریات کی تکمیل کرانا، اولاد سے طلب خدمت کرنا، ڈاکٹر سے دوا مانگنا، وکیل سے مقدمات کی پیروی کرانا، فیصلہ کے لیے حاکم کے پاس مقدمات پہنچانا اور مفید مطلب حق یا ناحق ڈگری کی درخواست کرنا، مدارس اور قومی ضروریات کے لیے قوم سے چندہ مانگنا، استاذ سے سبق پڑھنا وغیرہ وغیرہ سب غیر اللہ سے استغاثہ میں داخل، اس میں جناب کا کیا فتویٰ صادر ہوگا۔

بعض وہ عینکیں ہیں کہ ان کے لگانے کے بعد ہر چیز ٹیڑھی نظر آتی ہے، اگرچہ اس میں بھی دو ہی فریم اور دو ہی شیشے ہوتے ہیں اور اس کی ساخت بھی عام عینکوں کی سی ہوتی ہے، یونہی اگر کوئی وہابیت کی عینک لگا لے تو ضروری ہوگا کہ پوری ملت اسلامیہ کو شرک کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں جھونک دے، وہابی صحرائے افریقہ کا کوئی غیر مانوس جانور نہیں ہے، یہ بھی دو ٹانگوں، دو آنکھوں والا انسان ہے، مگر انداز فکر نرالا ہے، اگر کوئی جانور ہوتا تو اس کے دام فریب میں آنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، بہر حال مطلب

یہ ہے کہ وہابیت کی عینک سے قوانین ملت مسخ شدہ دکھائی دیں گے۔

مولوی قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند کا نتیجہ فکر بھی ملاحظہ فرمایا ہے؟ ؎

کرم کرا ے کرم احمدی کہ تیرے سوا

نہیں ہے قاسم بیکس کا کوئی حامی کار

یہاں نہ کسی زندہ سے استغاثہ ہے نہ مردہ سے استغاثہ ہے، بلکہ وصف نبوی سے جو عرض ہے جس کا وجود بغیر معروض کے ممکن نہیں، ان کے بارے میں آپ کا زاویۂ نگاہ کیا فیصلہ کرے گا؟ جبکہ بقول آپ کے مٹی کے تودہ سے یہ فریاد ہے، آپ کے حکیم الامۃ مولوی اشرف علی صاحب کے پیر حاجی امداداللہ صاحب کے ملفوظات مسمیٰ بشمائم امدادیہ کے صفحہ ۱۶۱ پر ہے "میں نے حضرت کی قبر سے وہی فائدہ اٹھایا جو حالت حیات میں اٹھایا تھا" نیز صفحہ ۱۶۸ پر ہے "جس مزار سراپا انوار سے میں نے فیض حاصل کیا ہو میرے نزدیک اس کی درستی واصلاح تو فرض ہے" نیز صفحہ ۱۶۷ پر ہے "آپ نے فرمایا کہ میرے حضرت کا ایک جولاہا مرید تھا بعد انتقال حضرت کے مزار شریف پر عرض کیا کہ حضرت میں بہت پریشان ہوں اور روٹیوں کو محتاج ہوں، کچھ دستگیری فرمایئے، حکم ہوا کہ تم کو ہمارے مزار سے دو آنہ یا آدھ آنہ روز ملا کرے گا، ایک مرتبہ میں زیارت مزار کو گیا وہ شخص بھی حاضر تھا، اس نے کل کیفیت بیان کر کے کہا کہ مجھے ہر روز وظیفۂ مقررہ پائیں قبر سے ملا کرتا ہے" نیز صفحہ ۲۰۳ پر فرمایا کہ "ایک بار میں حضرت قطب الدین بختیار کاکی کی قبر شریف پر تین روز تک مقیم رہا، حضرت قطب صاحب کے مزار مقدس سے ایک نور کا ستون نکل کر بلند ہوا اور حضرت پیرومرشد کے جائے اقامت (لوہاران) پر جا کر چھپ گیا، پھر حضرت قطب صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ تمھارا مقصود دلی تم کو تمھارے پیرومرشد سے ملے گا اور چند باتیں کیں اور فرمایا کہ پیر پرستی یہاں سے بخوبی واضح ہوئی" انتھی ملخصاً۔

مذکورہ عبارات کی روشنی میں یہ باتیں واضح ہوگئیں، فیض رسانی کے اعتبار سے اولیاء اللہ کی حیات وممات میں کوئی تفریق نہیں، حاجی صاحب کے پیرومرشد کا مزار تودۂ

خاک نہں ، بلکہ سراپا انوار ہے، اولیاء اللہ کی قبروں کی درستی واصلاح استغاثہ فیض کے لیے ضروری ہے، بےنشان ہونے کے بعد وہ فیوض حاصل نہ ہوں گے، مزارات اولیاء اللہ سے دستگیری کی درخواست جائز ہے، اور اولیاء اللہ کا مدد فرمانا بھی ثابت ہے، وہ اپنے مشاہد منورہ سے صرف دینی برکات سے مالا مال نہیں کرتے، بلکہ دنیاوی ضروریات زندگی کی بھی تکمیل فرماتے ہیں، بعد وصال قبروں پر اولیاء اللہ سے گفتگو بھی ہوسکتی ہے، پیر پرستی جائز ہے، تو دۂ خاک کے ساتھ حاجی صاحب کا یہ حسن ظن شرک ہے یا نہیں، ان پر کب برق شرک مچلے گی۔

مزارات مقدسہ کو تودۂ خاک کہنے والو نبی کی زندگی نبی کی زبان فیض سے سنو **ان اللّٰـہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء فنبی اللّٰہ حی وھو یرزق** اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام فرمادیا کہ وہ نبی کے جسم کو کھائے، پس اللہ کا نبی زندہ ہے اور اس کو روزی دی جاتی ہے۔

<u>ایک اور فریب:۔</u> عاطف صاحب کا پھر بے لگام قلم ملاحظہ فرمایئے ''اسلام پہلا دین ہے، جس نے درمیان کے تمام وسائل کو ختم کر کے اللہ اور بندہ کا براہ راست تعلق قائم کردیا اور اس طرح ذریعہ شرک والحاد کو ہمیشہ کے لیے بند کردیا'' جہاں قرآن کریم کا ارشاد ہے **ایاک نستعین** وہاں **استعینوا بالصبر والصلوٰۃ** بھی ہے، جس طرح ''**نستعین**'' **استعانۃ** سے ماخوذ ہے **استعینوا** بھی اسی سے ماخوذ ہے، **ایاک نستعین** کا مفہوم آپ کی ایجادی تشریح کے مطابق غیر خدا کے ساتھ استعانت شرک کی عمیق ترین وادی بھی گھسیٹتی ہے، مگر اس شرک کا سبق **استعینوا بالصبر والصلوٰۃ** میں بھی تو موجود ہے، آں جناب کی وضاحت کے موافق کتاب حکیم میں اتنا تعارض و تخالف، سورۂ فاتحہ کی طرف آپ کا زاویۂ نگاہ پہنچا، مگر سورۂ بقرہ سے آپ نے صرف نظر کرلیا، یہ پہلو بھی تشریح طلب ہے کہ مدد مانگنا ہی شرک ہے یا کوئی کسی کی اعانت کرے، یہ بھی شرک ہے، آپ کے مزعومہ کے مطابق اس کو بھی شرک ہی میں داخل کیا جائے گا

کہ غیر اللہ میں اعانت کا کوئی تصور نہیں، تو پھر بغیر کسی توڑ مروڑ کے اس آیت کا کیا مطلب ہوگا، ان تنصروا اللہ ینصرکم اگر تم اللہ کی مدد کروگے تو وہ تمھاری مدد فرمائے گا، جلالین شریف میں اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں ای دینہ و رسولہ آپ کے مظنونہ کے مطابق انسان دین ورسول کی مدد کرکے مشرک ہوگا یا نہیں؟ پھر یہ کہ جب اللہ کے سوا کوئی مددگار نہیں تو خدا کی جانب سے مسلمانوں کی مدد کی ترغیب دینا مہمل اور بے معنی ہوگا یا نہیں؟۔

گرہمیں مکتب وہمیں ملا کار طفاں تمام خواہد شد

اذا کان الغراب دلیل قوم سیدیھم طریق الھا لکینا

جب کوا کسی قوم کا رہبر ورہنما ہو جائے تو عنقریب ہلاکت کے راستہ پر لے جائے گا، اہل نظر نے کسی لطیف بات بتائی کہ ایک من علم کے لیے دس من عقل چاہیے، آج ہر طفل مکتب استاذ صحافت بن کر صحافت کی ٹانگ گھسیٹ رہا ہے، مذاق ملت و مزاج دین سے نا آشنا ہوکر ابلیسی تقلید کا حق ادا کرر ہا ہے اور اپنی خواہشات نفسانی کی تکمیل میں اپنے مطلب کے موافق آیات واحادیث کو توڑ مروڑ کر پیش کرر ہا ہے، انبیا و اولیا کی بارگاہ حشمت سے نا آشنا مزاج کا ہمیشہ یہی حال رہا ہے جن کے دربار عظمت میں عرش مجید کی بلند پیشانی سجدہ ریز ہے، بالخصوص سرور کائنات علیہ السلام کی بارگاہ رفعت مآب کا یہ عالم ہے کہ خدا کے مقدس ترین معصوم فرشتے جبرئیل ومیکائیل جس کی دربانی و پاسبانی پر فخر کرتے ہیں، ان کے اختیار واقتدار کا عالم یہ ہے کہ چاہیں تو دن کو رات کردیں اور رات کو دن کردیں۔

فقط اشارے سے سب کی نجات ہو کے رہی
تمھارے منہ سے جو نکلی وہ بات ہو کے رہی
جو شب کو کہہ دیا دن ہے تو دن نکل آیا
جو دن کو کہہ دیا شب ہے تو رات ہو کے رہی

جن کے اشارۂ ابرو پر موت حیات بن جائے جن کا عکس تصور تبدیل قبلہ کردے، اقتدار مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کا جلوہ ملاحظہ فرمایئے، ایک طویل حدیث کا اقتباس بروایت جعفر بن محمد پیش خدمت ہے، قال جبرئیل هذا ملک الموت يستاذن عليک ما استاذن علیٰ آدمی قبلک ولا يستاذن علیٰ آدمی بعدک فقال ائذن له فاذن له فسلم عليه ثم قال يا محمد ان الله ارسلنی اليک فان امرتنی ان اقبض روحک قبضت وان امرتنی ان اترکه ترکته فقال و تفعل يا ملک الموت قال نعم وبذالک امرت به فقبض روحه (مشکوۃ)

یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا یہ ملک الموت ہیں، حاضری کی اجازت چاہتے ہیں اور آج تک کسی کے پاس جانے کی اجازت نہیں لی اور نہ آئندہ کسی سے اجازت لیں گے، سرکار نے ارشاد فرمایا انھیں بارگاہ میں حاضری کی اجازت دیدو، اذن کے بعد حاضر ہوئے اور سلام عرض کیا پھر کہا یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بیشک اللہ تعالیٰ نے حضور کی خدمت میں مجھے بھیجا ہے، اگر آپ حکم دیں کہ میں حضور کی روح مقدس کو قبض کروں تو قبض کروں گا اور اگر حکم فرمائیں کہ میں ترک کردوں تو ترک کردوں گا ارشاد فرمایا اے ملک الموت کیا تو ایسا کرے گا، عرض کیا ہاں! میں اس پر مامور ہوں اور اللہ کا حکم ہے کہ میں حضور کی اطاعت کروں، تو حضور علیہ السلام نے حضرت جبرئیل کی طرف نگاہ رحمت فرمائی تو انھوں نے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ آپ کی ملاقات کا مشتاق ہے تو ارشاد فرمایا کہ اے ملک الموت جس پر تو مامور ہے پورا کر تو ملک الموت نے قبض روح کیا، سرور کائنات علیہ الثنا والتحیات کا منارۂ عظمت اتنا بلند و وسیع ہے کہ وہاں تک نگاہ تخیل کی پرواز محال ہے، حیات انبیا کے منکر و حیات شہدا کی شہادت قرآن حکیم دیتا ہے، يا ايها الذين آمنوا لا تقولوا لمن يقتل فی سبيل الله اموات بل احياء ولکن لا تشعرون اے ایمان والو! ان لوگوں کو جو اللہ کے راستہ میں شہید ہوئے مردہ مت کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں، مگر تمھارا شعور و پندار اس کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ صرف لفظ اموات پر

حکیم وخبیر نے اکتفا نہیں فرمایا وہ جانتا تھا کہ کچھ سر پھرے عظمت اولیا سے کھیلنے والے پیدا ہوں گے اور الفاظ قرآن سے فریب دے کر کہیں گے کہ مردہ تو ہیں مگر ان کی رفعت شان کی وجہ سے مردہ کہنے سے کف لسان کا حکم دیا گیا ہے، اس لیے ترقی فرماتے ہوئے ارشاد فرمادیا گیا کہ **بل احیاء** بلکہ وہ زندہ ہیں، دوسری جگہ ہے **ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللّٰہ ،الخ**

یعنی جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ہرگز انھیں مردہ نہ خیال کرنا بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں روزی پاتے ہیں، تفسیر خازن میں ہے کہ وہ زندوں کی طرح کھاتے پیتے ہیں، عیش کرتے ہیں، سیاق آیت اس پر دلالت کرتی ہے، کہ حیات روح وجسم دونوں کے لیے ہے، ملاحظہ فرمایا کہ وہ مٹی کے تودوں میں کیسی جیتی جاگتی تصویریں ہیں، ان کو قدرت نے کتنی توانائی بخشی اور جن کو توانائی ہے، وہ اس لائق ہے کہ اس سے استغاثہ واستعانت کی جائے **ولکن الوھابیۃ قوم لا یشعرون**، بات یہ ہے کہ روح جب تک قفس عنصری میں ہے مقید ہے اور اس سے آزاد ہونے کے بعد اس کی قوت کہیں بڑھ جاتی ہے، مٹی کے تودوں میں نورانیت ملاحظہ فرمایئے مشکوٰۃ شریف صفحہ ۵۴۵ **عن عائشۃ قالت لما مات النجاشی کنا نتحدث انہ لا یزال یری علیٰ قبرہ نور** فقیہ ملت طیبہ طاہرہ ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب نجاشی کا انتقال ہوا تو ہم برابر گفتگو کرتے تھے کہ برابر اس کی قبر پر نور دکھائی دیتا ہے، حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ اس کی شرح میں فرماتے ہیں **ھٰذا مشھور فیما بیننا و مذکور عمن رائی نور قبرہ منا ولا یتصور اتفاقنا علی الکذب فھو کاد ان یکون متواترا** یعنی یہ بات ہمارے درمیان مشہور ومذکور ہے ان لوگوں سے جنھوں نے ہم میں سے اس کی قبر پر نور دیکھا اور یہ کذب پر اتفاق نہیں ہوسکتا بلکہ حد تواتر کے قریب ہے، ام المومنین ودیگر بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو ان خاک کے تودوں میں کیسی نورانی زندگی نظر آئی، آپ کے مخترع کے مزاحم ہے یا موافق، بات یہ ہے کہ ”خدا جب

دین لیتا ہے تو عقلیں چھین لیتا ہے" لمعات شریف میں حجۃ الاسلام امام محمد غزالی علیہ الرحمۃ مولی الموالی کا ایک ہدایت آفریں قول پیش کیا ہے من یستمد فی حیاتہ یستمد بعد مماتہ جس سے زندگی میں مدد طلب کی جاتی ہے بعد وصال بھی اس سے مدد طلب کی جائے گی، کیا صاحب لمعات شریف اور حجۃ الاسلام کی نگاہ حق بیں میں ایاک نستعین کا مفہوم نہ تھا؟ ان کا ذہن خالی ہی رہا؟۔

اس نص صریح میں ان خاک کے تودوں سے استمداد و استغاثہ کا جواز موجود ہے، ان پر شرک کی بجلی چمکے گی یا نہیں، علامہ احمد بن محمد شہاب خفاجی "عنایۃ القاضی"، و "کفایۃ الراجی" میں حجۃ الاسلام غزالی وامام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہما تائیداً نقل فرماتے ہیں ولـذا قیـل اذا تـحیـرتـہ فی الامـور استعینوا من اصحاب القبور الا انہ لیس بحدیث کما توھم ولذا اتفق الناس علی زیارۃ مشاھد السـلف والتـوسـل بھـم الـی الـلّٰـہ تـعالیٰ وان انکرہ بعض الملاحدۃ فی عصرنا والمشتکی الیہ ھو اللہ یعنی اس لیے کہا گیا کہ جب تم کاموں میں متحیر ہوتو مزارات اولیا سے استعانت کرو، مگر یہ حدیث نہیں ہے، جیسا کہ بعض کو وہم ہوا اور اسی لیے مزارات سلف صالحین کی زیارت اور انھیں اللہ عزوجل کی طرف وسیلہ بنانے پر مسلمانوں کا اتفاق ہے، اگرچہ ہمارے زمانہ میں بعض ملحد بے دین لوگ اس کے منکر ہوئے اور خدا ہی کی طرف ان کے فساد کی فریاد ہے۔ عاطف صاحب! الحاد و بے دینی کا فتویٰ آپ کے لیے ہوگا یا آپ کے شرک کا فتویٰ ان علمائے حقانی پر؟۔

ناپاک تخیل:۔ رب قدیر قادر و قیوم ہے وہ چاہے تو بغیر آفتاب دن کی روشنی چمکا دے، بغیر ماہتاب چاندنی پھیلا دے، بغیر بادل موسلا دھار بارش برسا کر نالے ندی بہا دے، بغیر سانس حیات دائمی بخش دے، اس کی غیر محدود قدرت اور بے نہایت طاقت چاہتی تو بغیر انبیا ورسل کے بھی کار ہدایت انجام پا جاتا، مگر نظام قدرت یونہی ہے کہ آفتاب آیا تو دھوپ نکلی، چاند نکلا تو چاندنی کا فرش بچھا، بغیر بادل پانی کی ایک بوند

آسمان سے نہ ٹپکی، سانس بند ہوئی اور پیغام موت آیا، قرآن شاہد ہے لکل قوم ھاد ہر قوم کی اصلاح و درستی کے لیے اس نے ہادی و رہبر کو مبعوث فرمایا، عاطف صاحب نے وسائل کا انکار کر کے قانون فطرت سے بغاوت کی، دستور قدرت سے عداوت مول لی، فرماتے ہیں۔

''اور اسلام پہلا دین ہے جس نے درمیان کے تمام وسائل ختم کر کے اللہ اور بندہ کا براہ راست تعلق قائم کر دیا اور اس طرح ذریعہ شرک والحاد کو ہمیشہ کے لیے بند کر دیا'' عاطف صاحب نے وسائل کو ذریعہ شرک بتایا اور قرآن شریف اعلان فرماتا ہے کہ بغیر وسیلہ کے نجات نہیں **لو انھم اذ ظلموا انفسھم جاء وک فاستغفروا اللّٰہ واستغفرلھم الرسول لوجدوا اللّٰہ توابا رحیما** (اگر انھوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا ہے تو آپ کے دربار میں حاضری دیں اور اللہ سے استغفار کریں اور رسول بھی انکے لیے طلب بخشش کریں تو اللہ کو توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا پائیں گے) معلوم ہوا کہ استغفار دربار رسالت میں ہو اور شہنشاہ رسالت کی تائید کا واسطہ ہو تو توبہ قبول ہوگی، شرک کرنے والا سب سے زیادہ اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہے، جب تک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے توبہ نہ ہوگی ہرگز مقبول نہیں، عاطف صاحب کے نزدیک واسطہ ذریعہ شرک اور قرآن کے نزدیک واسطہ مزیل شرک، پھر عاطف صاحب فرماتے ہیں ''مردوں سے زیادہ زندوں کا حق ہے'' حیات دنیا کے بعد باب عمل بند ہو جاتا ہے اور جو نفوس بقید حیات ہیں، اپنے لمعات زندگی میں عمل صالح سے اپنی آخرت سنبھال سکتے ہیں، کم سے کم بتوفیق الٰہی شرف توبہ سے مشرف ہو کر اپنے نامۂ اعمال کی سیاہ کاریوں کو حسنات سے مبدل کر سکتے ہیں، مردوں کو یقینا ان میں سے کوئی آسانی حاصل نہیں'' شاید عاطف صاحب کسی المیہ سے دوچار ہونے کے بعد یوں ناموافق جذبات کا اظہار فرما رہے ہیں کسی مقام پر محبوبان الٰہیہ کی نیاز کے سلسلہ میں زردہ، بریانی کی قابیں مشام جاں کو معطر کر رہی ہوں گی، عاطف صاحب کی رال ٹپک

رہی ہو اور صاحب خانہ سے اظہار تمنا بھی کیا ہو، صاحب خانہ کو عاطف صاحب کا مکتب فکر معلوم ہو، جس کی وجہ سے ان کو محروم کر دے گیا، اب نہ سنائیں تو کیا کریں، سنی بھی اس سلسلہ میں بڑا سخت گیر ہوتا ہے، اگر چہ یہی طرز عمل تقاضائے ادب واحترام ہے۔

عاطف صاحب پھر گرجتے ہیں ''یہ سب کرنے کے بعد بھی تو تم ذلیل ہو'' کیا عاطف صاحب کو جنبش لب کی تکلیف دے سکتا ہوں کہ وہ اور ان کے ہم خیال وہم اعمال کون سی منزل رفعت پر براجمان ہیں، بام ثریا کے کس پھانک میں جلوہ افروز ہیں، فضل وکرامت، عزت وشرافت کی کس جنت میں محو خرام ناز ہیں، خلد بریں کا کون سا کونہ ان کا رہین منت ہے، کیا تمام اشیائے عالم ان کی بارگاہ سطوت میں پوری نیاز مندی کے ساتھ سجدہ ریز ہیں، کیا یہ فلک بوس ہمالیہ اور تمام عظیم الشان درخت ادب واحترام میں سلامی ہیں۔

بدترین بخل:۔ ماہنامہ بلال میں جہاں مذکورہ بالا سامان تخریب ہے، وہاں یہ گندگی بھی ہے کہ محمد لکھ کر صلعم لکھ دیا گیا ہے جیسا کہ وہابیت کی طرز نگارش کا طرۂ امتیاز ہے، سیکڑوں خرافات وہذیانات گمراہ کن نقوش سے دامن قرطاس سیاہ کیا جا سکتا ہے، مگر جب آرائش کون ومکاں باعث ایجاد دو جہاں کا نام نامی کا موقع آتا ہے تو اختصار پسندی اور کفایت شعاری کا مذموم جذبہ عداوت رسول کا مظاہرہ کرتا ہے، شارٹ ہینڈ کا ایسا ہی جذبۂ ناپاک کارفرما رہا تو نماز روزہ تمام فرائض الٰہیہ میں شارٹ کرکے ٹھاٹھ کریں گے، الحمد للہ کہہ کے ولا الضالین کہہ دیا یونہی سورہ وغیرہ، چلو امت کو کتنا آسان نسخہ عمل مل گیا، نماز کتنی ہلکی ہوگئی، نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم یا دیگر انبیائے کرام کے ساتھ ایسا بخل، علما نے لکھا ہے، یہ ناجائز ہے، فقہ کی متداول کتاب ''ردالمحتار'' مصنفہ خاتم المحققین علامہ محمد بن عابدین علیہ رحمۃ الرحم الراحمین ملاحظہ فرمایئے، انشاء اللہ تعالیٰ حکم واضح ہو جائے گا، بلکہ آپ اپنے گھر سے لیجیے مولوی احمد سعید دہلوی اپنی کتاب ''صلوٰۃ وسلام'' کے صفحہ ۴۲ میں درود شریف کے آداب میں

لکھتے ہیں ''جب حضور کا نام لکھے تو صلی اللہ علیہ وسلم پورا لکھے اس میں کوتاہی نہ کرے، ایک شخص کو عادت تھی کہ جب حدیث کی کتاب میں حضور کا نام لکھتا تو کاغذ کی کمی کا خیال کرتے ہوئے آپ کے نام کے ساتھ درود شریف نہ لکھتا تھا چنانچہ اس کے سیدھے ہاتھ کو ایسا مرض ہوا کہ تمام ہاتھ گل گیا''۔

عاطف صاحب اور مسیحیت:۔ زیر نظر مضمون میں عاطف صاحب فرماتے ہیں ''چونکہ اللہ نے آپ کو رب رحیم اور مالک یوم الدین کہا ہے، ایک باپ کا فرض ہے کہ اولاد کی پرورش کرے، رحم ومحبت کا اس کے ساتھ برتاؤ کرے اور رحم ومحبت کا تقاضہ ہے کہ انصاف کیا جائے اور انصاف کا تقاضہ یہ ہے تمام نیک و بد کام اولاد کے سامنے کھول کر بیان کر دے جائیں'' عاطف صاحب کے ذہن وفکر پر صرف وہابیت کی غلیظ چھاپ نہیں ہے بلکہ مسیحیت کا رنگ بھی موجود ہے، کریلا اور نیم چڑھا، اس آخری اقتباس میں خدا کو رب رحیم وغیرہ کہنے کے بعد بنی آدم کو خدا کی اولاد بڑی صفائی سے کہہ گئے، کوئی ایسا لفظ اس عبارت میں موجود نہیں جو تمثیل پر دال بن کر گنجائش تاویل حاصل کرے، بلکہ خدا کو رحیم باپ کا لقب دے کر اپنی مسیحیت کا اعلان کر دیا، یہاں شرک کا شبہ بھی نہ ہوا، نصوص قطعیہ میں جا بجا صاف صاف الفاظ کے ساتھ تثلیث پرستی کا رد کیا گیا ہے قل هو اللّٰه احد . اَللّٰه الصمد . لم يلد . ولم يولد . ولم يكن له كفوًا احد .

اولیاء اللہ کے فضائل ومناقب، منزل ومراتب جن کے ابھرے ہوئے نقوش کتب دینیہ کے صفحات پر نمایاں ہیں، ان کو محو کرنے کے سوجتن ہو رہے ہیں، قوم کے ایمانی اذہان میں ان کی عظمت کے جو چراغ روشن ہیں، ان کو پھونکوں سے بجھانے کی سرگرم کوششیں جاری ہیں کہ یہ ساری رشتہائے عقیدت منقطع ہو جائیں تاکہ قوم کا سفینۂ ایمانی غرق ہو جائے اور ابلیس کھڑا ہوا اپنی کامیابی پر مسکرائے، اللهم هداية الحق والصواب وارنا الحق حقا والباطل باطلا۔

(ماہنامہ نوری کرن بریلی، جنوری ۱۹۶۴ء)

☆☆☆

(۷) ایک خط کا جواب

ہمارے ایک کشمیری بھائی مودودیوں کے دیدہ زیب مگر پر مکر وفریب ظاہری تنظیم کو دیکھ کر کچھ متاثر ہو گئے، پھر نوری کرن کے مضامین سے دل میں کھٹک پیدا ہو گئی، ان کے استفسار پر یہ مضمون سپرد قلم کیا گیا ہے، عرصہ ہوا بھائی اقبال احمد ایڈیٹر نوری کرن نے غالباً اپنی عدیم الفرصتی کی بنا پر میرے حوالے کر دیا، مگر میں بھی قلت وقت و کثرت کار و ہجوم افکار کی بنا پر بعجلت جواب نہ دے سکا، امید کہ معاف کیا جاؤں، کشمیری بھائی نے اگر تلاش حق کے لیے اپنے تاثرات پیش کیے ہیں، تو انشاء اللہ تعالیٰ یہ مختصر تحریر شمع راہ بن کر منزل صداقت کی اچھی طرح نشاندہی کرے گی۔

بہ طور تمہید یہ چند اصول مسلمہ کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے، اس سے بے اعتنائی برت کر ساحل ہدایت تک پہنچنا تقریباً ناممکن ہے (۱) حکایات وواقعات سے جو جتنا قریب ہوتا ہے اس کو اسی اعتبار سے واقعہ کے نشیب وفراز، محل وقوع، سبب وقوع سے واقفیت زیادہ ہوتی ہے، پھر جتنا بعد ہوتا جائے گا معرفت میں نقصان کا اندیشہ بڑھتا جائے گا، حتیٰ کہ بعض اوقات واقعہ مسخ ہو کر رہ جاتا ہے (۲) اہل زبان کو اس زبان کے استعارات ومجازات ومحل واستعمال ومفہوم ترکیب سے معرفت زیادہ ہوتی ہے (۳) جس فن میں جس کو جتنی دسترس ہوتی ہے، جس کا جتنا مبلغ علم ہوتا ہے اس کے اعتبار سے اس کو فہم وفراست حاصل ہوتی ہے (۴) جس کا جتنا مطالعہ وسیع ہوتا ہے معلومات کثیرہ کی روشنی میں اس کا فیصلہ اتنا ہی لائق اعتماد اور قابل وثوق ہوتا ہے (۵) حضور سرور کونین علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے، خیر القرون قرنی ثم یلؤنہ ثم یلؤنہ ثم یلؤنہ ثم یظھر الفساد او کما قال علیہ السلام یعنی سب سے بہتر میرا زمانہ پھر اس سے متصل پھر اس سے متصل پھر اس کے بعد فساد (۶) محدثین وائمہ دین

زیادہ تر خیر القرون سے وابستہ ہیں، جنھوں نے مذہب وملت کی تشریح وتفصیل فرمائی۔

اگر ان اصول کی روشنی میں قرآن وحدیث کو سمجھنے کی کوشش کی جائے تو مودودی کے من گھڑت استدلالات ھبـــاءً مـنـثـورا ہو کر رہ جائیں گے، یاد رہے مودودی صاحب اس چودہ صدی کی پیداوار ہیں، الصلوٰۃ عماد الدین فمن اقامھا فقد اقام الدین ومن ترکھا فقد ھدم الدین اس حدیث کریم پر ہمارا ایمان واعتقاد ہے، سرور عالمؑ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہمارا عقیدہ ہے کہ وہی حق وصواب ہے اور اس کے خلاف ناممکن۔

میرے برادر عزیز! اس حدیث کی تشریح سے پہلے آپ سے عرض ہے، بڑی صداقت ودیانت، کمال سنجیدگی کے ساتھ ارشاد فرمائیں کہ کیا ہفت اقلیم میں جتنے تارک صلوٰۃ ہیں، سب کافر ومرتد ہیں، اسلام سے ان کا کوئی علاقہ کوئی رشتہ نہیں، کیا آپ جرأت کریں گے تارکین صلوٰۃ پر فتویٰ کفر صادر فرمائیں گے؟ جیسا کہ مودودی صاحب کی تشریح کا تقاضا ہے، مودودی صاحب کے خانہ ساز اجتہاد کی بنا پر اس حدیث کا یہ مطلب بھی ہوگا کہ ایک وقت کا تارک بھی کافر ومرتد ہے اور مرتد اور مرتدہ کا نکاح دنیا میں کسی سے نہیں ہوسکتا، جیسا کہ ہدایہ وشامی ودیگر کتب معتد اولہ میں مذکور ہے تو پھر ان تمام تارکین صلوٰۃ کی اولادیں حرامی ہوئیں، اولاد زنا ہوئیں، کیا آپ کا ایمان ان تشریحات کو قبول کرے گا؟ اصل راز یہ ہے کہ سرور کائنات علیہ السلام کے دور مسعود میں کوئی مسلمان بے نمازی نہیں تھا، اس وقت نماز کافر ومسلم میں نشان امتیاز تھی، تارک نماز کافر ہی ہوتا تھا یا تہدیداً فرمایا گیا، اور ترک نماز کو ہدم دین سے تعبیر فرمایا گیا، یعنی جس نے بلا عذر شرعی قصداً بلا انکار ایک وقت کی نماز قضا کردی اس کا دین مجروح ہوگیا، اس کا ایمان بے نور ہوگیا، مثلاً زید کی ایک بہت شاندار حسین کوٹھی ہے، بجلی چمکی اور اس کا ایک گوشہ منہدم ہوگیا، کچھ حصہ گر گیا، بیان کرنے والا یونہی بیان کرے گا کہ زید کی کوٹھی پر بجلی چمکی اور وہ گر گئی، محاورہ یونہی قائم ہے کوٹھی اب بھی ہے مگر اس کا حسن زائل ہوگیا، تو اس

طرح بیان کیا گیا، نماز اہم العبادات و اعظم الاعمال ہے، تارکین کے لیے بڑی بڑی وعیدیں قرآن و حدیث میں وارد ہیں، سرکار نے اپنے ارشاد سے اس کی عظمت کو ذہن نشین کرایا ہے، امام الائمہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے جو تابعی ہیں، خود عظیم مجتہد ہیں اور مجتہدین کے استاذ ہیں، انھوں نے تارک صلوٰۃ غیر منکر کو مسلمان ہی فرمایا، ظاہر بات ہے کہ امام کا مبلغ علم وسعت مطالعہ زہد و اتقا، مثل و بے مثال تھا، بلا واسطہ صحابہ سے فیض علم حاصل کیا، سرکار عزت مدار علیہ السلام کے زمانہ سے آپ کا زمانہ بہت قریب ہے، آپ کا سینہ لاکھوں حدیثوں کا مدینہ تھا، انھوں نے تکفیر نہیں فرمائی تو آج علم کے اس دور انحطاط میں چودہویں صدی کا ملا علم بغاوت بلند کر کے قصر اسلام ڈھانے کی ناپاک کوشش کرے اور پھر وہ لائق اتباع ہو؟ یاللعجب! بتقاضائے نفس حدیث وقرآن کے من گھڑت معنی لیے جائیں تو زندگی اجیرن ہوگی، اصول اسلام ناقابل عمل ہوکر رہ جائیں گے یا ایھا الذین آمنوا آمِنُوا باللّٰہ ورسولہ اس کا عقلی ترجمہ یہ ہوا کہ اے ایمان والو اللہ ورسول پر ایمان لاؤ یعنی اے مومنو! مومن بنو، جب خطاب مومن سے ہے تو قبل خطاب وہ مومن ہے، پھر مومن بننے کا کیا مفہوم ہوسکتا ہے، یہ سراسر تحصیل حاصل اور تحصیل حاصل محال تو مومن کا مومن بننا محال ہے، اس استحالہ کی دلدل سے اگر نکلنا ہے تو ائمہ اسلام کی بارگاہ میں جبین طلب خم کیجیے، اگر تحفظ ایمان مقصود ہے طمانیت قلب مطلوب ہے، تفسیر ملاحظہ فرما کر دین وایمان کی دنیا روشن کیجیے۔

تفسیر معالم التنزیل میں ہے یا ایھا الذین آمنوا آمنوا باللّٰہ ورسولہ قال الـعلی عن ابی صالح عن ابن عباس نزلت هذه الاية فی عبداللّٰہ بن سلام و اسـد واسیـدا بنی کعب وثعلبة ابن قیس و سلام ابن علیه وسلم فقالوا انـا تومن بـک و کتابـک و بموسی والتوراة وعزیز و تکفر بما سواہ من الـکتـب والـرسـل فـقـال لهـم النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم بل آمنوا باللّٰہ ورسـولـه مـحـمـد صلی اللّٰہ علیه وسلم والقرآن وبکل کتاب کان قبله

فانزله الله هٰذه الآیة، ایک حدیث بھی ملاحظہ فرماتے چلیں من ترک الصلوٰۃ متعمدا فقد کفر جس نے قصداً نماز ترک کردی کافر ہوگیا، آپ کی نقل کردہ حدیث میں تو کفر پردہ انہدام میں جھلکتا ہے، جس کے سارے بے نمازیوں کو بلکہ ایک وقت کی ترک کرنے والوں کو خارج از اسلام بنادیا گیا، مودودی صاحب نے اس حدیث سے اپنی مخترع تشریح کے ذریعہ کتنے مسلمانوں کو کفر کے گھاٹ اتار دیا، اس سے زیادہ اس حدیث کو بغل میں لے کر کفر کی تلوار چلانا ان کے لیے آسان تر تھا، کیا آپ کا جذبۂ دینی گوارہ کرے گا کہ جس نے ایک وقت کی بھی نماز ترک کردی وہ کفر وارتداد جیسے غلیظ الفاظ کا محمل بن گیا، کلام الٰہی فصاحت و بلاغت کی اعلیٰ ترین منزل پر فائز ہے، کلام رسول سراپا بلاغت التزام ہے، مودودی صاحب کا طائر عقل ہی کیا، امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جن کے ذہن صافی میں لاکھوں حدیثوں کا خزانہ تھا، انھوں نے حدیث کا صحیح مفہوم بتا کر امت ضعیفہ پر احسان عظیم فرمایا اور کروڑوں مسلمانوں کو کفر کی گھناؤنی وادی سے بچالیا، فرمایا کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس نے انکار کرتے ہوئے نماز ترک کردی کافر ہوگیا، فعلی هذا امناصدقنا، مولیٰ تعالیٰ امام کے مشہد پاک کو اپنی رحمتوں کے پھول سے باغ و بہار بنائے، آمین۔

پھر مشکوٰۃ شریف کی ایک حدیث کی طرف توجہ مبذول فرمائیں، قال الاسلام ان تشهد ان لا الٰه الا اللّٰه وان محمد رسول الله وتقیم الصلوٰۃ وتوتی الزکوٰۃ وتصوم رمضان وتحج البیت ان استطعت الیه سبیلا ، الا ایمان ان تومن باللّٰه وملئکة وکتبه رسله والیوم الآخر وتومن بالقدر خیره و شره یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام یہ ہے کہ تو لا الٰه الا اللّٰه محمد رسول اللّٰه کی گواہی دے اور نماز قائم کرے اور زکوٰۃ ادا کرے اور روزۂ رمضان رکھے، اگر استطاعت ہو حج بیت اللہ کرے اور ایمان یہ ہے اللہ و رسول اور قیامت کے ساتھ اور تقدیر خیر و شر کے ساتھ ایمان لائے، مودودی عینک کے ذریعہ یہ مطلب ہوا کہ

مومن اور مسلمان دو چیز ہیں، الگ الگ دو حقیقت ہیں، حالانکہ ہر سفید و پلید کبیر و ولید سب جانتے ہیں کہ مومن اور مسلمان کا موضوع لہ شرعی ایک ہے، اصلاحاً دو مرادف لفظ ہیں، جن کا مفہوم متحد ہے، اسی طرح امام مسلم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت فرمائی ہے کہ اذا توضأ العبد المسلم او المومن، اگر شک راوی نہیں ہے تو یہاں بھی وہی دقت کہ لفظ او مومن و مسلم کی تفریق کا متقاضی ہے، لہٰذا جب تک ائمہ اسلام کی بارگاہ عظمت علم میں نیاز مندی کے ساتھ دامن سوال نہ پھیلایا جائے اس وقت تک راہ حق کا واضح ہونا دشوار ہے، پھر بغیر اس کے اندھے کی لاٹھی کا نہ معلوم کون کون شکار ہوگا، ان احادیث کے مفہوم ظاہر سے فریب دے کر کیا مودودی صاحب فتویٰ صادر فرمائیں گے کہ مومن کا مسلمان ہونا ضروری نہیں اور نہ مسلمان کا مومن ہونا ضروری حالانکہ یہ بات مسلّم ہے کہ اسلام و کفر کے سوا کوئی تیسری راہ نہیں۔

حقیقت صوم و صلوٰۃ کی پیش کردہ یہ عبارت کہ اسلام میں کسی ایسے شخص کے مسلمان کہے جانے کی گنجائش نہیں جو نماز نہ پڑھتا ہوگا، جماعتی اقتدار سے مرعوب نہ ہوتے ہوئے ایمان سے فرمایئے کہ کیا اس صاف صریح عبارت کا یہ مطلب نہیں کہ تارک صلوٰۃ کو جب مسلمان کہنے تک کی گنجائش نہیں تو وہ شخص کفر کی ہلاکت سوز دلدل میں پھنس گیا یا نہیں، بلکہ الصلوٰۃ عماد الدین کی غلط تشریح نے تو ایسے کے کفر پر صراحۃً مہر کر دی، مودودی صاحب کے توپخانہ ضلالت نے کس طرح قصر اسلام پر شرک و کفر کی بمباری کی ہے، خدارا نظر عمیق کو دعوت دیجیے، مودودی صاحب کی عبارت میں کتنا تضاد و تخالف ہے، کہاں تو یہ فرمایا گیا کہ تارک الصلوٰۃ کو مسلمان کہنے کی کوئی گنجائش نہیں، وہ ایمان سے ایسا نکل گیا جیسے کمان سے تیر، پھر یا ایھا الذین اٰمنوا اٰمنوا کا مفہوم مودودی صاحب کے حوالے سے آپ نے لکھا کہ ایمان لانے کے بعد احکام کی پابندی کر کے اس پر ثابت قدم رہنا، اس کا صریح مطلب یہ ہوا کہ بغیر پابندی احکام کے بھی مومن ہے اور احکام میں نماز بھی ایک حکم ہے، تو تارک الصلوٰۃ مسلمان ہے، مگر اس پر نماز

کی پابندی ایمان کے بعد ضروری ہے۔

بے شک یہی ہمارا عقیدہ ہے، اگر تمام ضروریات دین کی تصدیق کرتا ہے اور عند المطالبہ اقرار بھی کرتا ہے تو یقیناً وہ مسلمان ہے، اگر چہ فاسق وفاجر ہے، گناہ عظیم کا مرتکب ہے، پکا مسلمان نہیں مگر ہرگز ہرگز وہ کافر نہیں، کسی کا ہاتھ کٹ کر الگ ہوگیا تو اس میں نقصان، عیب پیدا ہوگیا مگر وہ انسانیت سے خارج نہ ہوگا، اسی طرح اعمال ضرور یہ ہیں کہ ان کے ترک سے ایمان میں نقصان آ گیا، اس کی نورانیت اثم و گناہ کی کثیف چادر پڑ جانے سے دب گئی مگر اصل ایمان کی وجہ سے اس کو مسلمان ہی کہا جائے گا، مسلمان ہی جانا جائے گا، ایمان تصدیق قلبی کا نام اس لیے اگر کوئی تارک صلوٰۃ ہوجائے تو مسلمان ہوگا اگر اس کی فرضیت کی تصدیق کرتا ہے، اسی واسطے معالم التنزیل فــلا وربک لا یــومــنــون، الــخ کی تفسیر میں فرماتے ہیں، کہ جب تک آپ کے فیصلے اور حکم کو صدق دل سے نہ مان لیں مسلمان نہیں ہوسکتے، اس کی شان نزول یہ بیان فرمائی کہ پہاڑ سے آنے والا پانی جس سے باغوں میں آب رسانی کرتے ہیں، اس میں ایک انصاری کا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے جھگڑا ہوا، معاملہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں پیش کیا گیا، حضور نے فرمایا اے زبیر! تم اپنے باغ کو پانی دے کر اپنے پڑوسی کی طرف پانی چھوڑ دو، یہ بات انصاری کو گراں گزری اور اس کی زبان سے یہ کلمہ نکلا کہ زبیر آپ کے پھوپھی زاد ہیں باوجودیکہ فیصلہ میں حضرت زبیر کو انصاری کے ساتھ احسان کی ہدایت فرمائی گئی تھی، لیکن انصاری نے اس کی قدر نہ کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر کو حکم دیا کہ اپنے باغ کو سیراب کر کے پانی روک لو، انصافاً قریب والا ہی پانی کا مستحق ہے، اس پر آیت کریمہ نازل ہوئی۔

اس کے علاوہ دو شان نزول اور فرمائی ہیں، بخوف طوالت اس کو ترک کردیا گیا۔

یا ایھا الذین اٰمنوا ادخلوا فی السلم کافۃ یہ آیت کریمہ عبداللہ بن سلام اور ان کے اصحاب کے بارے میں نازل ہوئی، جبکہ وہ لوگ یہودیت سے تائب ہوکر

دولت اسلام سے مالا مال ہوئے، اسلام لانے کے بعد یہ لوگ اونٹ کے گوشت اور اس کے دودھ کو بنظر کراہت دیکھتے تھے اور روز شنبہ کی عظمت ان کے دلوں میں اب بھی قائم تھی، جب کہ یہودی اس کو معظم سمجھتے تھے، ان لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم توریت شریف تو اللہ کی کتاب ہے، ہم نے تو اس کو چھوڑ دیا، ہم کورات کی نماز میں توریت پڑھنا چاہیے، اس پر ارشاد فرمایا گیا، اے ایمان والو! اسلام میں پوری طرح داخل ہوجاؤ، جب کہ معالم التنزیل میں ہے نزلت هذه الآية في مومني اهل الكتاب عبدالله بن سلام النغيري واصحابه وذلك لانهم كانوا العظيمون السبت ويكرهون لحوم الابل والبانها بعد ما اسلموا وقالوا يا رسول الله ان التوراة كتاب الله ندعنا فلنقم بها في صلواتنا بالليل فانزل الله تعالىٰ يا ايها الذين اٰمنوا ادخلوا، الخ مطلب یہ ہے کہ ایمان کے بعد تمام احکام اسلام کی پابندی کر کے پکے مسلمان بنو۔ امید کہ ان وضاحتوں کے بعد مودودی صاحب کی غلط اور ڈکیٹرانہ تشریح کی حقیقت آپ کے ذہن میں واضح ہوجائے گی، مودودیت دین میں ایک فتنۂ عظیمہ ہے، ہر قدم پر اس کی تلبیسی کارروائیوں اور ابلہ فریب کرتوتوں سے ہوشیار رہیں، سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے لیے اس دھرم کو جنم دیا گیا ہے، انشاءاللہ تعالیٰ یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوگا۔

آخر گفتگو میں آغوش مودودی کے ۱۵ ر سالہ تربیت یافتہ اور جماعت اسلامی کے رکن رکین مولانا کوثر نیازی کے تاثرات پیش کرتا ہوں، جو کہ مودودی صاحب کے نام ایک کھلی چٹھی ہے، جو قومی آواز یکم مارچ ۱۹۶۵ء میں شائع ہوئی ہے، خط بہت طویل ہے مختصر اقتباس پیش کرتا ہوں۔

ابوالاعلی صاحب کو مخاطب کر کے لکھتے ہیں ''میں بہت گنہگار ہوں مگر میری پوری زندگی کے گناہ ایک طرف اور یہ اکیلا گناہ (یعنی فاطمہ جناح کی قیادت تسلیم کر کے اور عورت کی سربراہی پر جواز کا فتویٰ دے کر) دوسری طرف کہ میں جس بات کو شرعاً درست

نہیں سمجھتا تھا صرف جماعتی قواعد وضوابط کی وجہ سے اس معصیت پر مجبور ہو گیا کہ اب اس کی نمائندگی کروں، اللہ میرے اس جرم کو معاف فرمائے، ورنہ ڈرتا ہوں کہ کہیں اس جرم کی وجہ سے میرا دل رہے سہے ایمان ہی سے محروم نہ ہو جائے'' میرے کشمیری بھائی دل پر ہاتھ رکھ کر ۱۵ سالہ رکن جماعت کی بات سنئے، پہاڑ کی طرح جس کو گناہ سمجھا، جس کے ارتکاب میں ایمان چھن جانے کا سخت اندیشہ اور خطرہ مگر جماعتی قواعد وضوابط کی پابندی میں اتنا بڑا گھناؤنا جرم اور غلیظ گناہ کرنا گوارا کر لیا، تو جو ہلکے گناہ یا متوسط ہوں گے، ان کو تو شربت کا گھونٹ سمجھ کر مزے لے لے کر حلق سے اتار لیا جاتا ہوگا، پھر جب جماعت اسلامی کے رکن اعظم نے جب یہ گوارا کر لیا تو جماعت اسلام کے عوام تو اندرون خانہ خدا معلوم ابلیس کو بھی شرمندہ کرتے ہوں گے۔

اذا كان الغراب دليل قوم

سيهديهم طريق الهالكينا

جماعتی پابندی میں اصول اسلام ذبح ہو جائے، ایماندار بے ایمان بن جائے، ابوالاعلی صاحب کو اس کی پرکاہ کے برابر پرواہ نہیں، پھر ماضی اور حال کے عنوان کے ساتھ کوثر نیازی لکھتے ہیں ''ہم نے امیدواری کو حرام قرار دیا اس کے لیے صحابہ تک کی کسی جلیل القدر شخصیت میں امیدواری کا کوئی پہلو ہمارے سامنے پیش کیا گیا تو ہم نے اپنی اجتہادی رائے کو نص کا درجہ دے کر اس پر تنقید کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا، مگر ہم اپوزیشن کے ساتھ مل کر امیدواروں سے خود درخواستیں طلب کر رہے ہیں، ہم نے کہا صالح نمائندہ پنچائتی سسٹم سے آئے جس جماعت یا گروہ سے بھی تعلق رکھتا ہو، پھر ہم نے صالح نمائندوں کا جماعت کے دائرے میں مخصوص کر دیا، پہلے ہم پارٹی ٹکٹ کو لعنت کہتے تھے، اب محاذ کے ساتھ شریک ہو کر غیر صالحین کو بھی ٹکٹ بانٹ رہے ہیں، ہم نوٹ پر قائد اعظم کی تصویر چھاپنے پر سخت برہم تھے، صدارتی انتخاب (پاکستان میں) ہمارے کارکنوں نے ان کی بہن کی تصویر لی، دو چہ گلی گلی فروخت کیے، پہلے ہم نے صدارتی سے

بڑھ کر امارتی تصور خلافت پیش کیا تھا، اب ہم پارلیمانی نظام جمہور کو اسلامی قرار دیتے ہیں، پہلے ہم اسمبلیوں میں اراکین کی الگ پارٹیاں بنانے کو غیر اسلامی قرار دیتے تھے، بعد میں ہم نے خود اس پر عمل کیا، پہلے ہم مخلوط جلسوں میں شریک نہیں ہوتے تھے، اب مخلوط جلسوں کی صدارت کرتے اور ان میں تقریریں کرتے ہیں، پہلے ہم علما کے اتحاد کی کوشش کرتے اور موجودہ پارٹیوں کو ساتھ ملانا غلط سمجھتے تھے، اب علما کے اتحاد سے بے نیاز اور سیاسی پارٹیوں کے محاذ کو مضبوط کرنا تقاضائے اسلام سمجھتے ہیں، پہلے ہم خواتین کو ووٹ دینے کا حق دینے میں راضی نہ تھے، اب ان کی صدارت تک کے لیے کوشش کرتے ہیں، پہلے ہم اپوا کے زبردست ناقد تھے، اب انھیں کا ایک حصہ متحدہ حزب اخلاف کی خواتین کمیٹی کی صورت میں منظم ہوا ہے، تو ہمارے اکابرین کی بیگمات ان کے جلسوں سے خطاب فرماتی ہیں، پہلے ہم طلبا کو عملی سیاست میں حصہ لینے سے روکتے تھے، اب ان سے عملی سیاست میں شریک ہونے کی پہلیں کرتے ہیں، پہلے ہم جلسوں اور بقروں کو غیر اسلامی کہتے تھے، اب غلاف کعبہ تک کے جلوس نکالتے اور اپنے رہنماؤں کو لیے زندہ باد کے نعرے لگاتے ہیں، پہلے ہم ان انسانی (غیر اسلامی) قوانین پر چلنے والی عدالتوں میں مقدمات لے جانا بہت بڑا گناہ سمجھتے تھے، اب انھیں عدالتوں کو ہم عدل و انصاف کا محافظ قرار دیتے ہیں، پہلے ہم وکیلوں کو شیطانی برادری کا رکن سمجھتے تھے، اب انھیں کو جمہوریت کا سرپرست کہتے ہیں، آج تقریباً ڈیڑھ سال کے بعد ان خرابیوں میں اضافہ ہی ہوا، کمی نہیں ہوئی، جماعت میں باہمی عداوتیں ترقی پر ہیں، لین دین کے معاملات میں کارکن تو ایک طرف رہے ہمارے رہنما تک افسوسناک کردار رکھتے ہیں، امانتیں ضائع ہو رہی ہیں، عشر اور زکوٰۃ کی رقوم خالص سیاسی اور انتخابی مہمات اور ہمہ وقتی کارکنوں کی تنخواہوں پر صرف کی جا رہی ہیں، رائج الوقت سیاسی بحثیں اتنی مرغوب ہو چکی ہیں کہ ہماری مجالس میں خدا اور رسول کا تذکرہ برائے بیت رہ گیا ہے"۔

ایک پختہ کار مودودی فرزند کی زبان سے آپ نے مودودی کیریکٹر ملاحظہ فرمایا اگر

کوئی کسی دوسری جماعت کا ہوتا تو اس کو تعصب وعناد پر آپ محمول کر سکتے تھے، مگر کیا کیجیے گا یہ اس کی زبان سے ہے، جس نے ۱۵؍سال تک مودودیت کا دودھ پیا ہے، مثل مشہور ہے صاحب البیت ادری بما فیه گھر والا گھر کے سامان کا زیادہ واقفکار ہوتا ہے۔

میرے بھائی آپ ذرا ذہن وفکر سے کام لیں، کسی گندی گھناؤنی چیز پر ورق نقرہ چپکا دینے سے ظاہری حسن ضرور دلفریب ہوگا، مگر اس کی اصلی قباحت ورذالت کسی حال میں زائل نہ ہوگی، مودودیوں نے اپنے مکروہ چہرہ پر بڑی خوش منظر اور دیدہ زیب نقاب ڈال رکھی ہے تاکہ بھولی بھالی قوم بڑی آسانی سے انکے دام تزویر میں پھنس جائے اور ان کے ضالت کے تھان پر اپنا ایمان بھینٹ چڑھادے اور یہ سب کچھ محض سیاسی اقتدار اور آمرانہ اختیار کے حصول کے لیے ہے، غلام احمد قادیانی نے جھوٹی نبوت کا راگ الاپا، اس نے بھی قوم کو بڑا سبز باغ دکھایا اور ہزاروں کوملت و مذہب کا باغی بنادیا، اس کی نام نہاد دکان نبوت کے لیے بھی ہزاروں گاہک ملے، مگر دنیا بہت جلد ان کی ایمان سوز تحریک سے باخبر ہوگئی، ان کے مکروفریب کا بھانڈا پھوٹ گیا، مودودیت کی ننگی تصویر اگر دیکھناہ تو نوری کرن کا خاص نمبر منگا کر ملاحظہ فرمائیں، پھر آپ کے نزدیک مودودیت کا گھناؤنا چہرہ نمایاں ہوجائے گا اور مودودیت کے نام سے آپ کو نفرت ہوگی.......فقط والسلام۔

(ماہنامہ نوری کرن بریلی جون، جولائی ۱۹۶۵ء)

☆☆☆

(۸) الکُحلُ

بتوفیقہٖ تعالیٰ اس میں شک نہیں کہ خمر بالمعنی الحقیقی بنص قطعی حرام قطعی ہے، جس کی حلت کا قائل یقیناً قطعاً کافر ہے، مگر مفہوم خمر متعین کرنا ضروری ہے، احادیث کریمہ کے اعتبار سے خمر کا اطلاق بہت سے مشروبات پر ہے الشجرتین النخلة والعنب

(مشکوٰۃ شریف) جو غیرہ مشروبات پر بھی بقول امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خمر کا اطلاق ہے، (مشکوٰۃ شریف) ائمہ کرام نے فرمایا کہ عنب کے علاوہ پر مجازاً اطلاق خمر کیا گیا، اس پر تو اجماع ہے کہ انگور سے تیار کی گئی شراب بالمعنی الحقیقی خمر ہے، اس کی حرمت کا منکر قطعاً کافر ہے، بقیہ شجرہ وتمر وغیرہ سے تیار کی گئی شراب بالمعنی الحقیقی خمر نہیں، نیز اس پر بھی بمفہوم حدیث تمام ائمہ متفق ہیں کہ کل مسکر حرام، اسپرٹ کا اتخاذ صرف انگوری شراب سے نہیں، بلکہ بیشتر غیر انگوری شراب سے ہے، اگر انگوری مسکر شراب سے ہے تو قطعاً حرام ہے، جس کی حرمت کا منکر کافر ہے اور اگر انگور سے نہیں اور اس میں سکر نہیں تو اس کا استعمال داخلاً وخارجاً دونوں جائز ہے۔ حاشیہ ہدایہ میں عنایہ سے ہے:

النبیذ من الزبیب ھو الذی من ماء الزبیب اذا طبخ ادنیٰ طبخة یحل شربه مادام حلوا واذغلا اشتد وقذف بالذبدة علی قول ابی حنیفة وابی یوسف یحل شربه مادون اسکر و عند محمد والشافعی لا یحل والنبیذ من التمر ھو ماء التمر اذا طبخ ادنیٰ طبخة یحل شربه فی قولھم مادام حلوا واذغلا واشتد وقذف بالذبدة عند ابی حنیفة و ابی یوسف یحل شربه لتداوی والتقویٰ الا القدع المسک وقال محمد والشرب لا یحل۔

اس عبارت سے مفہوم ہوا کہ سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ وسیدنا ابو یوسف رضی اللہ عنہ کے نزدیک جوش واشتداد بلکہ قذف بالذبد ہو جب بھی حلال ہے، جب تک اس میں سکر نہ ہو بلکہ عالمگیری میں ہے الینی من ماء العنب اذا غلیٰ واشتد ولم یقذف بال ذبد فشربه انسان فسکر لایحدفی قول ابی حنیفة و حکمه حکم العصیر، اھ کہ انگور کے عسارہ میں جوش واشتداد آجائے تب بھی وہ حلال ہے، جب تک قذف بالذبد نہ ہو، یعنی امام کے نزدیک خمر کا اطلاق جب ہوگا کہ قذف بالذبد ہو جائے۔

بالغرض اسپرٹ انگور سے تیار ہو تو کیا دلیل ہے کہ اس عصیر سے تیار ہے، جس

میں جھاگ آ گئی ہے، میرے خیال میں اس پر کوئی دلیل نہیں، صاف مضمون ہے اگر اس میں سکر بھی ہو مگر قذف بالذبد نہ ہو تو اس پر حد نہیں کیا جا سکتا کہ بھنگ افیون کے نشہ میں حد نہیں، لہٰذا امام صاحب کے نزدیک اگرچہ حد نہیں مگر حرام ہے۔

آگے کی عبارت وحکمہ حکم العصیر سے معلوم ہوا کہ جس میں جھاگ نہیں وہ پاک بھی ہے اس لیے کہ ہر پاک چیز کا عصیر پاک ہے والفتوىٰ مطلقاً علی قول الامام، چونکہ یہ یقین نہیں کہ جس دوا کو ہم خرید رہے ہیں، اس میں وہی اسپرٹ ہے جو انگوری ہے، لہٰذا شبہ کی وجہ سے اس پر حرمت قطعیہ کا حکم نہیں ہونا چاہیے، اگر تمر و زبیب سے تیار کردہ اسپرٹ ہے تو پھر یہ اس مشروب سے مستعمل ہے، جس میں قذف بالذبد ہو چکا ہے، اس پر مجازاً قذف کا حمل ہوگا، اگر نہیں تو نہیں، بہر حال جس مشروب یا غیر مشروب کو ہم نے خریدا اس میں اشتباہ ہے کہ اس میں خمر بالمعنی الحقیقی مشروب ملا ہے یا بالمعنی المجازی، اگر بالمعنی المجازی ہے تو اگر اس میں وہ مشروب ملا ہے، جس میں قذف بالذبد ہے یا نہیں اگر قذف بالذبد ہے تو خمر کے معنی میں ہے، جس کا استعمال داخلاً خارجاً حرام ہے اور اگر نہیں تو قول امام میں المتخذة من العنب میں قذف بالذبد نہ ہو اور اگر آ جائے تو یہ حد نہیں بلکہ عصیر ہے اور عصیر کا استعمال جائز ہے، جب کہ اس میں غلیان و اشتداد و قذف بالذبد نہ ہو تو حلال ہے، جیسا کہ صاحب ہدایہ نے عصیر کو قید کے ساتھ حرام فرمایا کما فی الھدایة فی باب الاشربة، ان تفصیلات میں جہاں اشتباہ کی بنا پر حلت کی طرف رجحان کیا گیا ہے اور اس وقت جب ثابت ہوا کہ اسپرٹ میں سکر نہیں اور اگر ثابت ہو کہ سکر ہے تو یقیناً حکم حرمت ہونا چاہیے جیسا کہ حدیث میں ہے ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، مشکوٰۃ ص ۳۱۷)۔

دوسری حدیث کل مسکر خمر و کل خمر حرام (رواہ مسلم، مشکوۃ ص ۳۱۷) امام اہلسنت اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ارشاد سنیے ان اشیاء میں وھی روح النبیذ خمر قطعا بل من اخبث الخمور، اھ (فتاویٰ رضویہ جلد دہم) ان

کے یہاں شراب کے برابر کوئی شئی حافظ قوت ادویہ نہیں اور تمام تحلیلات والحمال کیمیاویہ میں جن سے ایسی تراکیب کم خالی ہوتی ہیں، اسپرٹ کا استعمال لازم ہے، اسپرٹ قطعاً شراب ہے (فتاویٰ رضویہ جلد دہم) اس ارشاد کے مطابق تو محض شراب نہیں بلکہ خمر بالمعنی الحقیقی ہے، جیسا کہ فرمایا کہ خمر قطعاً، اسپرٹ قطعاً شراب ہے، پس ارشاد کے مطابق چونکہ الکحل اسپرٹ ہی کا مقطر ہے، لہذا اس کا بھی یہی حکم ہونا چاہیے، مگر جب سے یونانی حکما اور یونانی دواؤں کی جگہ انگریزی ڈاکٹروں، انگریزی دواؤں نے لے لیا، عوام وخواص تمام ڈاکٹر وہی دوائیں استعمال کرتے ہیں، اور اسی کا نام عموم بلویٰ یا تعامل ہے، امام اہل سنت قدس سرہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر ناجائز چیز دوا کے لیے استعمال کرنا جائز بھی ہو تو وہاں کہ اس کے سوا دوا نہ ملے اور یہ امر طبیب حاذق مسلمان غیر فاسق کے اخبار سے معلوم ہو اور یہاں دونوں امر متحقق نہیں فی الدر المختار ، کل تعداد لا یجوز الا بظاهر وجوزه في النهاية بمحرم اذا اجزه طبيب مسلم ان فيه شفاء ولم يجد مباحا يقوم مقامه اھ ملخصاً، اس عبارت سے تداوی کے طور پر ناجائز کا استعمال بشروط جائز ہے، شرط کی قید تحصیل ظن غالب کے لیے ہے، ظاہر بات ہے کہ وہ اطبا کہاں ہیں یا وہ دوائیں کہاں دستیاب ہیں، بالخصوص دیہاتوں میں اگر کچھ یونانی اطبا ہیں تو وہ بھی انگریزی دواؤں سے علاج کرتے ہیں اور استعمال بالمحرم کی وجہ سے وہ فاسق ہیں، پھر طبیب عادل کمیاب نہیں نایاب ہیں، پھر انگریزی ڈاکٹروں اور انگریزی دواؤں پر عمومی طور پر ہر شخص کو اعتماد ہے تو ان حالات میں انگریزی دواؤں کا استعمال جائز ہونا چاہیے، اگرچہ اس میں اسپرٹ یا الکحل کی آمیزش ہے، پھر امام اہلسنت فرماتے ہیں ''عمل در لیکا در دفع چیچک باذن اللہ تعالیٰ نفع می دہد ہمچوں بداوں اگر چہ مشتمل بر چیزے از الم بود ممنوع نیست مثل داغ نہادن آرے متوکلان رانباید'' اھ۔

امام اہلسنت کا بیان اوپر آ چکا ہے کہ کوئی دوا اسپرٹ یا الکحل سے خالی نہیں پھر ٹیکا بغیر اسپرٹ سے خالی نہیں، پھر ٹیکا بغیر اسپرٹ کے کبھی نہیں لگایا جاتا، اس سے پتہ چلا کہ

الضرورات تبيح المحظورات اور تجربہ ہو چکا ہے کہ جہاں چیچک یا کوئی وبائی بیماری ہو، ان ٹیکوں سے فائدہ ہوتا ہے وبا کا دفعیہ ہو جاتا ہے باذن اللّٰہ تعالیٰ لانہ ہو الشافی المطلق، امام اہلسنت قدس سرہ سے استفسار ہوا، مصری ایک سرخ رنگ کے کاغذ میں جس کی نسبت قوی گمان ہے کہ پوڑیا کے رنگ میں رنگا گیا ہو، اس کی سرخی فی الجملہ مصری میں آگئی تو وہ مصری کھائی جائے یا نہیں؟ اس کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں، پوڑیا کی نجاست پر فتویٰ دیے جانے میں فقیر کو کلام کثیر ہے، ملخص اس کا یہ کہ پوڑیا میں اسپرٹ کا ملنا اگر بطریق شرعی ثابت بھی ہو تو اس میں شک نہیں کہ ہندیوں کو اس کی رنگت میں ابتلائے عام ہے اور عموم بلویٰ نجاست متفق علیھا باعث تخفیف ہے حتی فی موضع النص القطعی کما فی ترشش البول قدر رؤس الابر کما حققه المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر (فتاویٰ رضویہ جلد دوم)۔

امام اہلسنت قدس سرہ کے زمانہ میں جس قدر شکر کی پوڑیا میں ابتلا تھا آج کے دور میں اس سے کہیں زیادہ بہت زیادہ بلکہ بالعموم انگریزی دواؤں کے استعمال میں ابتلائے عوام وخواص ہے، جب امام اہلسنت کے نزدیک جس کی نجاست بنص قطعی ہے، اس میں ابتلائے عام کی وجہ سے راہ تخفیف ہے، تو اسپرٹ کی نجاست بنص قطعی مان لی جائے تو ابتلائے عام کی وجہ سے تخفیف کا باعث ہے، اگر ہم انگریزی دواؤں کے بارے میں عدم جواز کا فتویٰ دیتے ہیں کہ حرام قطعی ہے تو ایک مرتبہ اس کے ارتکاب سے مرتکب فاسق ہوگا اور اگر حرام ظنی کا قول کرتے ہیں تو چونکہ ہر شخص بار بار انگریزی دوائیں استعمال کرتا ہے اور صغیرہ بالاصرار حکم گناہ کبیرہ بنتا ہے، اس پر بھی فسق کا حکم ہوگا، اب بتائیں کون عادل رہ جائے گا، کیا علمائے کرام مستثنیٰ ہیں، میرے خیال میں سب مرتکب ہیں الا من وفقه اللّٰه تعالیٰ، پھر ائمہ مساجد کہاں ملیں گے، اساتذہ ایسے کہاں ملیں گے، وفادار طلبہ تو اپنے اساتذہ کی مدح کریں گے اور حدیث میں ہے اذا مدح الفاسق غضب الرب واهتزله العرش۔

قابل صد احترام علمائے کرام کافی غور وخوض کے بعد فیصلہ فرمائیں، فقیر تو ایک عدیم الشعور خادم العلما کفش بردار ہے، اس کی رائے کی کیا حیثیت ہے، صرف حضرت علامہ مفتی نظام الدین صاحب کے ارشاد پر یہ چند سطریں سپرد قلم کی ہیں، امام اہلسنت قدس سرہ کے ذہن میں دینی دنیاوی علوم کا جو استحضار تھا، جس سے ان علمی عبقریت کی بارگاہ میں ہماری جبین نیاز خم ہے، میرا عقیدہ ہے کہ فاتح المحققین علامہ شامی رحمۃ الباری ہوتے تو امام اہلسنت کا منہ چوم لیتے، انھوں نے تحقیق حق کا حق تحقیق ادا فرمایا مگر زمانہ کے تغیر سے مسائل میں تغیر کی ضرورت پڑ گئی، جبکہ مسئلہ مفقود میں سیدنا امام مالک رضی اللہ عنہ کے مسلک پر علمائے اہلسنت کی اکثریت نے ظاہر الروایہ کے خلاف فتویٰ صادر فرمایا، اور یہ علمائے ربانی کا حق ہے من لم يعرف اهل زمانه فهو جاهل کے تحت بعض مسائل میں تغیر ناگزیر ہے، معزز علمائے کرام سے گزارش ہے کہ عوام وخواص کی مشکلات پر نگاہ توجہ فرمائیں تاکہ لوگوں کو فسق وفجور سے بچایا جاسکے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆

(۹) آسماں راحق بود گر خوں ببارد بر زمیں

آج کیسی اداسی چھائی ہوئی ہے، فضا میں افسردگی کیسی طائران خوشنوا کا حسین ترنم کیا ہوا، عندلیبان چمن کے لبہائے شیریں پر نغمۂ آفریں کیوں نہیں، قمریاں کیوں محوِ نالہ ہیں، نسیم سحری کی اٹکھیلیاں کیا ہوئیں، کلیوں کو گدگدانا کیوں بھول گئی، پھولوں کا جانفزا تبسم کیا ہوا، گل ویاسمن نے ہنسنا کیوں چھوڑ دیا، سبز پودوں کا لباس برگ وگل کیا ہوا، یہ عریانیاں کیسی، بت بنا ہوا سرو چمن کیوں محو حیرت ہے، ستاروں کی حسین انجمن کیا ہوئی، آسمان کا رنگ کیوں نیلا پڑ گیا، ہاں وہی آسمان تو ہے جس نے بدر وحنین میں خون کے

بہتے ہوئے دھارے دیکھے، جس نے اوس وخزرج کے خون سے زمین کو لالہ زار دیکھا، جس نے لاکھوں کروڑوں بجلی کی طرح کڑکتی ہوئی خون آشام تلواریں دیکھیں، جس نے بڑے بڑے لرزہ خیز اور دل ہلا دینے والے خونی مناظر دیکھے، پھر بھی اس کی چال میں فرق نہ آیا، درودیوار پر نیر تاباں کی تجلیوں کا مچلنا کیا ہوا، عارض خورشید کیوں زرد پڑ گیا، آنکھیں کیوں اشکبار ہیں، یہ آنسوؤں کے دھارے کیسے چمن کی دلکش رنگینیاں اور گلستاں کی دلفریب رعنائیاں کیوں رخصت ہوگئیں، پھول کی ہر پنکھڑی کو بادصرصر کیوں اڑا رہی ہے، خرمن امن میں شعلے کیوں برسائے جارہے ہیں، نشیمن کیوں دھواں دھار ہے، پھولوں کی عطر بیز مہک کیا ہوئی، خورشید فلک کی چمک کیا ہوئی، دل کیوں بیٹھا جارہا ہے، نبضیں کیوں چھوٹ رہی ہیں، مسرت وانبساط کی گھڑیاں کہاں گئیں، جیب وگریبان کی دھجیاں کیوں اڑائی جارہی ہیں، گھر کیوں کھنڈر بن رہے ہیں، کیا کوئی بلا خیز طوفان آگیا ہے، یا اللہ آسمان سے خونی بارش کیسی کلیجہ کیوں منہ کو آرہا ہے، یہ ظلم وستم کی بجلیاں کیوں کڑک رہی ہیں، نظام عالم کیوں برہم ہورہا ہے، شیرازۂ سکون کیوں بکھر رہا ہے، شروفساد کی آندھیاں کیوں چلنے لگیں، شقاوت وبربریت کی چتا میں عدل وانصاف کیوں جھونکا جارہا ہے، آستانۂ ظلم وستم پر اخوت ومؤدت کی بھینٹ کیوں چڑھائی جارہی ہے، انسانیت کیوں چیخ رہی ہے، دیانت کیوں آہ وفریاد کررہی ہے، صداقت کیوں کراہ رہی ہے، عالم میں یہ کیسا طوفان بپا ہے، شرم وحیا کا جنازہ کیوں نکالا جارہا ہے، یہ خوگر امن بانئ فساد کیوں بن گئے، شیطنت کیوں قہقہے لگارہی ہے؟ چنگیز وہلاکو کی داستان شقاوت کیوں دہرائی جارہی ہے، انسان کیوں درندہ بن گیا ہے، یا اللہ اس بےآب وگیاہ خشک زمین پر دو متقابل جماعتیں کیسی، آفتاب کی تمازت میں دو متماثل قوموں کا انداز جنگ کیسا، دیکھتے ہی دیکھتے سردھڑ کی بازی لگنے لگی، کشتوں کے پشتے لگ گئے، خون کے دھارے بہنے لگے، بڑے بڑے سورما کا پتہ پانی بن گیا، ایک طرف اطمینان ہے، سکون ہے، وقار ہے، تحمل وبرداشت ہے، آنکھوں کے سامنے عورتوں کا سہاگ لٹ رہا ہے، کتنی بیوہ بن

گئیں، کتنے بچے یتیم بن گئے، یتیموں کے پھول سے رخسار کا تلواریں بوسہ لے رہی ہیں، پھر بھی آہ و بکا، شور و شیون کا کوئی نشان نہیں، دوسری طرف درندہ صفت خونخوار اترا رہا ہے، اپنی کمزوری پر نازاں ہے، حکومت کا نشہ چڑھا ہوا ہے، مگر پھر بھی جان کے لالے پڑے ہیں، بدحواسی کا عالم ہے، سارا نشہ ہرن ہو رہا ہے، خدا کی وسیع زمین تنگ نظر آ رہی ہے، قدرت نے ڈھیل دے دی، ظلم اپنی آخری منزل پر ہے، دیکھتے ہی دیکھتے چمنستان رسول کا مہکتا ہوا پھول نمودار ہوا، بزدل یکدم ٹوٹ پڑے، تیروں کی بارش شروع کر دی، ظلم و ستم کی بجلی کڑکی، پھول ہی تو تھا جو کمھلا گیا، چاند بدلی میں آ گیا، قیامت آ گئی، شہیدانِ وفا کا امتحان ہو گیا۔ ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

(نوری کرن بریلی جون رجولائی ۱۹۶۵ء)

☆☆☆☆☆

سند العلما حضرت مولانا مفتی مجیب الاسلام نسیم اعظمی علیہ الرحمۃ

وہ سند العلما

- جنہوں نے بریلی شریف میں تدریسی خدمات کا بہترین نقش چھوڑا اور رضوی دارالافتا میں مسند افتا کو زینت بخشی۔
- جن کے رشحات قلم سے ہزاروں فتاویٰ صادر ہوئے اور سرکار مفتی اعظم نے مہر تصدیق ثبت فرمائی۔
- جن کے متعدد تلامذہ آج درسگاہوں کے شیخ الحدیث اور صدر المدرسین ہیں۔
- جن کے دست مبارک سے لکھے ہوئے ''شامی'' کے تقریباً چھ سو صفحات نگاہوں کو خیرہ کر رہے ہیں۔
- جنہوں نے فتاویٰ رضویہ کا مبیضہ فرما کر علما و مشائخ کی دعائیں حاصل کیں اور محبوب نظر بنے۔
- جو بانی مدارس کثیرہ تھے اور متعدد مدارس اہل سنت کے انتظام و انصرام میں منتظمین کے مدد و معاون بنے۔
- جنہوں نے مذہب حنفی کی اشاعت اور مسلک امام احمد رضا کا گلی گلی ڈنکا بجایا اور ان کی تعلیمات عام کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔

حضرت مولانا مفتی مجیب الاسلام صاحب نسیم اعظمی علیہ الرحمۃ

کا قائم فرمودہ مشرقی اتر پردیش کا مشہور و معروف ادارہ مدرسہ عربیہ رضویہ ضیاء العلوم قصبہ ادری ضلع مئو یوپی ترقیوں کی راہ پر گامزن ہے۔ ہمدردان ملت سے اعانت کی درخواست ہے۔